خواتین کے لیے خصوصاً مستحرا قمر کی ادب

ماہنامہ

آنچل

کراچی

aanchalpk.com aanchalnovel.com

Digitized by Google

جلد نمبر	40
شمارہ نمبر	07
نومبر	2018

بانی مدیرہ	زیب النساء
مدیر اعلیٰ	مشتاق احمد قریشی
مدیرہ	قیصر آراء
نائب مدیرہ	سعیدہ نثار
گروپ ایڈیٹر	طاہر احمد قریشی
مدیر معاون	جویریہ احمد روبینہ احمد

اشتہارات اور دیگر معلومات
0300-8264242

رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی
رکن کونسل آف پاکستان
رکن چیمبر آف کامرس

aanchalpk.com
aanchalnovel.com
www.aanchalpk.com/blog
onlinemagazinepk.com/recipes
/Naeyufaq Aanchal & Hijab official group
/women.magazine

Digitized by Google

اس شمارے میں

سرگوشیاں	قیصر آرا	14
حمد	صبیح رحمانی	15
نعت	عنایت علی خان	15
درجواب آں	مدیحہ	16
الکوثر	مشتاق احمد قریشی	20
انٹرویو	فاطمہ آفاق	23
تیری زلف کے سر ہونے تک	اقرا صغیر احمد	26
اکائی	عشنا کوثر سومرو	118
عشق سفر کی دھول	نازیہ کنول نازی	58
دل کی آواز بھی سن	یاسمین نشاط	80
وفا کے دیپ	نادیہ فاطمہ رضوی	168
جمال ہم نشیں	حمیرا علی	150
گھر کی ملکہ	رابعہ افتخار	50
چور مینا	اُم ہانی	78
محرم رشتہ	ماورا طلحہ	140
میری زہرہ جبیں	حمیرا شعیب	146

پبلشر: مشتاق احمد قریشی پرنٹر: جمیل حسن ابن حسن پرنٹنگ پریس
ہا کی اسٹریم کراچی دفتر کا پتا: 7 فرید چیمبرز عبداللہ ہارون روڈ کراچی۔ 74400

Digitized by Sarwat Ali

RDU TUBE

ہومیو کارنر	طلعت نظامی	194	یادگار لمحے	جویریہ سیالک	209
بیاض دل		196	آئینہ	شہلا عامر	212
ڈش مقابلہ	طلعت آغاز	198	ہم سے پوچھیے	شمائلہ کاشف	220
نیرنگ خیال	ایمان وقار	201	آپ کی صحت	ہومیو ڈاکٹر ہاشم مرزا	222
دوست کا پیغام آئے	ہما احمد	205	کام کی باتیں	حنا احمد	225

خط و کتابت کا پتہ: "آنچل" پوسٹ بکس نمبر 75 کراچی 74200 فون: 021-35620771/2
فیکس: 021-35620773 یکے از مطبوعات نئے افق پبلی کیشنز۔ ای میل info@aanchal.com.pk

حضرت ابو یحییٰ خریم بن فاتک سے روایت ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو اللہ کی راہ میں کچھ خرچ کرے تو اس کے لیے سات سو گنا کا اجر لکھا جاتا ہے۔ (ترمذی)

سرگوشیاں

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

نومبر 2018ء کا آنچل آپ کے ذوق مطالعہ کی تسکین کے لیے حاضر ہے۔

آپ بہنیں جس طرح اپنی بھرپور شرکت سے آنچل کو سجاتی ہیں اس سے ہماری ساری محنت وصول ہوجاتی ہے۔ پرچے کو آپ کے ذوق کے مطابق ڈھالنے اور اس کو آپ تک پہنچانے میں ہمیں جو مشکلات پیش آتی ہیں وہ سب آپ کے تبصروں اور حوصلہ افزائی سے کافور ہوجاتی ہے اور ہم بھی ساری تھکان بھول کر نئے سرے سے اپنے فرائض انجام دینے لگتے ہیں کیونکہ آنچل و حجاب آپ سے جڑے ہیں اور ہم آپ کی چاہت و محبت کے مقروض ہیں۔ اللہ سبحان وتعالیٰ یہ رشتہ یوں ہی قائم و دائم رکھے آمین۔

اس وقت وطن عزیز میں ہر شہر کا موسم الگ ہے کہیں برسات ہے تو کہیں گرمی اپنے جوبن پر ہے۔ موسم تو بدل گیا ہے مگر ملکی حالات بدلتے نظر نہیں آرہے۔ نئی حکومت نے جس شدت سے تبدیلی کا نعرہ لگایا تھا اس سے یوں گمان ہوتا تھا کہ جیسے دوسرے دن ہی تبدیلی آجائے گی۔ دو ماہ گزر چکے ہیں فی الحال تبدیلی کا دور دور تک پتا نہیں۔ نیا پاکستان ابھی تک پرانے طور طریقوں پر عمل پیرا ہے۔ وہی دعوے اور وعدے مخالفین کی پکڑ دھکڑ، نعرے، خواب، امیدیں اور بے چارے غریب عوام۔

سہرہنما جن خوابوں کو عوام کی آنکھوں میں سمو دیتے ہیں بقول شاعر ''جانے ان خوابوں کی قسمت میں سحر ہے کہ نہیں'' ضمنی الیکشن کے موقع پر ایک دفعہ پھر پکڑ دھکڑ شروع ہوگئی ہے۔ آئی ایم ایف کے پاس جانے کی تیاری ہورہی ہے معیشت کا برا حال ہے۔ ایل پی جی اور سی این جی گیس کی قیمتوں میں ایک ماہ میں دو بار اضافہ کردیا گیا ہے۔ اشیائے خورونوش مہنگی ہوگئی ہیں۔ کے الیکٹرک نے جان عذاب میں ڈالی ہوئی ہے بجلی نہ ہو تو پانی بھی نایاب ہوجاتا ہے۔ ان ستر برسوں میں سوائے نعروں کی تبدیلی کے اور کچھ تو نہیں بدلا۔ اللہ کرے کہ موجودہ حکمران اپنی تبدیلی کے ایجنڈے پر نیک نیتی سے عمل کریں تاکہ بے بس اور لاچار عوام بھی سکھ کا سانس لے اور واقعی کسی خوش گوار تبدیلی کا احساس ہو۔

وہ باہمت خواتین جو گھر والوں کی معاشی ذمہ داریوں میں ہاتھ بٹانے کے لیے کسی نہ کسی ملازمت یا پیشے سے منسلک ہوتی ہیں اس راہ میں انہیں کون سی مشکلات درپیش ہوتی ہیں، کس طرح کے رویے سے سابقہ پڑتا ہے اس کے باوجود وہ ثابت قدمی سے حالات کا مقابلہ کرکے گھر کے حالات کو بہتر بنانے کے لیے اپنا حصہ ڈالتی ہیں۔ ایسی باہمت خواتین کی جدجہد کو سامنے لانے کے لیے ہم نے ''ہمارا آنچل'' کی جگہ نیا سلسلہ ''نخ وشیریں'' کے عنوان سے شروع کیا ہے۔ امید ہے قارئین کو پسند آئے گا وہ اس سلسلے میں بھرپور تعاون کریں گے۔

نومبر 2018ء کا آنچل آپ کو کیسا لگا۔ ہم آپ کی رائے کے منتظر ہیں۔

آیئے چلتے ہیں آپ کے شمارے کی جانب:

اس ماہ کے ستارے:

یاسمین نشاط، رابعہ افتخار، ام ہانی، ماورا طلحہ، حمیرا شعیب، حمیرا علی، نادیہ فاطمہ رضوی۔

اگلے ماہ تک کے لیے اللہ حافظ۔

دعاگو

قیصر آرا

Digitized by Google

حمد

حوصلہ دے فکر اور بارش فیضان کر
ہے ثنا تیری بہت مشکل اسے آسان کر
رفتہ رفتہ کھول مجھ پر راز ہائے جسم و جاں
دھیرے دھیرے مجھ پہ ظاہر تو میری پہچان کر
زیست کے تپتے ہوئے صحرا میں ہوں اس سے نکال
میرے سر پر بیکراں رحمت کی چادر تان کر
کفر آلود فضا میں سانس لینا محال ہے
پھر سے اس گم کردہ رہ کو صاحب ایمان کر
ختم ہوجائے بساط خاک کا سب شور و شر
بے سکونی کو عطا پھر حسن اطمینان کر
خیمہ شب سے یہی آواز آئی ہے صبیح
حمد لکھ اور اس طرح بخشش کا کچھ سامان کر

صبیح رحمانی

نعت

مرا جذب دل میرے کام آگیا ہے
مدینے سے آخر پیام آگیا ہے
جہاں ذکر خیر الانام آگیا ہے
لبوں پر درود و سلام آگیا ہے
چمن میں جو وہ خوش خرام آگیا ہے
بہاروں کو گویا پیام آگیا ہے
ستاروں کو تابندگی بخشنے کو
افق پہ وہ ماہ تمام آگیا ہے
ازل سے زمانہ تھا مشتاق جس کا
وہ محبوب ہالائے بام آگیا ہے
کوئی کاش آکر عنایت سے کہہ دے
غلاموں میں تیرا بھی نام آگیا ہے

پروفیسر عنایت علی خان

Digitized by Google

editor_aa@aanchal.com.pk
www.facebook.com/EDITORAANCHAL

در جواب آں مدیرہ

رفاقت جاوید..... اسلام آباد

عزیزی رفاقت! سدا سہاگن رہو، آپ کی ارسال کردہ تحریر "کورا کاغذ" منتخب ہوگئی ہے۔ ان شاء اللہ جلد شامل اشاعت کرلیں گے۔ اللہ سبحان وتعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ آپ کو بہت سی کامیابیاں عطا فرمائے اور صحت وتندرستی سے نوازے آمین۔ آنچل وحجاب کے لیے اپنا قلمی تعاون برقرار رکھیے گا۔

رفعت سراج..... کراچی

عزیزی رفعت! سدا سہاگن رہو آپ کی ناسازیٔ طبیعت کا علم ہوا۔ بے شک آنکھیں اللہ سبحان وتعالیٰ کی نعمتوں میں سے بے حد اہم جز ہیں اور پھر جن کا پڑھنے لکھنے کا کام ہو ان کے لیے تو بہت ہی مشکل ہوجاتی ہے۔ اللہ سبحان وتعالیٰ آپ کو صحت کاملہ وعاجلہ عطا فرمائے آمین۔ تاکہ آپ اپنے چاہنے والوں کو اپنی تحاریر سے محظوظ کرتی رہیں۔ امید ہے جلد صحت یاب ہوکر آنچل کے لیے اپنی کوئی تحریر ارسال کریں گی۔ قارئین سے بھی دعائے صحت کے متمنی ہیں کہ اللہ سبحان وتعالیٰ انہیں اور ان کے شوہر نامدار کو صحت وتندرستی والے عمر دراز عطا فرمائے آمین۔

حیا بخاری..... ڈیرہ غازی خان

عزیزی حیا! سدا شاد وآباد رہو، آپ کی علالت کے متعلق علم ہوا۔ اللہ سبحان وتعالیٰ سے آپ کی صحت کاملہ کے لیے دعا گو ہیں۔ جب انسان پر بیماری آتی ہے تو اسے اللہ سبحان وتعالیٰ کی عطا کردہ دیگر نعمتوں کے ساتھ صحت وتندرستی جیسی عظیم نعمت کا بھی ادراک ہوتا ہے۔ اللہ سبحان وتعالیٰ ہر کسی کو موذی امراض و بیماریوں سے محفوظ رکھے اور جو بیمار ہیں انہیں شفاء کاملہ عطا فرمائے آمین۔ قارئین سے بھی دعائے صحت کے ملتمس ہیں۔

ارم کمال..... فیصل آباد

پیاری ارم! سدا سہاگن رہو، آپ کی غیر حاضری اور کمی کو قارئین کے ساتھ ہم نے بھی شدت سے محسوس کیا۔ آپ کی علالت کے متعلق جان کر بے ساختہ دعاؤں نے لبوں کا احاطہ کیا۔ اللہ سبحان وتعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ آپ کو اس موذی مرض سے نجات دے اور شفاء کاملہ نصیب فرمائے آمین۔ تاکہ آپ جلد ٹائیفائیڈ جیسی بیماری کو شکست دے کر اپنی آنچل نگری میں واپس آجائیں۔ خوش رہیں۔

ام اقصیٰ..... چونیاں

پیاری اقصیٰ! جیتی رہو، آپ کے دو افسانے موصول ہوئے۔ "گورنمنٹ اسکول ٹیچر" اور "بنے ہیں ایک دوسرے کے لیے" اول الذکر تحریر کے لیے معذرت کیونکہ ابھی اس موضوع پر کچھ ماہ پہلے ہی تحریر شائع ہوئی ہے۔ اب اس کو فوری نہیں لگا سکیں گے اور طویل انتظار آپ کے حصے میں آئے گا۔ اس لیے اس کہانی کی معذرت قبول کیجئے البتہ دوسری تحریر آپ کی جلد شائع ہوجائے گی۔

انعم زہرہ..... ملتان

پیاری انعم! سدا آباد رہو۔ آپ کے خطوط کی یہ سطور پڑھ کر ہمیشہ بے حد خوشی اور اپنائیت کا احساس ہوتا ہے کہ آپ زندگی کی طرف لوٹ رہی ہیں۔ اپنے ماضی کے آلام ومصائب سے نکل کر اپنی صلاحیتوں کو منوانے کے لیے کوشاں ہیں اور جو لوگ خود پر بھروسہ کرتے ہیں اور مستقل مزاجی سے کسی کام کو کرنے کی ٹھان لیتے ہیں تو اللہ سبحان وتعالیٰ بھی ان کا مددگار رہتا ہے۔ آپ کی بات ٹھیک ہے تاخیر کے سبب ہی آپ کا تبصرہ شائع نہ کرسکے۔ نیرنگ خیال میں آپ کی غزل سب کو پسند آئی ہمیں بھی خوشی ہے۔ اسی طرح خود کو دیگر کاموں میں مشغول رکھیں کیونکہ آپ کو مطمئن اور خوش دیکھ کر ہی والدین بھی مطمئن رہ سکیں گے۔ ورنہ آپ کی فکر میں گھلتے رہیں گے۔ جس کام میں بھی آپ کو عبور حاصل ہو اس کی طرف دلجمعی سے سرانجام دیں، اللہ سبحان وتعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ آپ کو زندگی میں اس قدر خوشیاں ملیں کہ آپ سابقہ ہر غم اور دکھ بھول جائیں آمین۔

حمیرا قریشی..... حیدر آباد سندھ

ڈیئر حمیرا! چک جگ جیو، طویل عرصے کی غیر حاضری کے بعد بالآخر آنچل کی یاد آپ کو لا ہی گئی۔ بہرحال آپ کی علالت کے متعلق جان کر بے ساختہ دعا گو ہیں کہ اللہ سبحان وتعالیٰ آپ کو صحت وتندرستی سے بھرپور زندگی عطا فرمائے اور زندگی کی بہت سی خوشیاں آپ کے مقدر میں رقم کردے آمین۔ اب آپ نے ہمت کرلی ہے تو نگارشات بھی جلد شائع کردیں گے۔ خط کا جواب حاضر ہے۔ سو آنچل میں آپ کا نام تو جگ مگ کررہا ہے۔ کوشش کررہے ہیں آپ کی تحریر بھی جلد آنچل و حجاب کی زینت بن جائے۔

Digitized by Google

سونیا کرامت..... گجرات

پیاری سونیا! سدا خوش رہو۔ آپ کی تحریر "ماں کا خواب" کے عنوان سے موصول ہوئی۔ پڑھ کر اندازہ ہوا کہ آپ میں لکھنے کی صلاحیت موجود ہے، لیکن تحریر کا موضوع پرانا ہے کہ لڑکی دوستوں کے کہنے میں آکر غلط راہ کا انتخاب کرتی ہے لیکن اختتام واضح نہیں کہ لڑکی کے بھائی کو کہاں سے خبر ملتی ہے کہ وہ امتحان میں فیل ہوگئی ہے اور وہ اس سے کچھ بھی پوچھنے سے پہلے اسے مارنے پر بضد دکھایا گیا ہے۔ ان ہی وجوہات کی بناء پر آپ کی تحریر اپنی جگہ نہیں بنا سکی۔ امید ہے مایوس ہونے کے بجائے کوشش جاری رکھیں گی۔

نگہت نواز..... بھاگلپور

عزیزی نگہت! شاد رہو آپ شاعری کرتی ہیں تو دیگر شعراء کے کلام کو بغور پڑھیں۔ ان کی شاعری آپ کے لیے بہترین رہنما ثابت ہوگی۔ آپ یہاں بھی اپنی نظمیں، غزلیں ارسال کرسکتی ہیں لیکن پرچے کے معیار کے مطابق ہوئیں تو ہی آنچل کی زینت بن سکیں گی۔ بصورت دیگر معذرت۔ افسانہ کے لیے بھی یہی اصول ہے۔ آپ بھیج دیں پڑھنے کے بعد ہی اپنی رائے سے آگاہ کرسکیں گے۔

شازیہ الطاف ہاشمی..... شجاع آباد

پیاری شازیہ! سدا سہاگن رہو، آپ کی پُرخلوص محبت اور چاہت کے مقروض ہیں۔ آپ نے جس خوب صورت انداز میں اپنے جذبوں کا اظہار کیا بے حد پسند آیا۔ آپ کی تحریر پرچے کی زینت بنی اس لیے پرچہ خود بخود آپ تک پہنچ گیا۔ آپ کی محنت پر ادارے کی جانب سے ایک چھوٹا سا نذرانہ ارسال کردہ تحریر "نور جہاں" منتخب ہوگئی ہے جلد حجاب کے صفحات پر اپنی جگہ بنالے گی۔ سال نو کے لیے تحریر ارسال کردیں، پڑھ کر آگاہ کردیں گے۔

سحر تبسم سحری..... مغل پورہ

ڈیئر تبسم! خوش رہو۔ آپ کی تحریریں موصول ہوئیں، پڑھ کر اندازہ ہوا کہ آپ کو مزید محنت کی ضرورت ہے۔ موضوع اگرچہ منفرد تھے، مگر انداز تحریر میں پختگی نہ ہونے کے باعث کوئی بھی تحریر اپنی جگہ بنانے میں کامیاب نہیں ہوسکی، بہتر ہے کہ ابھی قلمی سفر کو کچھ وقت کے لیے ترک کردیں اور مطالعے پر توجہ مرکوز کردیں۔ نامور مصنفین کی تحریروں کا مطالعہ کریں تاکہ لکھنے میں مدد ملے۔ امید ہے کشتی ہوگئی ہوگی۔

عدیلہ صنم..... نامعلوم

پیاری عدیلہ! سدا خوش رہو۔ آپ کی تحریر "تغیر ذات" موصول ہوئی۔ تحریر پڑھ کر اندازہ ہوا کہ آپ میں لکھنے کی صلاحیت موجود ہے، لیکن پہلے مختصر موضوع پر قلم اٹھائیں اس کے بعد طویل موضوع پر آئیں۔ اپنی اس تحریر میں آپ نے لڑکی کو اس قدر بزدل دکھایا کہ وہ دنیا کا سامنا کرتے ہوئے ڈر رہی ہے۔ اب وقت بدل گیا ہے۔ لڑکیاں اب بہادر ہوگئی ہیں اور ہر شعبہ میں نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ کررہی ہیں۔ ڈر اور خوف کے بعد کسی ہیرو کا آجانا اور پھر اس کی زندگی میں تبدیلی ایسے موضوعات پر بہت لکھا جاچکا ہے۔ اس تحریر کے لیے معذرت۔

ایمن پارس..... جڑانوالہ

ڈیئر ایمن! سدا مسکراتی رہو، آپ کی تحریر "رانگ نمبر" پڑھ کر اندازہ ہوا کہ بچکانہ سی تحریر تھی۔ موضوع کا چناؤ اور انداز تحریر دونوں ہی کمزور تھے۔ اس لیے معذرت۔ آپ کے لیے مخلصانہ مشورہ یہ ہے کہ ابھی آپ لکھنے کے بجائے مطالعہ پر توجہ دیں۔ دیگر مصنفین کو بغور پڑھیں اور ان کے انداز تحریر اور موضوع کے چناؤ کو بطور خاص ملاحظہ کریں۔ جب ان چیزوں پر عبور حاصل ہوجائے گا پھر لکھنے کی طرف آیئے گا۔ امید ہے مایوس ہونے کی بجائے محنت اور مطالعہ کو اپنا شعار بنائیں گی۔

نور شال..... نامعلوم

ڈیئر نور شال! سلامت رہو آپ کی تحریر پڑھی۔ موضوع کا چناؤ تو قدرے بہتر تھا، لیکن پوری کہانی نصیحتوں سے بھری ہوئی تھی۔ اس سے کہانی کا حسن متاثر ہوا ہے اور کہانی سے زیادہ ایک سبق آموز لیکچر محسوس ہوا۔ اگر نصیحت کہانی میں شامل کرنی ہے تو انداز ہلکا پھلکا رکھیں کہ پڑھنے والا خود ہی محسوس کرے۔ امید ہے آئندہ ان چیزوں کو سامنے رکھ کر قلم اٹھائیں گی۔

اقصیٰ اکبر..... بہاولپور

عزیزی اقصیٰ! جیتی رہو آپ نے تحریر ارسال کردی ہے۔ مزید لکھنے کا موقع آپ کی یہ تحریر آپ کو فراہم کرے گی۔ اگر تحریر معیاری اور پرچے کے معیار کے مطابق ہوئی ہے تو از خود جگہ بنا لیتی ہے۔ ہر اچھی اور بہترین چیز اپنی جگہ خود بناتی ہے۔ اس لیے آپ مطمئن رہیں اور اپنی محنت پر بھروسہ رکھیں۔ بہرحال آپ دیگر سلسلوں میں شرکت کے ذریعے ہر ماہ پرچے میں شامل ہوسکتی ہیں۔

سعدیہ عبدالستار..... نامعلوم

ڈیئر سعدیہ! آباد رہو آپ کی تحریر پڑھ کر اندازہ ہوا کہ ابھی

Digitized by Google

آپ کو مزید محنت کی ضرورت ہے۔ موضوع کے چناؤ میں انفرادیت پیدا کریں، جبکہ اس قسم کے موضوعات پر پہلے بھی بہت کچھ لکھا جاچکا ہے اور انداز تحریر کی بہتری کے لیے ضروری ہے کہ آپ دیگر مصنفین کی تحریروں کو بغور پڑھیں۔

عروج ملک..... کراچی

پیاری عروج! سدا مسکراؤ، آپ کا طویل ناول "عائشہ" کے عنوان سے موصول ہوا۔ ناول کا موضوع جو آپ نے منتخب کیا ہے وہ انتہائی خشک ہے۔ ایسے موضوعات کو قارئین تک پہنچانا اور ان کی توجہ حاصل کرنا کافی مشکل رہے گا۔ کیونکہ دلچسپی سے مفقود ہے۔ پھر یہ ناول اپنی طوالت کے سبب قسط وار بنے گا۔ ابھی آپ پہلے اپنا کوئی افسانہ ارسال کردیں۔ موضوع کی انفرادیت کا خیال رکھیں تاکہ قارئین کے لیے دلچسپی کا سبب بنے۔ امید ہے ان باتوں کو پیش نظر رکھ کر قلم اٹھائیں گی۔ اس ناول کے لیے معذرت۔

مہ رخ چودھری..... شیخوپورہ

پیاری مہ رخ! شاد رہو، آپ کی تحریر "محبت راس نہ آئی" محبت کے موضوع پر لکھی بہت ہی روایتی سی تحریر ثابت ہوئی۔ صرف لفاظی کی بنا پر کوئی کہانی بھی منتخب نہیں ہوتی۔ جملوں کا استعمال تو اچھا ہے لیکن پرمحل نہیں۔ ان باتوں کو سامنے رکھتے ہوئے قلم اٹھائیں تاکہ یہ کمزوریاں دور ہوسکیں۔ مزید محنت اور مطالعے کے ساتھ کوشش جاری رکھیں۔

علینہ ملک..... کراچی

ڈیئر علینہ! سکھی رہو۔ آپ کی تحریر "من چاہے خواب" کے نام سے موصول ہوئی۔ موضوع کافی پرانا ہے کہ لڑکی کی شادی نہیں ہو رہی اور وہ نوکری کرنے لگتی ہے۔ تب وہاں ایک لڑکا صرف وقت گزاری کے لیے لڑکی سے مراسم بڑھاتا ہے۔ اب وقت بدل گیا ہے۔ لڑکیاں بھی اس قسم کی حرکتیں کرتی ہیں اور سوشل میڈیا پر وقت گزاری کے لیے لڑکوں سے بات بھی کرتی ہیں۔ خیر آپ کسی اور موضوع کا انتخاب کرتے کوشش جاری رکھیں۔ موضوع پر آپ کی گرفت بھی کمزور ہے۔

رابعہ عباس..... بستی فتے والی

پیاری رابعہ! جگ جگ جیو۔ آپ کی تحریر "میں نے خدا کی نعمتوں کو ٹھکرادیا" موصول ہوئی۔ پڑھ کر اندازہ ہوا کہ ابھی آپ کو مزید محنت کی ضرورت ہے۔ گو کہ موضوع منفرد منتخب کیا۔ حشرات الارض، کھانے پینے کی چیزوں میں گر جائیں تو انہیں نہیں کھانا چاہیے اور ویسے بھی کھانے پینے کے برتنوں کو ڈھک کر رکھنے کی تاکید کی گئی ہے تاکہ یہ اپنا زہر کھانوں میں شامل نہ کردیں اور ہم بھی بیماریوں کے ساتھ ایسی اموات سے محفوظ رہیں۔ اس تحریر کے لیے معذرت، کسی اور موضوع کو قلم بند کریں۔ آپ دیگر سلسلوں میں بھی شامل ہوسکتی ہیں۔

شازیہ فاروق احمد..... خان بیلہ

ڈیئر شازیہ! سدا سہاگن رہو۔ آپ کی تمام تحریریں ہمارے پاس محفوظ ہیں۔ لیکن آپ خود کہاں غائب ہیں۔ ورنہ آپ کا شمار ان قارئین میں ہوتا تھا جو ہر ماہ باقاعدگی سے شرکت کرتے ہیں۔ بہرحال زندگی کی مصروفیات سے انکار تو نہیں لیکن پھر بھی اپنے مصروف لمحوں سے چند پل چرا کر آنچل کے نام کردیں اور اپنے قارئین کی تشنگی کو بھی مٹادیں۔ جو آپ کی دیگر نگارشات اور واپسی کے تہہ دل سے منتظر ہیں۔ امید ہے اس نصف ملاقات کے بعد قلمی رابطہ بحال ہوجائے گا۔

ہنی فاطمہ..... کراچی

ڈیئر ہنی! سدا آباد رہو، آپ سے نصف ملاقات بہت اچھی رہی۔ آنچل اور آپ کے دیرینہ ساتھ کے متعلق جان کر اچھا لگا۔ بے شک ہمارا کام تو سب کو ایک پلیٹ فارم مہیا کرنا ہے اور بہت سی مصنفین جو آج شہرت و بلندی حاصل کرچکی ہیں انہوں نے اپنا ابتدائی سفر اسی کے توسط سے طے کیا۔ ہماری طرف سے کسی کے لکھنے پر کوئی پابندی نہیں اور نہ ہی ہم مصنفین کو صرف اپنے ادارے کا پابند کرتے ہیں۔ آپ لکھنا چاہتی ہیں تو ضرور لکھیں۔ اچھی اور معیاری چیز اپنی جگہ خود بنالیتی ہے۔ اگر آپ میں بھی صلاحیت ہے تو آپ محنت اور لگن سے اپنے فن کو جلا بخش سکتی ہیں۔

حمیرا عزیز..... خانیوال

ڈیئر حمیرا! سلامت رہو، آپ کے مفصل خط سے تمام حالات کا بخوبی اندازہ ہوا۔ بعض لوگ نہ خود کوئی کام کرتے ہیں اور نہ ہی دوسروں کو ترقی کرتے اور آگے بڑھتا دیکھ سکتے ہیں۔ آپ ان کی باتوں سے احساس کمتری کا شکار نہ ہوں۔ تعلیم کا مطلب صرف ڈگریوں کا حصول ہی نہیں اور جن کے پاس اعلیٰ ڈگریاں ہیں بعض اوقات تو وہ بھی جاہلوں سے بدتر سلوک کرتے نظر آتے ہیں اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ جن کے پاس کسی بھی بڑے ادارے کی ڈگریاں نہیں لیکن وہ اپنے تجربے اور نظریات کی بناء پر کافی گہرا مشاہدہ اور علم رکھتے ہیں۔ یہ تو انسان کی اپنی ذات پر منحصر ہے کہ وہ کس طرح علم حاصل کرتا ہے۔ بہرحال آپ کا جذبہ قابل ستائش ہے۔ آپ اپنا کام

Digitized by Google

ہمت اور حوصلے سے جاری رکھیں۔ یہاں بھی اپنی تحریر ارسال کرسکتی ہیں۔

مدیحہ نورین مہک..... گجرات

پیاری مدیحہ! جیتی رہو، آپ کی فیملی پر گزرنے والے حادثے کے متعلق جان کر دل رنجیدہ ہوا۔ بے شک والدین کے لیے اولاد کا دکھ بے حد تکلیف دہ اور صبر آزما ہوتا ہے۔ وہ گھر جس میں ایک معصوم کی قلقاریاں گونجنی چاہیے تھیں اب سناٹا ہے۔ بے حد افسوس ناک ہے، لیکن ایسے حالات میں سوائے صبر کے کچھ نہیں ہوسکتا۔ اللہ سبحان وتعالیٰ کے ہر کام میں مصلحت اور حکمت ہوتی ہے۔ آپ صبر کے ساتھ اللہ کی رضا میں شکر کا اظہار کرتی رہیں۔ اللہ سبحان وتعالیٰ آپ کے بھائی بھابی کو بہت بہت سی خوشیاں عطا فرمائے گا۔

شبینہ کوثر..... معین الدین پور، گجرات

عزیزی شبینہ! شاد وآباد ہو بزم آنچل میں پہلی بار شرکت پر خوش آمدید۔ آپ سے یوں نصف ملاقات بہت اچھی رہی آپ کی تمام تحریریں پڑھ لیں۔ کہانی لکھنے کا طریقہ کار تو درست ہے آپ کا پھر ابہام کیونکر؟ آپ کی تحریر "کی کریئے" اور آرٹیکل منتخب ہوگیا ہے جبکہ دوسری تحریر "تیری چاہ میں" کے لیے معذرت خواہ ہیں۔ موضوع کا چناؤ کچھ کمزور محسوس ہوا۔ منتخب شدہ تحریر باری آنے پر شائع کردیں گے آپ اپنا تحریری سفر جاری رکھیں اور مختلف موضوعات پر طبع آزمائی کرتی رہیں اس طرح لکھنے کے فن میں مزید نکھار آئے گا آنچل وحجاب کا پلیٹ فارم آپ جیسی نوآموز کے لیے ہی ہے اور ہم رہنمائی کے لیے حاضر ہیں۔ امید ہے اس تحریر کے انتظار میں اپنا قلمی سلسلہ موقوف نہیں کریں گی بلکہ مزید محنت اور لگن کے ساتھ تعاون برقرار رکھیں گی۔ آپ کے مختصر سے تعارف سے تھوڑی بہت آشنائی تو ہوگئی ہے ان شاء اللہ جلد ہی شناسائی کے دیگر مراحل بھی بخوبی طے ہوجائیں گے۔ اللہ سبحان وتعالیٰ آپ کے قلم میں مزید ترقی عطا فرمائے آمین۔

دلکش مریم..... چنیوٹ

پیاری دلکش! شاد وآباد ہو آپ کی شادی طے ہوگئی یہ خبر سن کر بے حد خوشی ہوئی اور ساتھ میں آپ کی بہن کی شادی بھی آپ کے ساتھ ہورہی ہے یہ جان کر بے ساختہ دعا گو ہوئے اللہ سبحان وتعالیٰ آپ دونوں بہنوں کے نصیب بلند فرمائے اور آپ دونوں کو بے حساب خوشیاں راحت وسکون نصیب کرے آمین۔

قابل اشاعت:

عشق ست رنگی، کی کریئے، حصار، بنے ہیں ایک دوسرے کے لیے، مشی زمان (آرٹیکل) نور جہاں۔

ناقابل اشاعت:

وجہ کیا تھی، قدر جانے نہ قدر جانے، محبت کے نام پر، سچی محبت، وہ عشق تھا شاید، عشق دلایاں ہوہاں، تیری دھڑکنوں کے سنگ، قوت یقین سے حاصل ہے، نیا سال نئی عید، اک بار کہو تم میری ہو، دل کو قرار تھا، اس دل کے جھروکے میں، پگلے دل کی نادانیاں، من چاہے خواب، گورنمنٹ اسکول ٹیچر، تغیر ذات، بھیگی پلکیں ہنستے خواب، وعدہ ملن دسمبر کا، برباد ہوئے اس طرح، وفائے آرزو، ہجر کی زیست میں شام، تیری چاہ میں، ماں، عشق امید اور دعا، ماں کا خواب، تم بن زندگی بے نام، میرے گمشدہ، احساس، بلاعنوان، تم زندہ ہو، زہرہ کہانی، محبت راس نہ آئی، کرشن سپیرے کی موت، رانگ نمبر، ہوجاتو نہیں ہوجاتا ہے، پھول کھلنے والے ہیں، زندگی کی کہانی، لمحے آشنائی کے، وہ ماں تو تھی، چیز، گردش تقدیر، یہی تو پیار ہے، شکوہ یا شکر، شرارت۔

سانحۂ ارتحال

ہمارے دیرینہ ساتھی اور ماہنامہ نئے افق کے مدیر جناب اقبال بھٹی کی اہلیہ علالت کے باعث خالق حقیقی سے جاملی ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ○ تمام قارئین سے مرحومہ کے ایصال ثواب کی درخواست ہے۔ ادارہ نئے افق گروپ آف پبلی کیشن اور ادارے کے تمام ساتھی اقبال بھٹی صاحب کے غم میں برابر کے شریک ہیں اور دعا گو ہیں کہ اللہ رب العزت اس عظیم صدمے پر اہل خانہ کو صبر جمیل اور صبر جمیل پر اجر عظیم عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔

Digitized by Google

دانش کدہ

الکوثر

مشتاق احمد قریشی

یقیناً تمہارا دشمن ہی بے نام و نشان ہے

یہ سورۃ کوثر کی تیسری اور آخری آیت ہے۔ اس میں لفظ شانِک استعمال ہوا ہے۔ شانی شن سے ہے جس کے معنی ایسے بغض اور عداوت کے ہیں جس کی وجہ سے کوئی شخص کسی دوسرے کے ساتھ بدسلوکی کرتا ہے۔ یہاں شانِک سے مراد ہر وہ شخص ہے جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی اور عداوت پر کمربستہ تھا اور کرے گا اپنی دشمنی میں ایسا اندھا ہو گیا تھا اور آج بھی ہو رہا ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر عیب لگاتا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بدگوئی کرتا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرتا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف طرح طرح کی الزام تراشی کر کے دل کا بخار نکالتا تھا یا آج کے زمانے میں بھی ایسا کر رہا ہو۔

سورۃ الکوثر جن حالات میں نازل ہوئی وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے شدید ترین مشکلات کا دور تھا۔ پوری کی پوری قوم دشمنی پر تلی ہوئی تھی۔ عزیز رشتہ دار اور دوست دشمن بن چکے تھے۔ مزاحمتوں کے پہاڑ کے پہاڑ راستے میں حائل تھے۔ مخالفت کا طوفان ہر طرف برپا تھا۔ حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے چند مٹھی بھر ساتھیوں کو دور دور کامیابی کے آثار نظر نہیں آرہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تقاضۂ بشریت نے پریشان کر رکھا تھا۔ ایسے حالات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے اور محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینے' ان کی ہمت بندھانے کے لیے سورۃ کوثر کا نزول فرمایا۔ اس سورۃ مبارکہ سے اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی تو دی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین دشمنوں کی تباہی و بربادی کی پیشن گوئی بھی فرما دی۔ کیونکہ کفار قریش کہتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ساری قوم سے کٹ گئے۔ ان کی حیثیت ایک بے کس و بے یار و مددگار کی سی ہو گئی ہے۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت عطا کی گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو اسلام کی دعوت دی تو کفار قریش کہنے لگے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم سے کٹنے کی وجہ سے ایسے ہو گئے ہیں جیسے کوئی جڑ کٹا درخت جو کچھ عرصے بعد خود بہ خود سوکھ کر پیوند خاک ہو جائے گا۔ (نعوذ باللہ)

''وہی ابتر ہے'' آیت شریف کے اس حصے میں فرمایا جا رہا ہے وہی ابتر ہے۔ درحقیقت جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتر کہتا ہے وہی خود ابتر ہے۔ یہ لفظ بتر سے صفت ہے جس کے معنی کاٹنے کے ہیں مگر محاورے میں یہ بہت وسیع معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ حدیث شریف میں نماز کی اس رکعت کو جس کے ساتھ کوئی دوسری رکعت نہ پڑھی جائے بتیراء کہا گیا ہے۔ یعنی اکیلی رکعت' ایک اور حدیث میں ہے ہر وہ کام جو کوئی بھی اہمیت رکھتا ہو وہ اللہ تعالیٰ کی حمد کے بغیر شروع کیا جائے تو وہ بھی ابتر ہے' یعنی اس کی جڑ کٹی ہوئی ہے۔ اسے کوئی استحکام نصیب نہیں ہوگا' اس کا انجام اچھا نہیں ہوگا۔ نامراد انسان کو بھی ابتر کہتے ہیں۔ ذرائع ذرائل سے محروم ہو جانے والے کو بھی ابتر کہتے ہیں۔ جس شخص کے لیے کبھی خیر اور بھلائی کی توقع باقی نہ رہے اور کامیابی کی ساری امیدیں ختم ہو چکی ہوں وہ بھی ابتر ہے۔ جو فرد اپنے کنبے' برادری' اعوان و انصار سے کٹ کر اکیلا رہ گیا ہو وہ بھی ابتر ہے اور جس شخص کی اولاد نرینہ یعنی بیٹا نہ ہو یا مر گیا ہو وہ بھی ابتر ہے کیونکہ اس کے پیچھے اس کا کوئی نام لیوا باقی نہیں رہتا اور مرنے کے بعد وہ بے نام و نشان ہو جاتا ہے۔ تقریباً ان سب ہی معنوں میں کفار قریش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتر کہتے تھے اس پر رب کائنات

نے اپنے محبوب نبی سے فرمایا کہ ''تم ابتر نہیں ہو بلکہ تمہارے دشمن ابتر ہیں۔ یہ کوئی جوابی حملہ نہیں تھا بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے قرآن حکیم کی بڑی اہم پیشن گوئی تھی جو حرف بہ حرف درست ثابت ہوئی۔ جس وقت یہ پیشن گوئی کی گئی تھی اس وقت کفار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتر سمجھ رہے تھے اور بہ ظاہر دور دور کوئی تصور نہیں کرسکتا تھا کہ قریش کے یہ بڑے بڑے سردار کیسے ابتر ہوجائیں گے جو نہ صرف مکہ میں بلکہ پورے عرب میں بڑے ہی نام ور تھے۔ کامیاب مال و دولت اور اولاد والے تھے۔ بہت سی نعمتیں رکھتے تھے۔ سارے ملک میں جگہ جگہ ان کے اعوان و انصار موجود تھے' تجارت میں اجارہ دار تھے اور حج کے منتظم ہونے کی وجہ سے تمام عرب قبائل سے ان کے وسیع تعلقات تھے لیکن چند سال نہیں گزرے تھے کہ کایا پلٹ گئی۔ کہاں تو یہ حالات تھے کہ سن ۵ ہجری میں غزوہ احزاب کے موقع پر جب قریش بہت سے عرب اور یہودی قبائل کو لے کر مدینے پر چڑھ آئے تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو محصور ہو کر شہر کے گرد خندق کھود کر مدافعت کرنا پڑی تھی وقت گزرتے دیر نہیں لگتی۔ تین سال بعد ہی وہ وقت آگیا جب سن ۸ ہجری میں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ پر چڑھائی کی تو قریش کا کوئی حامی و مددگار نہیں تھا اور انہیں بے بسی سے ہتھیار ڈالنے پڑے۔ اس کے بعد ایک سال کے اندر اندر پورا عرب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست نگر تھا۔ ملک کے گوشے گوشے سے قبائل کے وفود آ آ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کررہے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام دشمن بے بس و بے یار و مددگار ہو کر رہ گئے تھے۔ پھر وہ ایسے بے نشان ہوئے کہ ان کی اولاد اگر دنیا میں باقی رہی بھی تو ان میں سے آج کوئی نہیں جانتا کہ وہ ابوجہل یا ابولہب یا عاص بن وائل یا عقبہ بن ابی معیط وغیرہ دشمنان اسلام کی اولاد ہیں اور اگر جانتا بھی ہوگا تو کوئی اپنی نسبت ان سے کہنے کے لیے تیار نہ تھا کہ ان کے اسلاف یہ لوگ تھے۔ جب کہ اس کے برعکس رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی آل پر آج دنیا بھر میں درود سلام بھیجا جاتا ہے کروڑوں کیا اربوں مسلمانوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت پر فخر ہے۔ لاکھوں انسان حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے نہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کے خاندانوں سے اپنی نسبت وانتساب پر فخر کرتے ہیں اور باعث شرف سمجھتے ہیں۔ کوئی سید ہے' کوئی علوی ہے' کوئی عباسی تو کوئی ہاشمی اور صدیقی ہے اور کوئی فاروقی' عثمانی' زبیری' انصاری مگر کبھی کہیں بھی کوئی ابوجہلی یا ابولہبی نہیں ملا نہ سنا۔ تاریخ نے ثابت کردیا کہ ابتر کون تھا' حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو نہیں ہاں ان کے دشمن ضرور ابتر تھے۔

دشمنان اسلام میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دشمنی میں سب سے پیش پیش آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حقیقی چچا ابولہب تھا۔ زمانہ قدیم میں جب کہ پورے عرب میں بدامنی غارت گری اور طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا اور صدیوں سے یہ حالت تھی کہ کسی شخص کے لیے اس کے اپنے خاندان اور خونی رشتے داروں کی حمایت کے سوا جان و مال اور عزت و آبرو کے تحفظ کی کوئی ضمانت نہ تھی۔ اس لیے عرب معاشرے میں اخلاقی قدروں' صلہ رحمی (رشتے داروں کے ساتھ حسن سلوک) کو بڑی اہمیت حاصل تھی اور قطع رحمی کو بڑا گناہ سمجھا جاتا تھا۔ عرب کی انہی روایات کا اثر تھا کہ جب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت حق دی تو قریش کے دوسرے خاندانوں اور سرداروں نے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی مگر بنی ہاشم اور بنی المطلب (ہاشم کے بھائی مطلب کی اولاد) نے نا صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت نہیں کی بلکہ وہ کھلم کھلا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت کرتے رہے حالانکہ ان میں سے اکثر افراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان نہیں لائے تھے۔ قریش کے دوسرے خاندان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان خونی رشتہ داروں کی حمایت کو عرب کی اخلاقی روایات کے عین مطابق سمجھتے تھے۔ اسی وجہ سے کبھی انہوں نے بنی ہاشم اور بنی المطلب کو یہ طعنہ نہیں دیا کہ تم ایک دوسرا دین پیش کرنے والے کی کیوں حمایت کرکے اپنے آبائی دین کے خلاف ہوگئے ہو۔ کیونکہ وہ بخوبی جانتے تھے کہ کوئی بھی خاندان اپنے کسی فرد کو کسی بھی حالت میں دشمن کے سامنے اکیلا نہیں چھوڑتا۔ اپنے عزیز کی ہر حال میں پشت پناہی کرنا اہل عرب کا ایک فطری امر تھا۔

عربوں کے اس اخلاقی اصول کو زمانہ جاہلیت میں بھی تمام عرب بڑی قدر اور احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ پورے عرب معاشرے میں صرف ایک شخص ہی ایسا تھا جو اسلام دشمنی میں اس قدر آگے بڑھ گیا کہ اس نے عربوں کی تمام اخلاقی اقدار کو پس پشت ڈال دیا اور تمام اخلاقی حدود و قیود کو پھلانگ گیا۔ وہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب کا بیٹا اور آپ صلی اللہ

Digitized by Google

علیہ وسلم کا سگا چچا ابولہب تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد عبداللہ اور ابولہب ایک ہی باپ کی اولاد تھے۔ لیکن دونوں کی مائیں الگ الگ تھیں حضرت عبداللہ کی والدہ فاطمہ بنت عمر تھیں جبکہ ابولہب کی والدہ لبنیٰ بنت عامہ تھیں۔ عرب معاشرے میں چچا کو باپ کی جگہ سمجھا جاتا تھا خصوصاً جب کہ بھتیجے کا باپ انتقال کر چکا ہو تو عرب معاشرے میں چچا سے توقع کی جاتی تھی کہ وہ بھتیجے کو اپنی اولاد کی طرح عزیز رکھے گا لیکن اس شخص ابولہب نے اسلام دشمنی اور کفر کی محبت میں تمام عرب روایات کو پامال کر دیا جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے چچا ابو طالب نے اپنی تمام تر عرب اقدار و روایات کے عین مطابق اپنے والد عبدالمطلب کے انتقال کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب کہ صرف آٹھ برس کے تھے تو چچا ابو طالب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش کی ذمہ داری سنبھال لی اور چچا ابو طالب نے اپنے بچوں سے بڑھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عزیز رکھا۔ ایک چچا ابولہب تھا اور ایک چچا ابو طالب، دونوں میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ ابو طالب نے بھی گو کہ اسلام قبول نہیں کیا تھا لیکن وہ ہمیشہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سینہ سپر رہے۔ کفار قریش اگر آکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شکایت کرتے تب بھی وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی حمایت و تائید کرتے جب کہ ابولہب جی جان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت اور دشمنی پر کمربستہ رہتا۔ اس کی اس دشمنی کے باعث اللہ تعالیٰ نے اس کی زندگی میں ہی اس کے لیے قرآن کریم میں رہتی دنیا تک کے لیے ہی نہیں بلکہ آخرت کے زندگی کے لیے بھی بددعا فرمائی اور قرآن حکیم میں سورۃ اللھب نازل فرمائی جس سے وہ ہمیشہ ہمیشہ معتوب اور ذلیل ہوتا رہے گا۔ قرآن حکیم میں ایک ہی مقام ہے جہاں دشمنان اسلام میں سے کسی شخص کا نام لے کر اس کی مذمت کی گئی ہے۔ حالانکہ مکہ میں اور مدینے میں بھی بہت سے لوگ ایسے تھے جو اسلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت میں ابولہب سے کسی طرح کم نہیں تھے۔ تو پھر کیوں ابولہب کو خصوصیت سے نام لے کر اس کی مذمت کی گئی۔ اس بات کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم عربی معاشرے کو سمجھیں اور سورۃ اللھب کی تشریح اور تفسیر پر غور کریں۔ یہ سورہ مبارکہ ایک طرف اللہ تعالیٰ کی اپنے پیارے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا اظہار ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کے خلاف پُر اثر سزا بھی ہے۔ اس سورہ میں سزا کا دوٹوک اعلان ہے۔

ترجمہ۔ ٹوٹ گئے ابولہب کے ہاتھ اور نامراد ہو گیا وہ۔ اس کا مال اور جو کچھ اس نے کمایا وہ اس کے کسی کام نہ آیا۔ ضرور شعلہ زن آگ میں ڈالا جائے گا اور (اس کے ساتھ) اس کی بیوی بھی لگائی بجھائی کرنے والی اس کی گردن میں موجھ کی رسی ہو گی۔ (سورۃ تبت۔ آیات ۱تا۵)

یہ سورۃ مبارکہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ یہ سورۃ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور دین اسلام کے دشمن ابولہب کے نام سے منسوب ہے۔ جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ اور مدینہ کے علاوہ دیگر قبائل عرب میں دشمنوں کی کمی نہیں تھی۔ دین اسلام کے بدخواہوں کی اذیت رسانیاں، دل آزاریاں اور اسلام کو بحیثیت دین ناکام کرنا ہی ان سب کا مقصد حیات تھا۔ پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے خصوصیت سے اس سورۃ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ہی دشمن سے کیوں منسوب فرمایا؟ جہاں یہ سورۃ ابولہب اور اس کی بیوی ام جمیل کے لیے دائمی بددعا ہے وہیں اپنے محبوب نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت و نسبت کا اظہار بھی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دل جوئی کا مژدہ بھی ہے۔

(جاری ہے)

Digitized by Google

اس میں شک نہیں کہ باپ ایک سائبان اور محافظ ہی نہیں ایک بہترین دوست اور استاد بھی ہوتا ہے مگر کبھی کبھی زندگی کے سفر میں وہ بہت جلد ساتھ چھوڑ جاتا ہے ایسے میں گھر کی بڑی اولاد خواہ بیٹی ہو یا بیٹا ذمہ دار ہونے کا ثبوت دیتے ہیں، ہم بہنوں کے لیے ایک نیا سلسلہ ''تلخ و شیریں'' کے عنوان سے شروع کر رہے ہیں اس سلسلے میں وہ تمام خواتین اپنے تجربات تحریر کرکے بھیج سکتی ہیں جو باپ یا شوہر کی عدم موجودگی میں چھوٹے بہن بھائیوں یا بچوں کی پرورش کے لیے میدان عمل میں آئیں وہ خواتین جو چھوٹے پیمانے پر ذاتی بزنس کر رہی ہیں کھیتوں میں کام یا محنت مزدوری کرتی ہیں وہ بھی اپنے تجربات سے آگاہ کرسکتی ہیں آپ کے یہ تجربات ان کے لیے راہ نما ہوں گے جو اپنی کم ہمتی کے باعث کوئی بڑا قدم اٹھانے سے ڈرتے ہیں۔

تلخ و شیریں

فاطمہ آفاق

سوال ۱: کفالت کی ذمہ داری کب سے سنبھالی؟

سب سے پہلے تو مجھے آپ کی جانب سے لکھے گئے ان کلمات سے اختلاف ہے۔ ضروری نہیں کہ باپ یا شوہر کی عدم موجودگی میں ہی خاتون خانہ گھر سے باہر نکلے۔ وہ شوہر کا ہاتھ بٹانے کے لیے بھی گھر سے باہر نکل سکتی ہے۔ میں جب بیاہ کر اپنے سسرال آئی تو دو نندیں اسکول میں پڑھاتی تھیں، مگر وہ ساری تنخواہ اپنے اوپر ہی خرچ کرتی تھیں۔ شوہر اور ان کے بڑے بھائی بینک میں جاب کرتے تھے اور دونوں بھائیوں کی تنخواہ سے گھر چلتا تھا، گھر بہت بڑا تھا، مگر کمرے چھوٹے چھوٹے تھے۔ اس لیے تین بچوں کے ساتھ ایک کمرے میں بمشکل گزارہ کرتے تھے۔ دو کمروں پر جٹھانی کا قبضہ تھا، باقی تین ساس اور نندوں کے تھے۔ میرا بڑا بیٹا تیسری جماعت میں پڑھتا تھا، جب میرے شوہر کا ایکسیڈنٹ ہوا، ساری جمع پونجی ان کے علاج پر لگ گئی۔ تب بھی وہ ٹھیک نہ ہوسکے اور ایک ٹانگ سے معذور ہوگئے۔ میرے بیٹے کی ٹانگ میں بھی پیدائشی لنگ تھا۔ اس کا بھی علاج کرانا تھا۔ اس لیے مجبوراً میں نے ایک فیکٹری میں ملازمت کرلی۔

سوال ۲: گھر والوں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے آپ نے کیا قربانی دی؟ خود میں کیا تبدیلی لائیں؟

میں ایک باپردہ خاتون تھی۔ والدین نے کبھی گھر سے باہر قدم رکھنے نہیں دیا تھا۔ جیٹھ صاحب نے جب مدد کرنے سے معذوری ظاہر کی تو میں نے ملازمت کا سوچا۔ پڑھی لکھی نہیں تھی، لیکن سلائی جانتی تھی۔ اس لیے ملازمت کرلی۔ قربانی تو نہیں کہہ سکتے، بس یہ کہ گھر سے باہر نکلی۔ لوگوں کے رویوں کو برداشت کیا۔ میں بہت خوش مزاج ہوں۔ ہنستی مسکراتی رہتی ہوں لیکن پھر خود پر سنجیدگی طاری کی۔ لباس پر دھیان دیا تاکہ کسی کو انگلی

Digitized by Google

اٹھانے کا موقع نہ مل سکے۔

سوال ۳: اس عرصے میں گھر والوں کا رویہ آپ کے ساتھ کیسا رہا؟

جٹھانی کو تو کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ البتہ ساس نندوں نے خوب باتیں بنائیں، مگر ایک گلاس کی مدد نہیں کی۔ شوہر نے بہت سہارا دیا۔ وہ بچوں کو سنبھالتے تھے۔ میں صبح کی نکلی شام کو گھر آتی تھی تو میری دل جوئی کرتے تھے۔ وہ زیادہ دیر کھڑے نہیں رہ سکتے تھے، مگر بیٹھے بیٹھے گھر کے کافی کام کر دیا کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ انہوں نے کھانا پکانا سیکھ لیا اور مجھے اس طرف سے کوئی فکر نہ رہی۔

سوال ۴: اگر کبھی ناگوار صورت حال کا سامنا کرنا پڑا تو آپ نے کیا طرز عمل اختیار کیا؟

اس دنیا میں حاسدوں کی کمی نہیں۔ کبھی کبھی آپ کی ایمان داری اور قابلیت ہی آپ کی دشمن بن جاتی ہے۔ فیکٹری میں ایک خاتون نے خوامخواہ ہی مجھ سے دشمنی پال لی۔ فیکٹری کی مالکہ بہت اچھی خاتون تھیں۔ تمام ورکرز کا اور خاص طور پر میرے حالات کی وجہ سے میرا خیال بہت رکھتی تھیں۔ تو اس نے میرے خلاف اٹھتے بیٹھتے باتیں بنانا شروع کردیں۔ میں نے اسے منہ لگانا ہی چھوڑ دیا، ایسے لوگوں کا یہی علاج ہوتا ہے۔

سوال ۵: آپ اچھے تو سب اچھا..... کیا واقعی محض آپ کا اچھا ہونا کافی ہے؟

ہرگز نہیں..... اچھوں کے ساتھ اچھا اور بروں کے ساتھ برا بننا پڑتا ہے اور سامنے والے کے رویے اور کردار کو بھی دیکھنا پڑتا ہے۔

سوال ۶: کبھی پیشہ ورانہ رقابت کا شکار ہوئیں؟

میں نے بتایا نا کہ ایک خاتون پیچھے ہی پڑ گئی تھیں۔ باقی خواتین سے میرے خلاف نہ جانے کیا الٹی سیدھی باتیں کیں کہ سب مجھے عجیب نظروں سے دیکھتیں۔ بہرحال میری نیت صاف تھی اور ضمیر مطمئن تھا۔

سوال ۷: دوران ملازمت آپ کا جونیئرز اور سینئرز کے ساتھ کیسا رویہ رہا؟

میں ایک خوش مزاج عورت ہوں، سب کے ساتھ بے تکلفی سے پیش آتی ہوں۔ ہمارے والدین نے بڑوں کی عزت کرنا سکھایا ہے۔ اسی لیے ملازمت ہو یا سسرالی تعلقات، میں نے ہمیشہ بڑوں کی عزت کی اور چھوٹوں سے دوستی رکھی۔ فیکٹری میں بھی یہی رویہ تھا۔

سوال ۸: نوکری برقرار رکھنے کے لیے کبھی عزت نفس کا سودا کیا؟

نہیں..... اور میرا خیال ہے کہ کوئی بھی غیرت مند انسان چاہے مرد ہو یا عورت اس کے پاس سب سے قیمتی چیز عزت ہی ہے تو اس چیز کا بہت خیال رکھنا چاہیے۔ نوکری تو دوسری مل جائے گی، مگر عزت کمانا اور اسے سنبھال کر رکھنا ضروری بھی ہے اور مشکل بھی۔

سوال ۹: ملازمت کے لیے محض ایمان داری، محنت، نیک نیتی اور قابلیت کافی نہیں، خوشامد اور چاپلوسی بھی ضروری ہے؟ آپ کا کیا خیال ہے۔

بالکل سچ بات ہے۔ محنتی اور ایمان دار منہ دیکھتے رہ جاتے ہیں اور خوشامدی لوگ اپنی چرب زبانی سے کہاں سے کہاں پہنچ جاتے ہیں۔ لیکن جس طرح ہر بندہ محنت نہیں کرسکتا یا ایماندار نہیں ہوتا اسی طرح خوشامد کرنا بھی ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔

سوال ۱۰: اگر آپ نے اپنے اہداف اور مقاصد حاصل کرلیے ہیں تو اب گھر والوں کا رویہ

Digitized by Google

کیسا ہے۔ پیچھے مڑ کر دیکھتی ہیں تو طمانیت کا احساس ہوتا ہے یا رائیگانی کا؟

جب میرے شوہر معذور ہوئے تو کچھ ہی عرصے بعد سسرال میں سب نے کھانا پینا الگ کرلیا۔ وہ بہت مشکل دن تھے۔ شوہر نے گھر اور بچوں کو سنبھالا اور میں نے باہر کا ہر کام سنبھالا ملازمت بھی کی۔ آج الحمدللہ میرا بڑا بیٹا سعودی عرب میں ملازمت کرتا ہے۔ شوہر کے سامنے ہی اس کی شادی کردی تھی، وہ اپنے گھر میں خوش ہے۔ بیٹی کی بھی شادی کردی ہے۔ میں چھوٹے بیٹے کے ساتھ رہتی ہوں۔ ماشاء اللہ دونوں بہوویں بہت اچھی ہیں۔ اپنا گھر بنالیا ہے۔ اللہ کا دیا سب کچھ ہے مگر اب شوہر ساتھ نہیں ہیں۔ دس سال پہلے ان کا انتقال ہوگیا تو وہ بہت یاد آتے ہیں۔ جب محنت کے دن تھے تو انہوں نے بھرپور ساتھ دیا۔ آج جب عیش کے دن ہیں تو میں اکیلی ہوں مگر اللہ کا شکر ہے کہ عزت سے زندگی گزر گئی۔ جو باقی بچی ہے وہ بھی گزر جائے گی لیکن میں تمام ماؤں سے کہنا چاہتی ہوں کہ بیٹیوں کو تعلیم کے ساتھ کوئی ہنر بھی ضرور سکھائیں کیونکہ برے وقت کا کچھ پتا نہیں ہوتا۔ ایسے میں یہ ہنر ہی آزمائش کی گھڑیوں میں کام آتا ہے۔

امید اور نا امیدی کے درمیان پرورش پاتی حسین داستانیں

ماہنامہ
حجاب کراچی

شائع ہوگیا ہے

میرے خواب زندہ ہیں

شب آرزو تیری چاہ میں

عشق دی بازی

اس کے علاوہ دنیا ادب کے نئے ستارے ہر ماہ اس میں شامل ہیں

Infoohijab@gmail.com
021-35620771/2
0300-8264242

Digitized by Google

قسط نمبر 26

تیری زلف کے سر ہونے تک

اقرا صغیر احمد

یہ عجب ہے محبت، زمانہ جانتا ہے
نہ میں اس کی مانتا ہوں نہ وہ میری مانتا ہے
کوئی جا کے اس سے پوچھے اسے کیا ملا بچھڑ کے
میں بھی خاک چھانتا ہوں، وہ بھی خاک چھانتا ہے

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

سراج کی مدد سے برکھا جہاں آرا کے گھر تک پہنچنے میں کامیاب ہوجاتی ہے اور اسے اپنے درمیان طے ہونے والی ڈیل سے آگاہ کرتی ہے لیکن جہاں آرا انشراح کے نام پر بھڑک اٹھتی ہیں اور رقم دے کر انشراح کو بھول جانے کا کہتی ہیں لیکن برکھا اس سے دست بردار ہونے پر آمادہ نہیں ہوتی جب ہی وہ اسے دھمکیوں سے نوازتی جلد اپنے منصوبے پر عمل درآمد کا کہتی ہے۔ اچھی آپا اور چند مایوں کے لیے سفید سوٹ کا انتخاب کرتی ہیں لیکن ہر کوئی دلہن کے لیے اس سفید جوڑے پر تنقید کرتا ہے مایوں کی رسم کے دوران شاہ زیب کے مذاق پر وہ خاصی برہم ہوجاتی ہیں اور سودہ اور زید کے کردار کو مشکوک ٹھہراتی ہیں۔ ایسے حالات میں گھر کے بڑے اچھی آپا کو سمجھاتے ہیں واپسی پر وہ پیارے میاں کو تمام حالات اور اپنی بے عزتی کے واقعات سے آگاہ کرتی ہیں تو پیارے میاں بھی بھڑک اٹھتے ہیں سودہ کی طرف سے اس کا دل بدگمان ہوجاتا ہے۔ ساریہ کے والدین ورلڈ ٹور سے واپس آتے ہیں تو وہ نوفل اور ساریہ کے رشتے کی بات کرتے ہیں جس پر نوفل قطعاً آمادہ نہیں ہوتا۔ کے صاف انکار پر نوید اور ثمرہ دونوں بھڑک اٹھتے ہیں اور ساریہ کو لے کر وہاں سے چلے جاتے ہیں ان کی اس کام میں لاریب بھرپور مدد کرتا ہے اور نوفل کے خلاف مزید بھڑکاتا ہے جبکہ ساریہ نوفل کے انکار پر شدید صدمے سے دوچار ہوجاتی ہے۔ انشراح کو اپنے مقاصد میں کامیابی مل جاتی ہے جب نوفل [illegible] کرتا ہے لیکن وہ اس کے بڑھے ہاتھ کو جھٹک دیتی ہے اور اس کے کہنے کے مطابق لڑکی اور لڑکے کی دوستی کو معیوب قرار دیتی ہے۔ نوفل اپنے رویے پر بے حد شرمندہ ہوتے خلوص دل سے دوستی کی آفر کرتا ہے لیکن وہ جواب نہیں دیتی۔ عمرانہ اپنے طور صالحہ کو نکاح میں آنے کی اجازت دے کر سب کی نظروں میں معتبر ہوجاتی ہیں بالخصوص مائدہ کے سسرال میں۔ سب ان کے اس اقدام کو سراہتے ہیں۔ ایسے میں جنید زید سے معذرت کرتے دوستی کے رشتے کو قائم کرنے کی سعی کرتا ہے جس پر زید مسکرا دیتا ہے کیونکہ وہ اچھی طرح جانتا ہے اس سب کے پیچھے اس کی بہن مائدہ کا بھی ہاتھ تھا۔ سودہ کے نکاح کی تیاریاں عروج پر ہوتی ہیں لیکن اچھی آپا کے گھر والے وقت پر نہیں پہنچ پاتے ایسے میں گھر والوں کی تشویش بڑھتی جاتی ہے۔ شاہ زیب اچھی آپا کے گھر پہنچتا ہے اور واپس آکر پیارے میاں اور ان کی فیملی کے اچانک بیرون ملک چلے جانے کی خبر سناتا ہے جس پر سب گھر والے شاکڈ رہ جاتے ہیں۔

(اب آگے پڑھیے)

شاہ زیب کے انکشاف نے ایک بے آواز دھماکہ کر دیا تھا' کچھ بے ہنگم سی صدائیں ماحول میں گونج کر رہ گئی تھیں۔ صوفیہ صدمے سے بے ہوش ہو گئی جبکہ منور صاحب نے دل تھام لیا تھا۔ زمرد اور بوا صوفیہ کی طرف متوجہ ہوئیں' عمرانہ اور ماندہ بھی اس غیر متوقع صورت حال پر ایک دوسرے کو دیکھ رہی تھیں۔

جہاں کچھ دیر قبل شادی کے شادیانے بج رہے تھے وہاں اب ماتم کا سماں تھا۔ لمحوں میں افراتفری پھیل گئی تھی۔ عورتیں صوفیہ کے گرد جمع تھیں اور لڑکیاں بھاگ کر سودہ کے کمرے میں پہنچ گئیں تاکہ یہ اندر سے میاں کے فرار کی اطلاع دے سکیں۔ مدثر فون کے ذریعے جہاں جہاں پیارے اور اپنی آپا کی موجودگی کا امکان تھا معلومات لے رہے تھے' جب کہ دیگر لوگ منور صاحب کو طبیعت بگڑنے کے باعث ان کے کمرے میں لے گئے تھے۔ شاہ زیب' زید اور جنید ان کے ہاتھ پاؤں سہلا رہے تھے۔ وہ آنکھیں بند کیے نڈھال لیٹے تھے۔

"ہمیں بتایا ابو کو لے کر ہاسپٹل جانا ہوگا' طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی ان کی۔"

"ہاں انکل کو فوری ٹریٹمنٹ کی ضرورت ہے۔" جنید بھی ان کے ساتھ موجود تھا۔ وہ شاہ زیب کے ساتھ پیارے میاں کے گھر بھی گیا تھا' جہاں گیٹ پر تالا لگا ہوا تھا اور پڑوسیوں سے بھی کوئی خاص معلومات نہ مل سکی تھی۔ دونوں کو نا کام ہی لوٹنا پڑا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں' ڈاکٹر کی ضرورت نہیں۔" وہ ان کا سہارا لے کر اٹھ کر بیٹھتے ہوئے بے حد سنجیدہ و گمبھیر لہجے میں گویا ہوئے۔

"میری بچی کے ساتھ کیا اندھیر ہو گیا' کس طرح اچھی نے فریب دیا ہے۔ سخت کینہ پرور اور دھوکے باز ثابت ہوئی وہ۔ میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہا' کس طرح صوفیہ کا سامنا کروں؟ اس نے بہت چاہا یہ رشتہ نہ ہو کہ وہ ان کی اصلیت سے واقف تھی اور میں اس کی ہر بات رد کر کے حامی بھر بیٹھا۔ سگی بہن کی بجائے رشتے داری پر اعتبار کیا میں نے جس کا صلہ اس رسوائی کی صورت میں ملا ہے۔"

"آپ کا کیا قصور اس میں آپ نے اچھا ہی سوچا تھا آپ ٹینشن نہ لیں۔" زید نے انہیں تسلی دینے کی بھرپور سعی کی حالانکہ وہ خود بے حد الجھن اور پریشانیوں کا شکار تھا۔ اسے سمجھ میں نہیں آرہا تھا یہ سب ہوا کیا ہے' کل اسٹیج پر ہونے والی معمولی سی بدمزگی سب بڑوں نے مل کر ختم کروائی تھی اور پھر جاتے وقت اچھی آپا اور چند انہی مسکراتی گئی تھیں تو پھر رات ہی رات میں اچانک کیا ہوا تھا کہ وہ چوروں کی طرح فرار ہو گئے تھے۔

"پورا خاندان موجود ہے نکاح خواں سمیت تمام مہمان انتظار میں ہیں' مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہا ہے اب ہوگا کیا؟ لوگ کس کس انداز میں سودہ کو سوا کریں گے' وہ بے گناہ ہو کر بھی مجرم بن گئی ہے۔"

"ہم مل کر اس مسئلے کا حل نکالیں گے انکل..... پلیز آپ ریلیکس ہو جائیں۔"

"کس طرح ریلیکس ہو سکتا ہوں' کچھ معلوم بھی ہو وہ کیوں گئے اس طرح دھوکہ دے کر اور کہاں چلے گئے کہ کسی کو کچھ معلوم ہی نہیں۔"

"پتہ چل گیا ہے بھائی جان ان بدبختوں کا۔" مدثر وہاں داخل ہوتے ہوئے گویا ہوئے۔

"دبئی فرار ہو گئے ہیں' وہ تینوں ماں' بیٹا اور بیٹی۔ ایئرپورٹ پر انکوائری سے معلوم ہوا ہے دوپہر کی فلائٹ سے بھاگے ہیں وہ لوگ۔"

"اب ہوگا کیا مہمانوں سے گھر بھرا ہوا ہے' صوفیہ کو ہوش نہیں ہے اور سودہ کس حال میں ہے۔ یہ معلوم کرنے کی ہمت ہی نہیں ہے۔"

❁.....❁.....❁.....❁

"تم سچ کہہ رہی ہو بر کھا اس شہر میں موجود ہے' کب سے اور کہاں؟" اس سے سیدھے منہ بات نہ کرنے والی سائرہ قریب ہی بیٹھ گئیں' جہاں آرا مسکین سی صورت بنا کر انہیں دیکھ رہی تھیں۔

سرخ و سپید رنگت' سیاہ غزالی آنکھیں' چھریرا بدن وقت گویا اسے چھوئے بنا گزر گیا تھا۔ البتہ اس کے چہرے پر ایک حزن و ملال موجود تھا جو اس کی شخصیت کو پُروقار بنائے ہوئے تھا۔

"کل شام ہی ملاقات ہوئی ہے بر کھا سے..... سراج بھی اس کے ساتھ ملا ہوا ہے' دم ہلاتا گھوم رہا ہے اس کے پیچھے پیچھے۔"

"اس بدذات سے ملتی ہو تم پھر یہاں آنے کا کیا مقصد ہے تمہارا؟"

"مجھے غلط مت سمجھو' میں نے کہاں وہ میری نواسی کے پیچھے لگی ہوئی ہے..... میری نواسی کا بھی وہ ہی حال کرنا چاہتی ہے جو اس نے تمہاری بیٹی کا کیا تھا۔ تم صبوحی کے نام پر بھی کچھ نہیں کرو گی؟"

"میں کیا کر سکتی ہوں تم کیا چاہتی ہو؟" وہ شانے اچکا کر بے رخی و بے نیازی بھرے انداز میں گویا ہوئیں۔

"تم کیا کر سکتی ہو؟ یہ بات تم مجھ سے بہتر جانتی ہو کیا تم نے صبوحی کے مرنے پر برکھا کو مارنے کی قسم نہیں کھائی تھی؟ کیا تم مہینوں اس کی تلاش میں ناکامی کے بعد دلبرداشتہ پاکستان سے باہر نہیں چلی گئی تھیں؟" اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ چپ رہی تھیں۔

"بات ساری یہ ہے کہ پرائی آگ میں کوئی کیوں کودے' تمہاری بیٹی چلی گئی' اب کسی کی بیٹی کے ساتھ کیا ہوتا ہے تمہیں پرواہ کیوں ہونے لگی..... یہ تو میں ہی بیوقوف تھی جو اتنی کٹھنائیاں عبور کر کے تم تک پہنچی کہ تم چوٹ کھائی ہوئی ماں ہو' میری بچی کا سن کر مدد ضرور کرو گی۔" جہاں آرا غصے و صدمے سے کھڑی ہو کر گویا ہوئیں۔

"کم تم بھی نہیں ہو جہاں آرا' چور چور کزنا چھوڑ بھی دے تو ہیرا پھیری نہیں چھوڑتا اور چھوڑے بھی کیونکر..... پیٹ اور پیٹ کی ضروریات سب کی طرح اس کے ساتھ بھی لگی ہوئی ہیں' جیسے تمہارے ساتھ لگی ہوئی ہیں اس منحوس عورت کو سبز باغ تم نے ہی دکھائے ہوں گے جن سے پھل حاصل کرنے وہ آج یہاں آئی ہے؟" سائرہ کا ان کے ساتھ بھی خاصا وقت گزرا تھا اور وہ ان کی نیچر سے

Digitized by Google

بخوبی واقف تھی کوئی ہمدردی کرنے کے بجائے طنزیہ لہجے میں بولیں۔

"ٹھیک مت کرو مجھ پر نویرہ کے جانے کے بعد اس پیشے سے میرا دل بھی ٹوٹ گیا تھا پھر میں نے ضرورت ہی محسوس نہیں کی آگے کا نام بڑھانے کی سب کچھ میرے پاس ہے میں نواسی کو اعلیٰ تعلیم دلوا رہی ہوں تاکہ اچھے اور خاندانی لوگوں میں شادی ہو....."

"پھر برکھا تمہیں کہاں مل گئی؟" وہ ان کی کہانی سے ذرا متاثر نہ ہوئیں۔

"کچھ دن قبل ہی یونیورسٹی سے آتے ہوئے نامعلوم کس طرح ٹرین بھیڑ ہوگئی اور وہ پیچھا کر کے گھر تک پہنچ گئی اور کہتی ہے اسے وہ لڑکی چاہے ہر حال میں حالانکہ قسمیں کھا کر بتایا ہے اسے کہ میں دھندہ چھوڑ چکی ہوں میری نواسی بڑی شریف و باکردار ہے..... مگر وہ دھمکیاں دے رہی ہے کہ میں نے سیدھے طریقے سے بات نہ مانی تو وہ....." وہ بے اختیار رونے لگیں۔

"میری نواسی کو اغوا کروالے گی اور وہ ایسا کر سکتی ہے یہ تم بھی جانتی ہو۔"

❁.....◉.....❁.....❁

حمرہ میکے سے واپس آ گئی تھیں موڈ بہت خراب تھا وجہ یہ تھی کہ کسی پارٹی میں ان کی ایک دوست نے باتوں باتوں میں ماضی کا کوئی تذکرہ چھیڑ دیا تھا جس میں پارٹی میں شریک ایک خاتون نے بھی حصہ لینا شروع کر دیا تھا۔ باتیں نکلتے نکلتے فلمی دنیا تک پہنچ گئی تھیں۔ وہ عورت کسی مرحوم ڈائریکٹر کی بیوہ تھی جو مزے سے اس وقت کی مشہور ماڈل و ایکٹر نویرہ اور یوسف کے درمیان چلنے والے افیئر سے واقف تھی وہ اس بات سے بے خبر تھی کہ وہاں یوسف کی بیوی موجود ہے اور خود حمرہ نے بھی دوستوں کو اشارہ کر دیا تھا خاموش رہنے کا وہ ان تمام حقیقت کے متعلق جاننا چاہ رہی تھیں۔ اس امر سے وہ بھی واقف تھیں کہ جوانی میں یوسف بہت چارمنگ اور اٹریکٹو شخصیت کے مالک تھے پھر خاندانی رکھ رکھاؤ اور منسٹری کا زعم ایک عالم کی توجہ محبت کا مرکز تھے وہ۔

"اس وقت کے منسٹر یوسف اور ماڈل نویرہ کے درمیان اندر ہی اندر محبت کی پینگیں بڑھنے لگی تھیں۔ بہت خفیہ طریقے سے وہ لوگ ملتے تھے کسی کو بھی خبر ہی نہ ہو سکی تھی۔" وہ ہنس ہنس کر گوسپ کر رہی تھیں اس بات سے بے خبر وہاں موجود حمرہ کے دل ٹینشن پر بجلیاں گر رہی تھیں کہ انہیں یہ مان تھا کہ یوسف نے صرف ان سے ہی محبت کی ہے ان کی زندگی میں چاہت بن کر داخل ہونے والی وہ ہی واحد عورت ہے۔ وہ اتنے پاک باز اور شریف ہیں جنہوں نے ناپسندیدگی کی بنا پر اپنی پہلی بیوی کو اس لائق ہی نہ سمجھا کہ انہیں بیوی کا درجہ دیا جائے۔

"ابھی آپ کہہ رہی تھیں بہت خفیہ طریقے سے ان کا افیئر چل رہا تھا پھر آپ کو کس طرح معلوم ہوا ان کے خفیہ افیئر کا؟" ان کی دوست سونیا ان کی جذباتی حالت سے باخبر پوچھ رہی تھی۔

"ان دنوں نویرہ نے کئی فلمز سائن کر رکھی تھیں اور ان فلموں کے ڈائریکٹر میرے فرینڈ تھے اور شوٹنگ ملتوی ہونے کی وجہ سے وہ بھی پریشان تھے اور اسی دوران نویرہ کی ماں نے رازداری کا وعدہ لے کر بتایا تھا ان کے افیئر کا..... بلکہ وہ تو یہاں تک کہہ رہی تھیں....." وہ دانستہ چپ ہو کر جوس پینے لگی تھیں۔

"جی..... آپ کون ہیں؟" اس خاتون کو اس کی بے تابی عجیب لگی۔

"مائی فرینڈ حمرہ..... مسٹر یوسف کی وائف ہیں۔" ان کا تعارف سن کر وہ ہڑبڑا کر کھڑی ہو گئی تھیں۔

"وائف.....؟ اوہ مائی گاڈ....." وہ سخت سراسیمہ ہو گئی تھیں حمرہ کی لہو رنگ آنکھیں خود پر جمی دیکھ کر اس کی بوکھلاہٹ بڑھ گئی تھی۔

"پلیز مزید میرا امتحان مت لیں آگے بتائیں کیا ہوا؟" حمرہ کی ذات آندھیوں کی زد میں بے جان پتے کی مانند ڈول رہی تھی۔

"حمرہ..... کم آن کیا ہو گیا ہے تمہیں تم اس کی باتوں پر کس طرح ہلیو کر رہی ہو اس کی عادت ہے ہر جگہ ذرا سی چٹ پٹی گوسپ کرنے کی اور تم....."

"یہ جھوٹ نہیں ہے زبان جھوٹ کہہ سکتی ہے مگر آنکھیں جھوٹ نہیں بولتیں اور اس کی آنکھیں سچ کہہ رہی ہیں۔"

Digitized by Google

"سوری مجھے معلوم نہ تھا آپ یوسف صاحب کی وائف ہیں اگر مجھے معلوم ہوتا تو میں منہ بند رکھتی۔" اس عورت کی حالت قابل رحم تھی۔

"اب منہ کھول ہی لیا ہے تو بات بھی مکمل کرلیں۔"

"میرا کوئی قصور نہیں ہے مسز یوسف..... مجھے جو کچھ میرے مسیونڈ نے بتایا تھا بلکہ میرے مسیونڈ کو بھی نوریہ ماڈل کی ممی نے یہ سب بتایا تھا۔"

"میں آپ کو کب قصوروار کہہ رہی ہوں اور نہ ہی خفگی کا اظہار کررہی ہوں، میں صرف آپ سے یہ گزارش کررہی ہوں بات کو مکمل کریں۔" ان کے لبوں پر دھیمی مسکراہٹ کسی زخم کی طرح ابھری تھی۔

"میرے مسیونڈ کو نوریہ کی ممی نے یہ بھی بتایا تھا کہ..... ان دونوں کے تعلقات بہت آگے تک جاچکے ہیں شاید وہ ان کے بچے کی ماں بننے والی تھی۔" حمرہ کے دل میں خنجر سا پیوست ہوتا چلا گیا تھا۔

"وہ دونوں جلد شادی کرنے والے تھے مگر پھر نہ معلوم کیا ہوا نوریہ اور اس کی ممی پلٹ کر آئی ہی نہیں اب تو میرے مسیونڈ کی ڈیتھ ہوئے دس سال بیت گئے ہیں، وہ ماں اور بیٹی تب ہی لاپتہ ہوگئی تھیں۔" داستان گو چپ چاپ وہاں سے چلی گئی تھی اور حمرہ کا واپسی کا سفر نادیدہ انگاروں پر طے ہوا تھا گھر آکر یوسف سے سامنا نہ ہونا ان کے غصے کو اور بھڑکا گیا وہ کسی سے ملے بنا اپنے کمرے میں بند ہوگئی تھیں۔

❁.....◉.....❁.....◉.....❁

داغ دل ہم کو یاد آنے لگے
لوگ اپنے دیئے جلانے لگے
خود فریبی سی خود فریبی ہے
پاس کے ڈھول بھی سہانے لگے
اب تو ہوتا ہے ہر قدم پر گماں
ہم یہ کیسا قدم اٹھانے لگے
اک پل میں وہاں سے ہم اٹھے
بیٹھے جہاں زمانے لگے

"زید..... کہاں گئی تمہاری گارنی..... کہاں گیا تمہارا وہ [illegible] تم تو کہتے تھے پیارے میاں کوئی غلط حرکت کرہی نہیں سکتا وہ بہت اعلیٰ اخلاق کا مالک ہے، بہت بڑا دل ہے اس کا دیکھا تم نے کس طرح [illegible] یہ کہا کہ یوسف کو پتا چلا گیا تو میری بے قصور بچی کا مستقبل بھی سیاہ کرگیا۔" صوفیہ ہوش میں آنے کے بعد روئے جارہی تھیں [illegible] تو اس سے مخاطب ہوئیں، جو خود پریشان تھا۔

"اس بچے کا کیا قصور ہے بھلا..... اس نے جو کہا زید نے یقین کرلیا اور شاطر لوگ تو بولتے ہی میٹھی زبان ہیں، دل کا حال صرف اللہ ہی جانتا ہے۔" زمرد نے آہ بھرتے ہوئے بھیگے لہجے میں کہا۔

"بھابی..... بتائیں اب میری بن باپ کی بچی کا کیا ہوگا..... کون شادی کرے گا کون ڈولی لے کر جائے گا کیا ہوگا میری بچی کا؟ کیسی قسمت پھوٹ گئی۔" صوفیہ دوبارہ بے ہوش ہوگئی تھیں، سودہ کو بھی بوا اور صالحہ وہاں لے آئی تھیں، زید میکسی میں وہ ہلکے پھلکے انداز میں تیار ہوئی تھی اور خود پر ٹوٹنے والی قیامت کا سن کر وہ چپ ہوکر رہ گئی تھی نہ ماں کی طرح ماتم کیا تھا نہ بڑی مامی کی طرح رو رو کر حشر خراب کیا تھا نہ بوا کی طرح سینہ کوبی کی تھی۔ اس کے اندر ہزاروں طوفان مچل رہے تھے۔ پر باہر سے وہ ندی کی مانند شانت و پُرسکون

Digitized by Google

ماں کو سنبھالنے میں لگی ہوئی تھی۔ صالحہ کو سب کے درمیان موجود دیکھ کر عمرانہ اور مائدہ اپنے کمروں میں آ گئی تھیں' عمرانہ اپنے ساتھ جنید کی دادی کو بھی لے آئی تھیں۔

"آئیں آپ آرام سے بیٹھیں' نیچے تو افراتفری نا جانے کب تک پھیلی رہے گی۔ جنید بتا رہے تھے آپ زیادہ دیر تک بیٹھ نہیں پاتیں۔" انہوں نے بیڈ پر انہیں بیٹھنے میں مدد دی جب کہ مائدہ کشنز لگانے لگی تھی۔

"بے حد شکریہ بیٹا..... بس بڑھاپا اسی کا نام ہے کوئی کام سیدھا نہیں ہوتا' بایوں کہہ لیں زندگی بارٹی نہیں رہتی۔"

"اللہ آپ کو صحت دے' مائدہ چائے بنا کر لائیں ساتھ اسنیکس بھی۔" عمرانہ خود اخلاقی کی مثال بنی ان کے قریب ہی ٹک گئی تھیں۔

"ارے نہیں بیٹا..... یہ تکلفات کا بالکل بھی ٹائم نہیں ہے' سودہ بچی کے ساتھ بہت برا ہوا ہے' کیسی پھولوں کی مانند شاداب بچی ہے اور نصیب دیکھیں کیسے کانٹوں سے بھرا ہے' اس کوشش پر شش آ رہے ہیں۔" دادی کے لہجے میں سودہ اور صوفیہ کے لیے ہمدردی و پیار ان دونوں ماں بیٹی کے لیے برداشت کرنا بڑا مشکل عمل تھا مگر برداشت کرنا بھی ضروری تھا۔

"تکلف کی بات نہیں ہے آنٹی' مائدہ ابھی بنا کر لے آئے گی۔"

"نہیں نہیں عمرانہ..... یقین جانیں میرا دل اس لڑکی میں اٹک گیا ہے۔ چائے تو کیا پانی پینے کی طرف بھی طبیعت مائل نہیں' کیسی صابرہ شاکرہ بچی ہے۔ ایک آنسو نہیں نکلا اس کی آنکھ سے بڑی ہمت و حوصلے سے ماں کو سنبھال رہی ہے' بڑے ہی بدبخت لوگ ہیں جو ایسے ہیرے کو کھو کر چلے گئے آپ کے گھرانے کی لڑکیاں بہت منفرد ہیں۔"

"آنٹی..... دولت تو آنی جانی شے ہے' رہنے والی شے عزت ہوتی ہے' ہمیں تو یہی درس دیا گیا ہے کہ عزت اور اخلاق سب سے قیمتی دولت ہے۔"

"بے شک بالکل درست بات ہے۔ اخلاق و عزت سے ہی خاندانوں کی پہچان ہوتی ہے میں اپنے دل کی بات بتا رہی ہوں' جنید نے جب مجھ سے مائدہ کے لیے پسندیدگی کا اظہار کیا تب میں سوچ میں پڑ گئی تھی۔ مائنڈ مت کرنا عمرانہ....." وہ ایک دم اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر مسکرا کر کہہ اٹھیں اور عمرانہ اور مائدہ محض سر ہلا کر رہ گئی تھیں۔

"کیسی عورت نے بیٹی کی تربیت کیا کی ہوگی' جس کا خاوند بیوی کو چھوڑ کر دوسری بیوی کے سنگ رہتا ہو..... مگر پھر زید کے اخلاق و مروت یاد آئی تو میں نے مائدہ کو بہو بنانے کا ارادہ کر لیا اور اب مجھے فخر ہے کہ اچھے اور رشتوں کا مان رکھنے والوں میں ہم لوگ جڑ گئے ہیں۔"

❁.....❁.....❁.....❁

بس اک شخص ہی کل کائنات ہو جیسے
نظر نہ آئے تو دن میں بھی رات ہو جیسے
میرے لبوں پر تبسم موجزن ہے اب تک
کہ دل کا ٹوٹنا چھوٹی سی بات ہو جیسے
شب فراق مجھے آج یوں ڈراتی ہے
تیرے بغیر پہلی رات ہو جیسے
اس کی یاد کی یہ بھی اک کرامت ہے
ہزر میل پر ہو کے بھی ساتھ ہو جیسے
تیرا سلوک مجھے روز زخم تازہ دے

Digitized by Google

"میں نے ایک فیصلہ کیا ہے۔" وہ بے حد سنجیدگی سے بابر سے مخاطب ہوا۔

"کس بارے میں فیصلہ کیا ہے..... خیریت ہے نہ خاصے سنجیدہ لگ رہے ہو؟" بابر نے پوری توجہ اس پر مرکوز کرتے ہوئے پوچھا۔

"میں انشراح سے شادی کرنے کا فیصلہ کر چکا ہوں۔"

"واٹ.....؟" بابر کو گویا برق چھو گئی تھی وہ یک دم اچھل پڑا۔

"اس قدر حیران کیوں ہو رہے ہو شادی کرنا کوئی حیرانی کی بات نہیں ہے۔" اس نے اس کے کھلے منہ اور پھٹی آنکھوں کو دیکھ کر کہا۔

"مگر تم انشراح سے شادی کے خواہشمند ہو یہ حیرانی سے بھی آگے کی بات ہے مائی ڈیئر برادر..... ایسا اچانک کایا پلٹ کیسے ہوئی بھلا؟ کل تک تو تم کہہ رہے تھے وہ تمہارے قابل نہیں ہے۔"

"میں نہیں جانتا یہ کایا پلٹ کیوں اور کیسے ہوئی..... بس یہ مجھے یقین ہے..... وہ ہے تو زندگی ہے ورنہ کچھ بھی نہیں۔" بہت ٹھہراؤ اور بے چارگی در بطا تھا اس کے لہجے میں بابر ششدر ہو گیا تھا۔ اس کی ناپسندیدگی اور نفرت کے ہر پہلو سے وہ واقف تھا۔

"آئی ڈونٹ بلیو یار.....! کیا تم اس سے محبت کرنے لگے ہو؟"

"محبت.....!" اس کے لبوں پر لمحے بھر کو تبسم چھلکا۔

"میں محبت کا اقرار نہیں کر سکتا بی کوز میں نہیں جانتا محبت کیا بلا ہے؟"

"پھر یہ آناً فاناً شادی کرنے کی کیا سوجھی ہے تمہیں؟"

"یہ سب اچانک نہیں ہوا بابر، کچھ عرصے سے میں اپنے اندر ایک خلا سا محسوس کر رہا ہوں ایک کمی..... ایک ادھورا پن جو مجھے کسی جوگی کی مانند ادھر ادھر بھٹکائے رکھتا ہے مجھے کسی شاخ سے ٹوٹے برگ کی طرح آوارہ گردی میں سرگرداں رکھتا ہے اب میں تھک گیا ہوں۔" وہ بہت شکستہ اور بکھرا ہوا سا لگا بابر اسے سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

"تم انشراح سے محبت بھی نہیں کرتے اور اسے پانا بھی چاہتے ہو یعنی شادی کے خواہشمند بھی ہو اور تم یہ بھی اچھی طرح جانتے ہو اس کا بیک گراؤنڈ کیا ہے وہ کس سوسائٹی سے تعلق رکھتی ہے؟"

"وہ تعلق نہیں رکھتی، ماضی میں اس کی ماں اور نانی کا تعلق رہا ہے۔" وہ اس کی بات کاٹ کر گویا ہوا تھا۔

"آئی نوٹ تم انکل اور آنٹی کو کنونس کر لو گے؟ پھل بیٹھا ہو یا کڑوا اس کی پہچان درخت سے ہی ہوتی ہے اور تم اس کی نانی کی لالچی طبیعت سے بخوبی واقف ہو وہ عورت کسی طرح بھی اپنی نیچر سے باز نہیں آئے گی۔ اتنا بڑا فیصلہ کرنے سے قبل خوب سوچ سمجھ لو۔"

❁.....◈.....❁.....◈

مغرب کی نماز کا وقت عنقریب تھا۔

"مہمانوں کا جم غفیر ہال روم میں موجود تھا صوفیہ پر بار بار غشی طاری ہو رہی تھی۔ منور صاحب کا ڈاکٹر چیک اپ کر گیا تھا سخت ذہنی دباؤ کے باعث ان کی طبیعت ناساز ہو رہی تھی یہ اطلاع پا کر جنید کی زوجہ بھی عمرانہ کے ہمراہ وہاں آ گئی تھیں زمرد، زید، شاہ زیب، مدثر اور جنید وہاں پہلے سے ہی موجود تھے۔ ایک تو پیارے میاں اور اس کی ماں کے فرار نے خوشیوں بھرے گھر کو ماتم کدے میں تبدیل کر دیا تھا دوئم منور اور صوفیہ کی بگڑتی طبیعت نے انہیں دہرے مسائل میں مبتلا کر دیا تھا۔

"منور بیٹے..... حوصلہ پکڑیں، بے شک دکھ و غم کی گھڑی بڑی بھاری ہے ظالموں نے کاری وار کیا ہے عزت پر صدمے کی بات تو ہے مگر آپ کو ہمت و حوصلے سے کام لینا ہوگا، بچے خدانخواستہ آپ کو کچھ ہو گیا تو وہ بچی سودہ خود کو کس طرح سنبھال پائے گی۔" انہیں سخت

Digitized by Google

مضطرب و بے چین دیکھ کر جنید کی دادی نے متانت بھرے انداز میں سمجھایا۔

"آنٹی..... کیا کہوں گا میں سودہ سے؟ کس طرح سامنا کروں گا اس مظلوم بیٹی کا جس نے اپنے نصیب کی ڈور ہمارے ہاتھ میں تھمادی تھی، جس نے کبھی اپنی مرضی استعمال نہیں کی ہر فیصلے کا اختیار ہم کو دیتی آئی ہے۔" وہ بچوں کی مانند پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے انہیں دلاسہ دینے میں سب ہی پیش پیش تھے جنید کی دادی جن کے مراسم ان لوگوں سے ان دونوں کی دوستی کی وجہ سے پرانے تھے وہ منور کے قریب بیٹھ کر انہیں سمجھا رہی تھیں مدثر بھی ان کا ہاتھ تھامے سرہانے بیٹھے تھے۔

انہیں روتے دیکھ کر زید اپنی جگہ سے جنبش بھی نہ کر سکا تھا اور ششدر سا بیٹھا رہا عمرانہ بھی دادی کو متاثر کرنے کے چکر میں اخلاق و مروت کا سمبل بنی وہاں موجود تھیں۔ دراصل جنید اور اس کی دادی نے ان کے مزاج سے بے خبر ہوتے ہوئے انہیں اس قدر تعریف و توصیف سے نوازا تھا کہ اب دکھاوے کے لیے ہی انہیں اچھے پن کا مظاہرہ کرنا پڑ رہا تھا۔

"بھائی جان..... آپ تو سودہ کی عادت سے واقف ہیں ناں آپ کو اس حال میں دیکھ کر وہ خود کو الزام دے گی۔" مدثر نے ان کا ہاتھ سہلاتے ہوئے رسانیت سے کہا۔

"گھر بیٹھے بیٹھے میری بچی رسوا ہو گئی، حقیقت کوئی جاننے کی سعی نہیں کرتا اس طرح عین نکاح والے دن بارات کا نہ آنا لوگوں کو کس قدر باتیں بنانے کا موقع فراہم کر چکا ہے..... اب مدتوں تک کوئی اس کا سوالی بن کر نہیں آئے گا۔"

"ایسا کچھ نہیں ہوگا خود کو کیوں ہلکان کر رہے ہیں بھائی صاحب۔" عمرانہ نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔

"اللہ نے سودہ کے لیے اس بدبخت لڑکے سے زیادہ بہترین و لائق بر منتخب کیا ہوگا آپ حوصلہ نہ ہاریں جو ہوگا اچھا ہوگا۔"

"آنٹی..... برے کے بعد کیا اچھا ہوگا اگر اچھا ہی ہونا ہوتا تو آج برا نہ ہوتا مجھے ہر طرف مشکل ہی مشکل دکھائی دیتی ہے۔"

"رب ہی فرماتا ہے ہر مشکل کے بعد آسانی ہے۔" مدثر نے پھر سے بھائی کو سمجھانے کی کوشش کی۔

"بھائی جان..... آپ پریشان نہ ہوں میری دیرینہ آرزو تھی سودہ میری بہو بنے مگر ایسا ممکن نہ ہوا۔" انہوں نے عمرانہ و زید کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں اعلان کرتا ہوں..... شاہ زیب اور سودہ کے نکاح کا جو بھی اور اسی وقت ہوگا۔" انہوں نے مضبوط لہجے میں کہا تھا۔

❁.....◈.....❁.....◈

سراج نے سگریٹ پیتی برکھا کو دیکھا جو کسی سوچ میں گم ہونٹوں سے دھواں اڑا رہی تھی پھر اس کے سامنے صوفے پر بیٹھ کر گویا ہوا۔

"میں کہتا ہوں سانپ اور جہاں آرا پر اعتبار کرنے کا مقصد ہے خود کو ہلاکت میں ڈالنا کب اور کہاں وہ ڈھو کہ دے جائے کچھ پتہ نہیں چلتا تم اس پر بھروسہ کر کے بہت برا کر رہی ہو نور کھا میڈم۔"

"فکر مت کرو سراج..... اگر وہ سانپ ہے تو میں نیولا ہوں اس نے مجھ سے کوئی چال چلی تو دیکھنا دوسرے لمحے سانس بھی نہ لے پائے گی۔" برکھا کے لہجے میں بھی بلا کی خود اعتمادی و ہٹ دھرمی تھی۔

"میڈم..... تم نہیں جانتی جہاں آرا کے مکار ذہن کو اس کی سوچ جہاں سے شروع ہوتی ہے جہاں دشمن کی سوچ ختم ہوتی ہے۔"

"اگر وہ مکار و چالاک ہے تو میرے آگے لومڑیاں بھی شرما جاتی ہیں پھر وہ ایک تنہا و بے بس عورت ہے ایک عرصہ ہو چکا اسے بازار چھوڑے ہوئے نئی نسل اس کے نام سے بھی ناواقف ہے اور تم اس سے اس قدر خوف زدہ ہو گویا وہ عورت نہیں کوئی عفریت ہو۔" اس نے سگریٹ ایش ٹرے میں پھینکتے ہوئے طنز سے کہا۔

"وہ ایک بھیانک عفریت ہی ہے بہت ہلکا لے رہی ہو تم اس بلا کو تیس سال میں نے اس کے سنگ گزارے ہیں اور اس کی حرکتوں کا مجھے خوب اندازہ ہے۔ اسے کچھ کر گزرنے کے لیے ہجوم کی ضرورت نہیں ہوتی..... اپنے شکار کو وہ خود گھیر کر مارنے کی عادی ہے۔"

Digitized by Google

"تُو تو بہت بزدل ہے سراج..... جو بزدل ہوتا ہے میں اسے مرد نہیں مانتی' نہ جانے ایسا کیا دیکھا ہے تو نے جو دم دبا کر بیٹھ جاتا ہے اس کے نام پر ہو جہ خود ڈرتا رہ' مجھے ڈرانے کی کوشش نہیں کرنا میں کسی سے ڈرنے والی نہیں ہوں' بڑے بڑے پھنے خان کو دھول چٹائی ہے۔" جواباً سراج نے بحث کرنا فضول سمجھا' برکھا کسی کی سننے والی نہ تھی اور جہاں آرا کی مہلت جو اسے چند دنوں کے لیے دی گئی تھی وہ اسے بہت کھٹک رہی تھی۔

"اچھا اب یوں منہ بنا کر مت بیٹھ چل فون ملا کر دے بات کرتی ہوں۔ اس کتیا سے جس سے تیری جان جا رہی ہے پاگل آدمی نہ ہو تو۔" اس نے مسکرا کر کہا' سراج نے نمبر زپش کرنے شروع کر دیئے دوسری طرف بیل جا رہی تھی بیل جا رہی تھی لیکن کسی نے کال پک نہ کی اور ایک بار نہیں کئی بار کال کرنے پر جواب نہیں ملا تھا۔

"گئی بھینس پانی میں۔" سراج ریسیور رکھتا ہوا کہہ اٹھا۔

"ہوں..... فون کیوں نہیں اٹھایا اس نے اور موبائل بھی بند جا رہا ہے..... ٹھیک کہتے ہو تم' کہیں وہ لڑکی کو لے کر بھاگ نہ گئی ہو؟" برکھا کی پیشانی پر تردد آمیز شکنیں در آئیں۔

"جب ہی کہہ رہا تھا ڈھیل نہیں دو اس عورت کو وہ اعتبار کے قابل نہیں..... ایک لمبا عرصہ اس کے اشاروں پر چلا ہوں میں اور اس نے صلہ کیا دیا' میرا سارا پیسہ ہڑپ کر گئی اور جیل میں مجھے مرنے کے لیے چھوڑ دیا' پھر تم سے ملے جمعہ جمعہ آٹھ دن ہوئے ہیں' وہ تمہارے ساتھ وفا کیوں کرے گی۔"

"اگر بھاگی بھی ہے تو مجھ سے بھاگ کر کہاں جائے گی' میں اپنے دشمنوں کو قبروں سے نکال لیا کرتی ہوں اور دنیا میں کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں وہ چھپ جائے' تم گاڑی نکالو۔" وہ سخت لہجے میں گویا ہوئی تھی۔

❁.....◈.....❁.....◈

جہاں آرا نے کال ریسیو نہ کی بلکہ موبائل ہی آف کر دیا تھا۔ جب تک لینڈ لائن فون کی بیل بجتی رہی تب تک وہ مضطربانہ انداز میں انشراح کے کمرے کی طرف دیکھتی جہاں اس کے ساتھ بالی بھی موجود تھی اور انہیں خوف تھا بالی بیل کی آواز سن کر باہر نہ آ جائے کیونکہ وہ گھر کے معاملات میں بڑی چوکنا و مستعد رہتی تھی۔ دوسری طرف بیل مسلسل ہو رہی تھی وہ سمجھ گئی تھیں سراج فون کر رہا ہے۔ یہ سراج کا انداز تھا وہ کئی بار فون کرنے کا عادی تھا۔

"سراج..... کمبخت صبر کر لے تو بڑا اکڑ رہا ہے' جس دن بھی ہاتھ لگ گیا تیرا تو ایسا حشر کروں گی مدت بعد بھی اپنی درگت نہ بھولے گا۔" وہ پیچ و تاب کھاتی ہوئی بڑبڑا رہی تھیں اور فون کی بیل کے خاموش ہوتے ہی انہوں نے پھرتی سے لائن کنکشن سے پن نکال کر توڑ دی تھی۔ فون از خود اس عمل سے ڈیڈ ہو گیا تھا۔

"ماسی..... کب سے بیل ہو رہی ہے۔" وہ اس مصیبت سے نجات حاصل کر کے بیٹھی ہی تھیں کہ بالی وہاں آ کر فون کی طرف بڑھتی ہوئی گویا ہوئی۔

"تمہارے کان بج رہے ہیں فون نہیں بج رہا ہے۔" وہ دل میں اپنی کامیابی پر خوش ہوتی ہوئی گویا ہوئیں۔

"ارے یہ فون کو کیا ہوا یہ تو ڈیڈ پڑا ہے؟" بالی حیران ہو کر فون دیکھتے ہوئے گویا ہوئی۔

"ہو گیا ہو گا ڈیڈ..... یہ تو ہر کچھ دن بعد ہو جاتا ہے اور تمہیں کہاں سے گھنٹیاں بجتی سنائی دے رہی تھیں..... کہیں پینے ویسے تو نہیں لگی؟" وہ خوش مزاجی کا مظاہرہ کرنے لگیں۔

"اللہ توبہ..... کیسی باتیں کرنے لگی ہو ماسی میں کیوں پیوں گی بھلا۔" بالی جھینپ کر گویا ہوئی۔

"انشراح سے کہو تیار ہو جائے آج ڈنر کرنے باہر چلتے ہیں' بہت دن ہو گئے ہیں باہر ڈنر نہیں کرنے گئے۔ گھر کا کھانا کھا کھا کر بور ہو گئی ہوں۔"

Digitized by Google

"کبھی کبھی تو سمجھ سے بالکل باہر دکھائی دیتی ہو ماسی کل تک تم کہہ رہی تھیں ہم گھر سے باہر نکلنے میں احتیاط کریں بلاضرورت گھر سے کہیں نہ جائیں اور اب کہہ رہی ہو کھانے کے لیے باہر چلنا ہے۔"

"وہ تو میں نے ایسے ہی کہہ دیا تھا اب تُو ہر بات پکڑ کر بیٹھ جاتی ہے..... اگر نہیں جانا چاہتی تو نہ سہی گھر میں ہی ٹھوس لینا پھر حد ہوتی ہے۔ خیال ہی نہیں رکھنا چاہیے الٹا دور آ گیا ہے شکر ہی کرنا نہیں آتا۔" جہاں آرا ذہنی الجھنوں کا اس حد تک شکار تھیں کہ بات بے بات غصہ انہیں آگ بگولہ کر دیا کرتا تھا اس وقت بھی یہی ہوا تھا۔

"میں کہتی ہوں ماسی جو بھی پریشانی ہے کم از کم مجھے تو بتاؤ میں جانتی ہوں کوئی نہ کوئی مسئلہ چل رہا ہے تمہارے ساتھ جو تم بتا نہیں رہی ہو۔" بالی اس کے قریب بیٹھ کر گویا ہوئی۔ اس کے انداز میں اتنی محبت اور فکر تھی کہ جہاں آرا کے مضطرب دل نے چاہا کہ اپنی پریشانی بتا کر من کو شانت کر لے کہ دل کی بات کسی ہمدرد کو بتا کر کچھ سکون تو حاصل ہوتا ہے ویسے بھی بالی دلجوئی کرنے اور وفاداری نبھانے میں کوئی ثانی نہ رکھتی تھی..... مگر پھر وہ ہی ایک کمزوری تھی اس کی انشراح کے متعلق کوئی غلط بات سننا بھی اس کے لیے ناممکن و ناقابل برداشت تھا۔

"کچھ نہیں..... کوئی پریشانی نہیں ہے۔" وہ کہتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی تھیں۔

❁.....◈.....❁.....◈

مدثر صاحب کا اعلان کسی سناٹے میں ہونے والے دھماکہ ثابت ہوا..... وہ سب ہکا دکا سے مدثر صاحب کو دیکھتے رہ گئے شاہ زیب کو شدید جھٹکا لگا اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ یہ قرعہ فال اس کے نام نکلے گا۔

"ڈ..... یڈ..... ی! سودہ سسٹر ہے میری....."

"سگی بہن نہیں ہے تمہاری وہ جس سے شادی ممکن نہ ہو۔" وہ اس وقت جوالہ مکھی بنے ہوئے تھے پُرطیش انداز میں گویا ہوئے۔

"لیکن میں سگی بہن سے زیادہ محبت کرتا ہوں سودہ سے۔"

"صاف کیوں نہیں کہتے پیارے کی طرح تم بھی پیٹھ دکھا کر جانے والے ہو وقت کی نزاکت کا تمہیں بھی خیال نہیں ہے یہ میری بیٹی کے مستقبل کا معاملہ ہے سودہ کے آگے میں نے کبھی بھی تم لوگوں کو اہمیت نہیں دی تمہیں اس سے ابھی اور اسی وقت نکاح کرنا ہوگا یہ میرا حکم ہے۔" وہاں موجود تمام نفوس سراسیمگی میں مبتلا تھے البتہ عمرانہ کے چہرے سے کوئی تاثر نہیں جھلک رہا تھا ان کی یہاں موجودگی بھی جنید کی دادی کی مرہون منت تھی ورنہ وہ تو مدثر صاحب کی شکل بھی دیکھنے کی روادار نہ تھیں۔

"مدثر..... یہ بندھن زبردستی باندھنے کے نہیں ہوتے..... زندگی بھر کا سنجوگ ہوتا ہے چند دنوں کی بات نہیں ہے کہ دل پر جبر کر کے سب کچھ برداشت کر لیا جائے۔" منور صاحب نے شاہ زیب کے لہجے میں سچائی کھوج لی تھی۔

"زبردستی کس بات کی بھائی جان؟ سودہ میں کیا برائی ہے ظاہری یا اخلاقی برائی کوئی شکل وصورت میں کسی سے کم ہے کیا؟"

"یہی فیصلہ آپ کو مدثر بیٹے اس وقت کرنا چاہیے تھا جب اس بدبخت پیارے کا پرپوزل سودہ کے لیے قبول کیا تھا۔ گھر کی لڑکی گھر میں رہتی یوں تماشہ تو نہ بنتا مجھے تو افسوس ہے اتنی دیر سے فیصلہ ہوا۔"

"آنٹی..... میری تو دلی خواہش تھی سودہ میری بہو بنتی..... بڑی بہو میں نے ہمیشہ سودہ کو زید کے حوالے سے اور زید کے ساتھ ہی دیکھا۔" انہوں نے گہری نگاہ زید کے چہرے پر ڈالی جو اس عجیب صورت حال پر گم صم بیٹھا تھا۔

"میں نے پہلے زید کی مرضی ہی معلوم کی تھی زید نے انکار کر دیا تو پھر شاہ زیب سے کہا اور اس نے یہی جواب دیا جواب دے رہا ہے کہ وہ اسے بہن سمجھتا ہے اور اس وقت میں نے بھی زبردستی کرنا مناسب نہ سمجھا تھا کہ میں بھی یہ بات جانتا ہوں شادی تاحیات نبھانے والا بندھن ہے..... لیکن میں اب اس مشکل وقت میں کس طرح بہن اور بھانجی کو بے آسرا چھوڑ دوں۔ آج نہیں تو کل شاہ زیب اس رشتہ کو دل سے قبول کر لے گا۔" مدثر اپنی ضد پر کسی پتھر کی مانند ڈٹ گئے تھے شاہ زیب کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا تو زید

Digitized by Google

کے دل و دماغ میں آگ بھڑک اٹھی تھی۔

اس کی محبت!

اس کی چاہت!

اس کی آرزو!

کس طرح بے وقعت و ارزاں ہوگئی تھی کہ بوسیدہ چیز کی مانند کسی کے بھی سر تھوپی جارہی تھی اور وہ بے حمیت بنا بالکل چپ بیٹھا تھا..... وہ ہی ماں سے کیے گئے وعدوں کی بیڑیاں مرتا پا جکڑے ہوئے تھیں۔ وہ اپنے باپ مدثر جنید اور شاہ زیب کی تپتی نگاہیں پوری شدت سے خود پر محسوس کررہا تھا۔

"یہ ایک بڑا فیصلہ ہے اس میں صالحہ کی رضامندی بھی بے حد ضروری ہے مدثر تمہیں صالحہ کو بھی اپنے فیصلے سے آگاہ کرنا چاہیے۔" زمرد بیگم نے انہیں جلدی جلدی کا شور کرتے دیکھ کر مشورہ دیا۔

"صالحہ کی فکر نہیں ہے مجھے وہ ہمیشہ میری مانتی آئی ہے اور سودہ کو وہ پسند ہے بہت کرتی ہے اسے بہو بنا کر وہ خوش ہوگی۔" صالحہ کے لیے جو مان کے لہجے میں محبت اور اعتماد تھا وہ سب نے محسوس کیا تھا مگر عمر انہ ان کی محبت پر شش در شش در گئی تھیں کہ وہ آج تک یہی سمجھتی رہی تھیں وہ ان کی ضد میں صالحہ کے ساتھ وقت گزار رہے ہیں ورنہ صالحہ ان کے آگے کسی بجھے ہوئے چراغ کی مانند تھی اور ان کا حسن آج بھی روشن تھا۔

"ہاں بھئی..... تم کیا کہتے ہو شاہ زیب بیٹا کوئی بوجھ تو محسوس نہیں کررہے..... اگر کوئی پریشانی محسوس ہورہی ہے یا دل نہیں مان رہا تو بتادو ہم آج اس نکاح کو ملتوی کردیتے ہیں جب آپ دلی طور پر قبول کرلیں گے اس رشتے اور تعلق کو تو پھر ہم صرف نکاح ہی نہیں ساتھ میں رخصتی کی بھی تقریب کردیں گے لیکن نیک کام دل کی خوشی کے ساتھ ہونا چاہیے۔" منور صاحب نے شاہ زیب کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"میں ابھی راضی ہوں سودہ سے نکاح کرنے کے لیے۔"

❁.....◉.....❁.....◉

"یوسف صاحب کاروباری سلسلے میں شہر سے باہر گئے ہوئے تھے۔ ایک دن بعد واپس ہوئی تھی پہلے وہ آفس گئے وہاں سے کاروباری امور نبٹانے کے بعد انہوں نے تنویر کی سرگرمیوں کی رپورٹ طلب کی تھی کیونکہ تنویر جس طرح نوفل کو دھمکی دے کر گیا تھا اس سے اس کا کینہ و بغض ظاہر ہوگیا تھا اور وہ جانتے تھے کہ تنویر سطحی ذہنیت کا مالک اور کینہ پرور آدمی ہے وہ رشتے کے لحاظ کو بالکل ملحوظ خاطر نہ رکھے گا اور نوفل کے ساریہ سے شادی نہ کرنے کا بدلہ ضرور لے گا۔ اس کام کے لیے انہوں نے اپنے قابل بھروسہ لوگوں کو مامور کردیا تھا جو جاسوسی کا کام اعلیٰ پیمانے پر کیا کرتے تھے اور ان سے ملنے والی رپورٹس میں متواتر لاریب کا نام دیکھ کر وہ چونکے تھے کہ نہ صرف وہ ان سے ملتا رہا تھا بلکہ اس پلان میں بھی شریک رہا تھا جو تنویر نوفل کے خلاف بنا رہا تھا اور یہ بات انہیں شاکڈ کرگئی تھی۔

لاریب کس بنا پر نوفل کا دشمن بن گیا ایسا کیا ہوا تھا ان کے درمیان جو وہ اس نہج پر پہنچ گیا تھا کہ نوفل کے دشمن کا ساتھ دے رہا تھا پھر سوچ کے گھوڑے دوڑانے میں انہیں زیادہ وقت نہ لگا تھا۔ انہیں سمجھ آگئی تھی ان کے درمیان وجہ دشمنی یقیناً لاریب کی بے راہ روی بنی ہوگی۔ نوفل کے مزاج میں جس قدر سادگی شرافت اور سنجیدگی تھی لاریب کا مزاج بالکل متضاد تھا۔ اس کی جوانی میں انہیں اپنی جوانی کی جھلک دکھائی دیتی تھی اور اس عمر میں آکر انہیں معلوم ہوا تھا لمحے لمحے کی قیمت چکانی پڑتی ہے نیکیوں میں گزرا وقت صدقہ جاریہ بن جاتا ہے اور گناہوں میں گزرا وقت عذاب مسلسل کی صورت اختیار کرلیتا ہے۔ لاریب کو انہوں نے اوچ نیچ سے آگاہ کرنے کی بہت سعی کی تھی مگر نفس کی سرکشی پر ہر کسی کو فتح حاصل نہیں ہوتی اور سرکش لوگوں کو ان کے حال پر ہی چھوڑ دیا جاتا ہے۔ انہوں نے بھی یہی سوچ کر چھوڑ دیا کہ جوانی کی چڑھتی ندی اترے گی تو سب معمول پر آجائے گا مگر یہاں معمول سے ہٹ کر ہوا تھا۔ وہ آفس سے

Digitized by Google

تہیہ کر کے نکلے تھے کہ لاریب سے خاموشی اور سختی کے ساتھ ان معاملات پر بات کریں گے۔ نوفل سے چھپانے کا مطلب تھا دونوں کے درمیان کوئی تکرار نہ ہو دونوں میں عناد نہ پیدا ہو۔

گھر آئے تو ان کے لیے ایک نیا محاذ منہ کھولے کھڑا تھا۔ حمرہ کو گئی ماہ بعد واپس آئے دیکھ کر وہ خوش خوش ان کی طرف بڑھے تھے۔

"ہاؤ آر یو مائی سوئٹ ہارٹ؟" حمرہ کو بانہوں میں بھرنا چاہا تھا۔

"ہونہہ..... مجھے بے وقوف نہیں بنائیں آپ۔" وہ ہاتھ جھٹک کر دور ہوئیں۔

"ارے کیا ہوا اتنے دنوں بعد آئی ہو اور الٹا خفا ہو رہی ہو حالانکہ خفا ہونے کا حق مجھے ہے ایک ماہ کا کہہ کر گئی تھیں اور تین ماہ کے بعد آ رہی ہو۔" ان کے عجیب سرد رویے نے یوسف صاحب کو دنگ کر دیا تھا' وہ حیران و پریشان سے گویا ہوئے تھے۔ حمرہ نے نفرت بھری نگاہیں ان پر جما کر کہا۔

"میں آپ کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی آپ طلاق دیں مجھے۔"

"حمرہ..... یہ کیسا مذاق ہے؟" حمرہ نے جتنے سکون سے جما جما کر لفظوں کی ادائیگی کی تھی یوسف صاحب اتنے ہی بے اوسان ہو کر چیخے تھے۔

"چیخیں مت مجھ پر جتنی بلند آواز میں بولیں گے اتنی ہی رسوائی ہوگی آپ کی نہ میں مذاق کر رہی ہوں نہ یہ بات مذاق میں کی جاتی ہے۔"

"مجھے سمجھ نہیں آ رہا..... یہ مذاق نہیں ہے پھر کیا ہے؟ تم..... تم کیوں طلاق لینا چاہتی ہو..... کیا ہوا ہے..... کس بات نے تمہیں یہ فیصلہ کرنے پر مجبور کیا ہے' ایسا کیا ہوا ہے؟" حمرہ کے لہجے کی مضبوطی' بے لچک انداز اور آنکھوں سے برستی بیگانگی کہہ رہی تھی جو بھی معاملہ ہے بے حد سنگین ہے' ان کی سوچ سے بڑھ کر گمبھیر بھی۔

"جو بھی وجہ ہے وہ میں نہیں بتا سکتی۔" وہ رخ موڑ کر بولیں۔

"ایسی بھی کیا وجہ ہے جو تم کہنے سے گریزاں ہو؟" یوسف صاحب نے زبردستی شانے سے پکڑ کر انہیں اپنی طرف کیا۔

"تمہیں بتانا ہوگا حمرہ' پھانسی دینے سے قبل مجرم کو بتایا جاتا ہے کہ اس سے کیا جرم سرزد ہوا ہے' کس جرم کی سزا اس نے پائی ہے' تم سے جدائی میرے لیے موت سے کم سزا نہیں ہے موت ہی کی سزا ہے۔" یوسف صاحب حقیقتاً بے حد جذباتی اور متفکر ہو کر گویا ہوئے تھے۔

"کل تک آپ کی یہ باتیں میرے لیے سرمایہ حیات تھیں' دنیا کی خوش نصیب ترین عورت تصور کرتی تھی میں خود کو کوئی ہم پلہ دکھائی نہ دیتا تھا مجھے....."

"وہ تم آج بھی ہو میرے دل کی سلطنت پر تمہارا راج آج بھی ہے۔"

"شٹ اپ' مجھے سب معلوم ہو گیا ہے آپ کے گھناؤنے ماضی کے متعلق..... آپ کی ناجائز اولاد کے بارے میں سب جان گئی ہوں۔"

❁.....◉.....❁.....◉

جہاں آرا نے بڑی بے تابی سے دو تین دن گزارے تھے وہ ہر لمحہ برکھا کی طرف سے کسی بری خبر کی منتظر رہی تھیں' سائرہ نے یہی کہا تھا کہ دو تین دن سے زیادہ کی مہلت وہ برکھا کو زندہ رہنے کی نہیں دے گی اور دن پہ دن گزر رہے تھے' برکھا سراج کے ساتھ کئی چکر وہاں کے لگا چکی تھی اور بدقسمتی سے اسے ناکام لوٹنا پڑ رہا تھا' جہاں آرا چوکیدار کو ڈبل تنخواہ دے کر خرید چکی تھیں۔ چوکیدار دور سے ہی برکھا کی کار کو دیکھ کر الرٹ ہو جاتا اور اس کے حوالے سے کئی حیلے بہانے بنا کر واپس لوٹا دیتا اور وہ دونوں جہاں آرا کو گالیوں سے نوازتے لوٹ جاتے تھے۔

Digitized by Google

برکھا کس طرح بھی عام حالات میں اس طرح ناکام لوٹنے والی نہ تھی بات یہ ہوئی تھی کہ خبر اسے بھی سائرہ کے واپس آنے کی مل گئی تھی اور وہ جانتی تھی آتے ہی وہ اس کی جستجو میں لگ گئی ہوگی اور اسے خوف تھا اگر سائرہ کو اس کی یہاں موجودگی کا پتہ چل گیا تو وہ اسے مارنے میں ذرا دیر نہ لگانے والی تھی اور یہی خوف اسے یہاں محتاط انداز میں کام کرنے پر مجبور کررہا تھا اور یہی وجہ تھی کہ جہاں آرا اس کی گرفت سے چکنی مچھلی کی مانند پھسلی جارہی تھی۔

جہاں آرا نے فون ڈیڈ کردیا تھا موبائل فون آف کررکھا تھا چوکیدار سے وہ اس کی آمد کے بابت پوچھتی رہتی تھی غافل وہ خود بھی نہیں تھیں۔ گیٹ کے قریب سے گزرنے والی ہر گاڑی کی آواز پر لپک کر اپنے کمرے کی کھڑکی سے وہ پردے کی اوٹ سے جھانک کر دیکھا کرتیں اور برکھا کی گاڑی دیکھ کر وہ اس وقت تک کھڑی رہتیں جب تک وہ واپس پلٹ نہ جاتی تھی..... لیکن وہ فکرمند تھیں یہ چوہے بلی کا کھیل کب تک جاری رہے گا۔ ابھی تک قسمت ساتھ دیتی آرہی تھی اور قسمت کب دغا دے جائے کچھ پتہ نہ تھا اور قسمت کی دغا بازی سے قبل وہ انشراح کی قسمت کو محفوظ کردینا چاہتی تھیں۔

سائرہ کو بھی کئی مرتبہ کال کرچکی تھیں مگر وہ فون نہ اٹھارہی تھی پھر اس سے روبرو ملاقات کرنا چاہی تو انہیں گیٹ کے باہر سے ہی چوکیداروں نے واپس کردیا تھا۔ ان کی ایک نہ سنی گئی۔ وہ واپس آکر مزید ڈسٹرب ہوگئی تھیں۔ پہلی بار فکر و پریشانی کے باعث ان کی بھوک و پیاس اڑ گئی تھی۔ سائرہ نے اپنا وعدہ وفا نہ کیا تھا برکھا کو مارنے کے لیے ابھی تک آدمی نہیں بھیجے تھے۔

"سمجھ نہیں آتا کیا کروں میں؟" وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی تھیں۔

"کیا کرنے کا ارادہ ہے نانو..... کوئی بزنس کرنا چاہ رہی ہیں آپ؟" ان کی زوردار بڑبڑاہٹ وہاں آتی انشراح نے بھی سن لی تھی مسکرا کر کہتی وہ ان کے قریب بیٹھ گئی پیچھے بالی بھی آگئی تھی۔

"نہیں میری جان کیسا بزنس؟ اب تو تھک گئی ہوں میں تمہاری نانی بوڑھی ہوگئی ہے بہت زیادہ بوڑھی ہوچکی ہوں۔" انہوں نے تھکے ہوئے انداز میں اس کی طرف دیکھتی ہوئی کہا ان کے انداز پر دونوں نے حیرت سے انہیں دیکھا۔ وہ میک اپ سے عاری چہرے کے ساتھ سچ میں بوڑھی لگ رہی تھیں۔

"کل تک تم مجھ سے چھوٹی دکھائی دینے کے دعوے کررہی تھیں اور آج بوڑھی ہوگئی ہو۔" بالی نے ماحول کی خاموشی دور کرنی چاہی۔

"وقت اوقات یاد دلائے تو لمحہ ہی لگتا ہے بالی۔"

"بہت تبدیلی آگئی ہے نانی آپ میں سچ سچ بتائیں کیا پریشانی ہے میں نے کبھی بھی آپ کو اس قدر بکھرے ہوئے نہیں دیکھا آپ نے ہر طرح کے حالات کا بنا ڈرے مقابلہ کیا ہے پھر اب کوئی انہونی بات ہوئی ہے کیا؟" انشراح کے لہجے میں بھی پریشانی در آئی تھی وہ ان سے لپٹ کر گویا ہوئی۔

❁.....◈.....❁.....❁

شاہ زیب کی آواز میں ایک دکھ تھا نمی کی چمک آنکھوں سے ظاہر ہورہی تھی۔ وہ بھری آنکھوں سے زید کی طرف دیکھ رہا تھا اور زید کی نگاہوں کا محور بھی وہ ہی تھا آنکھوں میں نمی اس کے بھی ابھرنے لگی تھی۔

"خوش رہو بیٹا..... تم نے میرا مان رکھ لیا..... مجھے ایک اذیت سے نجات دلادی۔" مدثر نے اٹھ کر شاہ زیب کو گلے لگاتے ہوئے کہا فرط جذبات سے ان کی آواز کانپ رہی تھی زمرد بیگم اور منور صاحب بھی اٹھ کر قریب آگئے تھے۔

"یہ کیسا فیصلہ ہے..... خاندانی لوگوں میں ایسی باتیں کہاں ہوتی ہیں کہ بڑا بیٹا ٹھارہ جائے اور چھوٹے بیٹے کو رشتہ ازدواج سے منسلک کردیا جائے..... ہماری سات نسلوں میں ایسا نہیں ہوا آپ بھی خاندانی لوگ ہیں پھر ایسا فیصلہ کیوں کیا جارہا ہے؟" جنید کی دادی عینک درست کرتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئیں تو عمرانہ کو بھی طوعاً و کرہاً اٹھنا ہی پڑا۔

"بے شک ہمارے یہاں بھی ایسا کبھی نہیں ہوا کہ بڑے کی موجودگی میں چھوٹے کے سر پر سہرا سجایا جائے..... ہمارا ہاں بھی یہ

Digitized by Google

بے حد معیوب بات مانی جاتی ہے..... مگر اس وقت جو ہم پر قیامت گزری ہے اس سے آپ بخوبی واقف ہیں آنٹی۔"

"زید میاں کیا منگنی شدہ ہیں یا کسی لڑکی کو پسند کرتے ہیں؟" دادی کی عینک کے دبیز شیشوں کے پیچھے سے چمکتی نگاہیں زید کے زرد پڑتے چہرے پر تھیں جب کہ مخاطب وہ عمرانہ بیگم سے تھیں۔

"ارے نہیں آنٹی..... زید نہ منگنی شدہ ہیں نہ کسی لڑکی کو پسند کرتے ہیں۔ زید کو بزنس بہت بلندی پر لے جانے کی تمنا ہے اس لیے شادی کے نام سے بھی بھاگتے ہیں اور اب تو ماڈرن دور ہے بیٹا چھوٹا ہو یا بڑا کون دیکھتا ہے اور بیٹے ہی کیا بیٹیوں کی بھی شادیاں کردی جاتی ہیں۔"

"یہاں میں آپ سے اختلاف کروں گی عمرانہ بلاوجہ ایسے کام نہیں ہوتے..... مجبوری میں ایسے کام کیے جاتے ہیں پھر بھی انگشت نمائی کا حصہ بنتے ہیں پھر وہ بیٹا ہو یا بیٹی رسوائی کا ہی سبب بنتے ہیں۔ لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ ان کے اندر کوئی عیب ہے کوئی کمی ہے..... میں نے کئی واقعات دیکھے ہیں اس طرح کے کہ لڑکے اور لڑکیوں کو عمدہ جوڑ میسر نہیں آتے۔" انہوں نے ایک نیا مسئلہ کھڑا کردیا تھا۔ سب ہونق بنے کھڑے تھے۔ وہ محض اب جنید کی دادی نہ تھیں بلکہ اس گھر کی بڑی کی دادی ساس ہونے کا اعزاز بھی حاصل تھا اور یہ ان کے خاندان کا وطیرہ خاص تھا کہ بچوں کے سسرالیوں کی بے حد عزت کی جاتی تھی یہی وجہ تھی کہ انہیں بولنے کا موقع آسانی سے مل گیا تھا مگر کوئی بھی ان کی منطق سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

"آپ کہنا کیا چاہ رہی ہیں دادی جان..... صاف بات کیجیے وقت تیزی سے گزر رہا ہے نکاح خواں بھی جانے کی اجازت طلب کر رہے ہیں۔" جنید نے آگے بڑھ کر دادی سے مودبانہ انداز میں استدعا کی۔

"زید کو میں نے بچپن سے آپ کے ہمراہ دیکھا ہے اور آپ کی طرح ہی میں زید سے محبت کرتی ہوں میں نہیں چاہتی کہ شاہ زیب سودہ سے شادی کریں اور زید کی طرف لوگ مشکوک نگاہوں سے دیکھیں کہ اس میں ایسی کیا خامی ہے جو اس کے بجائے چھوٹے بھائی سے شادی کرائی جارہی ہے۔" وہ اس کی طرف بڑھیں اور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر بولیں۔

"زید بیٹا..... آپ لوگوں کی چبھتی ہوئی نگاہوں اور زہر اگلتی زبانوں کو سہہ پاؤ گے..... برداشت کرلو گے اپنی بے عزتی؟"

"دادی جان..... لوگ ایسا کیوں کریں گے بھلا یہ ہمارا میٹر ہے۔" وہ سمجھی نہ سمجھی کے بھنور میں چکرا رہا تھا عجیب مرحلہ درپیش تھا۔

"ایسے معاملات کو لوگ اپنا معاملہ بنا لیتے ہیں انسانوں کے معاشرے میں رہ کر ہم خود کو کس طرح معاشرے سے الگ کرسکتے ہیں؟ میرا مشورہ یہی ہے کہ..... سودہ سے آپ شادی کرو۔"

"وہاٹ.....؟" عمرانہ کی آواز پھٹ کر رہ گئی۔ انہوں نے آگے بڑھ کر زید کا بازو ان سے چھڑا کر خود پکڑا اور سب تہذیب و آداب بھول کر ان کی طرف دیکھتے ہوئے غرا کر کہنے لگیں۔

"آپ کون ہوتی ہیں مشورہ دینے والی؟ زید یہ شادی ہرگز نہیں کرے گا۔"

"عمرانہ..... بیٹی مجھے غلط مت سمجھو میں زید کی بھلائی کے لیے کہہ رہی ہوں بات کو سمجھنے کی سعی کرو۔" وہ نرم مزاجی سے گویا ہوئیں۔

"مجھ سے بڑھ کر زید کی بہتری و بھلائی کوئی نہیں چاہ سکتا۔"

"بے شک..... بے شک اس میں کوئی دو رائے نہیں۔"

"سودہ کی شادی زید سے نہیں ہوگی وہ دو ٹکے کی لڑکی میری بہو بننے کے لائق نہیں..... آپ کو اس سے اتنی ہی ہمدردی ہے تو آپ جنید کی بیوی بنادیں سودہ کو۔" وہ کہہ کر چلی گئی تھیں۔

❁.....◉.....❁.....❁

انشراح کے بے حد اصرار پر جہاں آرا نے ساری بات پوری سچائی کے ساتھ بتادی جہاں آرا اس بار پوری طرح سے ٹوٹ چکی تھیں؛

Digitized by Google

یہی وجہ تھی کہ وہ فرفر بولتی چلی گئیں۔

"آپ نے یہ کیسے سوچ لیا کہ کوئی آپ سے مجھ کو جدا کرسکتا ہے ایسا کوئی پیدا نہیں ہوا جو آپ کو مجھ سے جدا کرنے کی جسارت بھی کرسکے۔" اس کے پُراعتماد و نڈر انداز نے ان کے اندر توانائی بھر دی تھی ہر وقت طاری رہنے والی دہشت و فکر میں قدرے کمی واقع ہوئی تھی جب کہ بالی یہ سب سن کر خوف زدہ ہوگئی تھی۔ اس کی مارے خوف کے حالت غیر تھی۔

"تم کیوں مرے جارہی ہو کیا ہوجائے گا کوئی مجھے ہاتھ تو لگا کر دکھائے؟" اس کے خوف سے وہ چڑ کر گویا ہوئی۔

"ماسی کی حالت ڈرپوک چوہیا جیسی ہورہی ہے ان کی حالت نے بتادیا ہے کہ برکھا اور وہ منحوس سراج کتنے خطرناک ثابت ہوں گے۔"

"اینی ویز مجھے جانا ہے اور پلیز میرا موڈ خراب مت کرو ویسے بھی اس گھونچو کے سامنے اداکاری کرتے ہوئے اکتاہٹ ہونے لگتی ہے۔" لمبے گھنے بالوں کا سادہ سا جوڑا بناتے ہوئے وہ منہ بنا کر گویا ہوئی۔

"گھونچو.....! توبہ ہے آشی اگر تم ان سے محبت نہیں کرسکتیں تو کم از کم عزت تو کرلو اتنے ہینڈسم شخص کو گھونچو تو نہ کہو۔"

"گدھے کو گدھا ہی کہا جاتا ہے کہاں تو اتنی اکڑ تھی کہ نظر اٹھا کر دیکھنا بھی توہین سمجھتا تھا اب یہ حال ہے کہ ملنے کے لیے مرے جارہا ہے ایڈیٹ۔" اس نے پرفیوم چھڑکتے ہوئے استہزائیہ لہجے میں کہا تو بالی گہری سانس لے کر رہ گئی اس کے مزاج کا یہ رنگ برداشت نہیں ہوتا تھا۔

نوفل کی کئی اصرار بھری کالز نے اسے ملاقات کے لیے راضی کرلیا تھا۔ وقت اس کا ساتھ دے رہا تھا وہ موقع سے فائدہ اٹھانا چاہتی تھی۔ کار سمندر کی طرف خراماں خراماں بڑھ رہی تھی۔ موسم بدل رہا تھا جاتی گرمی اور آتی سردی کی آمد آمد تھی۔ ہوائیں سمندر کی نمی لیے چل رہی تھیں آسمان پر گہرے سیاہ بادلوں کا راج تھا جس سے ماحول بھی سرمئی سرمئی غبار میں لپٹا ہوا لگ رہا تھا۔ ان دونوں کے درمیان رسمی جملوں کے علاوہ کوئی اور بات نہ ہوئی تھی۔

"کہیں رکیں گے بھی یا چلتے رہیں گے؟ آبادی تو بہت پیچھے رہ گئی ہے۔" دائیں طرف سمندر پُرسکون انداز میں ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ بائیں طرف چھوٹے بڑے پہاڑوں کا سلسلہ تھا سرخی مائل بھورے اور مٹیالے رنگوں کا لامتناہی سلسلہ تھا ان پہاڑوں اور سمندر کے درمیان وہ سڑک سیدھی چل رہی تھی۔ ان کی کار کے علاوہ دوسری کوئی گاڑی نہ تھی۔

"آبادی بہت پیچھے رہ گئی ہے ڈر لگ رہا ہے تمہیں؟" نوفل نے سیاہ گلاسز کے پیچھے سے مسکرا کر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کیا آپ سے مجھے ڈر لگنا چاہیے؟" وہ سنجیدگی سے گویا ہوئی۔

"یہی پوچھ رہا ہوں اب بھی ڈرنے کی گنجائش باقی ہے؟"

"نہیں..... میں نے بڑے دل سے آپ پر اعتبار کیا ہے اور مجھے یقین ہے آپ میرے اعتماد و بھروسے کی لاج رکھیں گے۔" انشراح کے لہجے میں اعتماد و یقین کی پختگی تھی جس نے نوفل کو خاصا اعتماد بخشا تھا اور کچھ دور جا کر ایک پہاڑی کٹاؤ کے آگے کار روک دی تھی۔

"لیجیے آگئی آپ کی منزل اور کوئی حکم بندے کے لیے؟" نوفل نے گلاسز اتارتے ہوئے انشراح سے کہا جو ارد گرد کا جائزہ لے رہی تھی۔ یہ ایک خوب صورت ریسٹ ہاؤس تھا جس میں دلکش لان اور سوئمنگ پول موجود تھا اندر بھی لاؤنج کچن ڈائننگ روم اسٹڈی روم اور کئی بیڈ رومز تھے گیلری بے حد بڑی تھی اور گیلری کے ساتھ ہی اوپر جاتی سیڑھیاں چھت پر ختم ہورہی تھیں اور چھت سے سمندر کا نظارہ دور دور تک دکھائی دے رہا تھا چھت پر سیٹنگ کا انتظام بہت اچھا کیا گیا تھا۔ بنیاد سے لے کر چھت تک پیسے کا استعمال بے دریغ کیا گیا تھا۔

"ریسٹ ہاؤس پسند آیا تمہیں..... میری پسندیدہ جگہ ہے یہ جب بھی بور ہونے لگتا ہوں یہاں چلا آتا ہوں دنیا کے ہنگاموں

Digitized by Google

سے دور بہت سکون ہے یہاں۔" انشراح وہاں موجود جھولے میں بیٹھ گئی تھی۔ وہ قریب ہی سینے پر ہاتھ باندھے کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔ ڈراک بلو اسکارف میں لپٹا اس کا سادہ چہرہ موسم کا سارا حسن سمیٹے ہوئے نگاہوں کو مبہوت کر رہا تھا۔ وہ نظر باز نہیں تھا مگر بے اختیار نگاہ پھسل رہی تھی۔

"بہت بیوٹی فل ہے..... میں نے ایسی حسین و پُرسکون جگہ پہلے کبھی نہیں دیکھی بابر بھائی اور عائشہ بھی ہمارے ساتھ ہی آتے تو اچھا ہوتا وہ لوگ ابھی تک نہیں آئے۔" وہ اس کی وارفتگی سے بھرپور نگاہوں سے کنفیوز ہو کر بولی۔ اس کی نگاہوں میں چاہت کا سمندر موجزن تھا۔

"انشراح..... میں تم سے بات کرنا چاہتا ہوں' یہ بات ہم دونوں کے درمیان ہو تو زیادہ بہتر ہوگی' اسی وجہ سے وہ دونوں ساتھ نہیں آئے۔" وہ ایک دم ہی بہت سنجیدہ ہوا' اتنا سنجیدہ کہ انشراح کا دل بیٹھنے لگا۔

"ایسی کیا بات ہے جو آپ اتنے سیریس ہو گئے ہیں؟" وہ اٹھ کر اس کے قریب چلی آئی' نوفل کا چہرہ سرخ ہونے لگا تھا اور اس سرخ چہرے کی سرخی آنکھوں کی شفاف سطح پر بھی چھانے لگی تھی۔

"میں نے اپنی زندگی کا ایک اہم و بڑا فیصلہ کیا ہے انشراح' یہاں تمہاری رضامندی کو اہمیت حاصل ہے' زبردستی مجھے کبھی گوارا نہیں ہوگی..... بی کوز..... میری مما اور ڈیڈی کی لو میرج ہوئی تھی..... بٹ....." وہ کچھ گم صم سا ہوا پھر گویا کسی کرب میں مبتلا ہو کر آہستہ سے بولا۔

"انشراح..... کیا تم میری زندگی میں آنا چاہو گی؟"

❁.....◈.....❁.....◈

منور صاحب کے کمرے میں ہونے والے فیصلوں سے بے خبر صالحہ اور سودہ صوفیہ کو ہال روم سے باہر لے آئی تھیں' ان کا رونا پچھتانا بے ہوش ہونا اور وہاں موجود لوگوں کی چہ میگوئیاں ایک تماشہ بن کر رہ گیا تھا۔ سودہ نے منہ ہاتھ دھو کر ڈریس چینج کر لیا تھا۔ اس کی آنکھیں خشک اور چہرہ سپاٹ تھا' اس کے ساتھ کیا اور یہ کیوں ہوا تھا؟ یہ تمام سوالات سہم کر ذہن کے کسی تاریک گوشے میں روپوش ہو گئے تھے۔ ماں کی بگڑتی طبیعت نے دل بے سکون کر ڈالا تھا وہ سب کچھ فراموش کیے صوفیہ کا سر دبا رہی تھی۔

"سودہ..... آپ آرام کر لیں بیٹا' صوفیہ کا سر میں دبا دیتی ہوں۔" صالحہ کو لائٹ پنک سوٹ میں ملبوس اس بچی پر رشک آ رہا تھا جو خود پر گزرنے والی اس افتاد کو بالکل نظر انداز کیے ماں کی خدمت میں لگی تھی' بہت بلند حوصلہ اعلیٰ ظرف لڑکی تھی وہ۔

"آپ فکر مت کریں آنٹی میں ٹھیک ہوں ممی کا کام کر کے مجھے ہمیشہ سکون ملتا ہے اور آج سے قبل میں نے ممی کو اتنا پریشان کبھی نہیں دیکھا۔" اس نے جھک کر دواؤں کے زیر اثر سوئی صوفیہ کی پیشانی چومی۔

"صدمہ بھی تو بہت بڑا اٹھایا ہے کیا عجیب بات ہے میرے قدم اس گھر میں آئے اور خوشیاں غم میں بدل گئیں' بہت سبز قدم ہوں میں۔" صالحہ نے دل میں ابھرتی بات کہہ دی سودہ اٹھ کر ان کے قریب چلی آئی۔

"پلیز..... آپ کسی بھی غلط سوچ کو دل میں جگہ نہ دیں' یہ سب میرے مقدر کا لکھا ہے اور مقدر سے کون فرار حاصل کر سکتا ہے..... مقدر سے کوئی فرار حاصل نہیں کر سکتا' اس کا تجربہ مجھے کئی بار ہوا ہے۔"

"یہ سب جو ہوا ہے اتنا بڑا صدمہ' اتنی بڑی اذیت نے تمہاری آنکھوں کو خشک کیوں کر رکھا ہے سودہ؟ تمہیں رونا چاہیے' تم رو دو دل کھول کر غم مناؤ۔ تمہارے ساتھ بھیانک حادثہ ہوا ہے سب سے گھناؤنا مذاق تمہارے ساتھ تقدیر نے کیا ہے۔" صالحہ نے اسے سینے سے لگا کر گلوگیر لہجے میں کہا۔

"دل بڑا نازک ہوتا ہے' اس پر بوجھ نہ رکھو اس دکھ کو آنسوؤں کے ذریعے باہر نکالو بہنے دو میری بچی' دکھ اندر رہتے ہیں تو ناسور بن جاتے ہیں۔"

Google

"اگر قسمت میں ناسور لکھا ہے تو میں کس طرح بچ پاؤں گی؟ راحتیں دامن بچا کر گزر جائیں تو دکھوں سے کمپرومائز کر لینا بہتر ہے۔" یہاں صالحہ اس نازک سی لڑکی کے حوصلوں کو سراہ رہی تھیں جبکہ دوسری طرف جنید بگڑے موڈ کے ساتھ مائدہ کے پاس پہنچا مائدہ عمرانہ کی غصے میں کہی باتیں سن کر بدحواس ہوگئی تھی اور اب جنید کے موڈ نے متوحش کر دیا تھا۔

"گھر بلا کر بے عزت کرنے کا شکریہ آنٹی کو ادا کر دینا میں دادی کو لے کر جا رہا ہوں واپس کبھی نہ پلٹ کر آنے کے لیے تم سے میرا اب کوئی رشتہ نہیں جو تھا بھی وہ ٹوٹ گیا ہے۔" وہ پُرتشویش انداز میں گویا ہوا۔

"آپ ایسی باتیں نہ کریں پلیز....."

"میں ایسی باتیں نہ کروں اور تمہاری مما ہر قسم کی باتیں کر سکتی ہیں؟"

"کول ڈاؤن جنید..... میں مما سے بات کرتی ہوں....."

"اب کوئی ضرورت نہیں ہے میں جا رہا ہوں دادی کو لے کر۔"

"پلیز..... پلیز..... میری بات تو سنو میں ممی سے بات کرتی ہوں۔" مائدہ کی جان پر بن آئی تھی جنید کے تیور بے حد بگڑے ہوئے تھے اور وہ اس سے جدائی کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔

"تمہاری ممی کی باتیں سننا ہی کافی نہیں ہے اب تمہاری بھی سنوں؟" وہ اکھڑے لہجے میں بے حد اجنبی دکھائی دے رہا تھا۔

"اب ایسے لہجے میں بات نہ کریں میں ممی کو سمجھاتی ہوں۔" وہ اس کے بازو سے لپٹ کر رونے لگی مگر اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔

"تم سمجھاؤ گی وہ سمجھ جائیں گی آنٹی کو میں بہت کول اور سوئیٹ سمجھا تھا بٹ۔"

"میں نے کہا نہ مجھے ایک موقع دو آپ میں ممی کو منا لوں گی۔"

"کس لیے مناؤ گی؟"

"بھائی اور سودہ کی شادی کے لیے۔"

"تمہاری بات مان جائیں گی؟"

"ایگزیکٹلی..... انہیں منانا مجھے آتا ہے میں جانتی ہوں آئیڈیا۔"

"او کے اب یہ بھی میری انا کا مسئلہ ہے اگر یہ شادی نہ ہوئی تو یاد رکھنا ہماری شادی بھی کبھی نہیں ہوگی میں دادی کی انسلٹ بھول ہی نہیں سکتا۔" مائدہ اسے کمرے میں چھوڑ کر عمرانہ کے کمرے میں چلی آئی۔

"آپ کو کچھ پتہ ہے ممی..... آپ کہاں کہاں آگ لگا آئی ہیں؟" وہ اس کے روبرو کھڑے ہو کر اشتعال بھرے لہجے میں گویا ہوئی۔

"اپنی بیٹی کی زندگی میں فیوچر لائف میں اور ہر سمت۔"

"کیا اول فول بک رہی ہو کچھ اندازہ ہے تمہیں؟" وہ جھنجھلائیں۔

"اندازہ آپ کو نہیں ہے کہ آپ کی زبان درازی آپ کی بیٹی کا گھر بسنے سے پہلے اجاڑنے کے درپے ہے جنید کو اپنی دادی کی انسلٹ برداشت نہیں ہو رہی..... وہ مجھے چھوڑ کر جانے کو تیار ہے آپ تو جانتی ہیں وہ چلا گیا تو میں برداشت نہیں کر پاؤں گی۔" وہ بری طرح بپھری۔

"اس بڑھیا کو تمہارے رشتے سے ذرا عزت کیا دے دی وہ سر چڑھنے لگی کہتی ہے یہ عزت دار خاندان کا دستور نہیں ہے کہ بڑے بھائی کی موجودگی میں چھوٹے بھائی کے سر پر سہرا سجایا جائے اور جرأت دیکھو کہتی ہیں..... زید کی شادی سودہ سے ہونا چاہیے..... سودہ وہ لڑکی جو مجھے ایک آنکھ نہیں بھاتی..... وہ منحوس جاتے ہوئے پھر رک گئی اور وہ بڑی بی اُس کو میرے متھے مارنے کی کوشش میں ہیں۔" ان کے لہجے میں نفرت حقارت کتاہٹ و بیزاری تھی کوئی اور وقت ہوتا تو وہ بھی ماں کا بھرپور ساتھ دیتی مگر معاملہ اس کی محبت کا آ گیا تھا۔

Digitized by Google

جنید نے آسانی سے اسے چھوڑنے کی بات کردی تھی جب کہ وہ ایسا سوچ بھی نہیں سکتی تھی دنیا چھوڑ سکتی تھی مگر جنید کو چھوڑنے کی تاب نہ تھی۔

"ممی..... سودہ اور بھائی کی شادی کرنے پر راضی ہوجائیں پلیز....." اس کے عام سے انداز میں کی گئی بات کا عمرانہ پر شدید ردعمل ہوا۔

"مائدہ..... ایم تم کہہ رہی ہو؟" کئی لمحوں بعد ان کا سکتہ ٹوٹا۔

"جی..... یہ میری ہی نہیں جنید کی بھی خواہش ہے۔"

"صاف صاف کہو جنید تمہارا دماغ خراب کررہا ہے کس قدر شیطان ہیں وہ دادی پوتے بے مقصد میرے گھر میں آگ لگا رہے ہیں۔ میں انہیں اپنے معاملے میں بولنے کی اجازت ہرگز نہیں دوں گی ابھی دھکے دے کر نکالتی ہوں نہیں کرنی ایسے گھٹیا و بے غیرت لوگوں میں اپنی بیٹی کی شادی....." غصے اور جنون سے اس کی بری حالت تھی پھر وہ اسی اشتعال انگیزی میں کمرے سے نکلنا چاہتی تھیں کہ آنکھانا مائدہ نے فروٹ کاٹنے والی چھری اٹھالی۔

"ممی..... آپ نے اس ارادے سے ایک قدم بھی باہر نکالا تو میں کلائی کاٹ لوں گی آپ کو یہ شادی کروانی ہوگی ورنہ میں چھری چلادوں گی۔" مائدہ کا انداز سو فیصد ہذیانی تھا وہ حواسوں میں نہ تھی تیز دھار چھری وہ اس انداز سے کلائی پر رکھے ہوئی تھی کہ معمولی سی جنبش بھی خطرناک ثابت ہوتی۔ عمرانہ سہم کر وہیں رک گئیں۔

"تم اتنی سیلفش نکلو گی میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی مائدہ....."

"اپنی خوشیوں کے لیے میں کسی بھی حد سے گزر سکتی ہوں آپ جانتی ہیں نہ جنید کی خاطر بھی میں نے ایک بار خودکشی کی تھی اور اب بھی میں اس کی خاطر موت کو گلے لگانے میں ذرا تردد نہیں کروں گی۔" عمرانہ بیٹی کی ہٹ دھرم طبیعت سے واقف تھیں۔ یہ معلوم نہ تھا وہ اتنی خودغرض و مفاد پرست ہوچکی ہے کہ جنید کی خاطر وہ ماں کی پسند و ناپسند کو کوئی اہمیت نہ دے گی اپنی ہی مرضی پر چلے گی۔

"آپ کی خاموشی بتا رہی ہے آپ کو اپنی ضد عزیز ہے بیٹی کی زندگی نہیں..... ٹھیک ہے پھر کرتی رہیں اپنی قدریں پوری....." اس نے طیش میں آکر چھری چلانی چاہی تھی کہ معاً وہ چیخ کر گویا ہوئیں۔

"میں تیار ہوں اس شادی کے لیے..... دل سے راضی ہوں۔"

❁.....◉.....❁.....◉

جہاں آرا کو سائرہ کی طرف سے کال موصول ہوگئی تھی کہ وہ آئندہ اس سے کبھی رابطہ کرنے کی حماقت نہ کرے ورنہ وہ اس کے حق میں بہتر نہ ہوگا..... ساتھ ہی یہ خوش خبری بھی سنائی تھی کہ جلد ہی وہ برکھا سے حساب برابر کرنے والی ہے۔ محض چند دنوں بعد وہ اپنی نواسی کے ساتھ خوشی سے رہنا چاہتی ہے۔ اس آنی والی کال نے جہاں آرا کے بے سکون دل کو سکون فراہم کردیا تھا۔ ڈوبتی ابھرتی سوچوں کو بھی کنارا مل گیا تھا۔ انہوں نے سوچا اب وقت آگیا ہے برکھا سے ملاقات کرنے کا ہر وقت کی نگرانی و خوف سے وہ عاجز بھی آگئی تھیں۔

"شکر ہے زندہ ہو ہم تو سمجھے تھے تم خوف سے بچی کے ساتھ سمندر میں ڈوب مری ہو جو نہ آرہی تھیں نہ فون اٹھا رہی تھیں اور نہ بنگلے پر موجود تھیں۔" سراج نے دیکھتے ہی طنزیہ انداز میں کہا۔

"ارے میں کیوں مروں..... مریں میرے دشمن..... جہاں آرا جرأت و بہادری کا نام ہے اگر سمندر میں ڈوب مرنا ہی ہوتا تو پہلے تجھے ڈبو کر مارتی تو بڑا بدذات اور نمک حرام ہے۔"

"آپا..... تمہیں مجھ سے ایسی ہی شکایت و شکوے رہتے ہیں کبھی مروت سے بھی بات کرلیا کرو پرانی دوستی کا خیال کرلیا کرو۔"

"سراج چپ ہوجا کام کی بات کرنے دے ہر وقت اپنا راگ نہ الاپا کر۔" بنارسی ساڑی اور تیز میک اپ میں اندر سے برکھا نے

Digitized by Google

برآمد ہو کر ڈپٹا۔

"ماشاء اللہ آج تو چودھویں کا چاند لگ رہی ہو۔" سراج نہ بلائیں لیں۔

"اور تو چاند میں داغ دکھائی دے رہا ہے۔" جہاں آرا نے طنز کیا۔

"فالتو باتیں بند کرو یہ بتاؤ لڑکی کو آج بھی نہیں لائی؟" برکھا اس کے مقابل ہی بیٹھ گئی اور سخت لہجے میں استفسار کیا۔

"بس..... اب زیادہ ٹائم نہیں ہے میں جلد لڑکی تمہارے حوالے کر جاؤں گی۔"

"کم از کم کتنا ٹائم مزید لگے گا میں یہاں سے جلد از جلد جانا چاہتی ہوں۔"

"ایک ہفتے کی مہلت دے دو مجھے۔"

"ایک ہفتہ بہت زیادہ ہے۔"

"میں لڑکی کو رضی کر رہی ہوں جس میں مجھے اتنا ٹائم لگ رہا ہے اگر اس نے راستے میں کوئی ہنگامہ کر دیا تو مسئلہ تمہارے لیے ہوگا۔"

"یہ بات تمہاری ماننے والی ہے اس نے راستے میں کوئی شور غل کیا تو معاملہ کھٹائی میں پڑ سکتا ہے چلو ایک ہفتہ تمہیں دیا..... لیکن یاد رکھنا صرف ایک ہفتہ..... اس ایک ہفتے کے بعد میں کوئی حیلہ بہانہ نہیں سنوں گی۔" وہ سخت لہجے میں دھونس سے گویا ہوئی۔

"مجھے دال میں کالا لگ رہا ہے جہاں آرا اتنی سیدھی نہیں ہے جتنا تم اسے سمجھ رہی ہو میڈم سمجھ نہیں آتا کیوں رعایت پر رعایت دیتی ہو؟" اس کی آمد ہر مرتبہ سراج کو الجھن میں مبتلا کر دیتی تھی اب بھی وہ تپ کر بولا تھا معاً تمام لائٹس آف ہو گئی ہیں اور ساتھ ہی بھاگتے قدموں کی آوازیں وہاں گونج اٹھی تھیں۔

"ارے یہ اندھرا کیسے ہو گیا اور یہ آوازیں کیسی ہیں سراج معلوم کر....." اندھیرے میں برکھا کی گھبرائی ہوئی آواز گونجی تھی معاً جہاں آرا کو بھی شدید خطرے کا احساس ہوا تھا وہ سمجھ گئی سائرہ کے بھیجے ہوئے لوگ آ گئے ہیں۔ تب ہی کمرہ فائرنگ کی آواز سے گونج اٹھا ساتھ انسانی چیخوں کی بھی آوازیں گولیوں کی تڑتڑاہٹ میں شامل ہو گئی تھی۔

❁.....◈.....❁.....◈

ایجاب و قبول کے وہ لمحے بڑے خواب ناک اور سنہرے تھے سب کے چہروں پر بھی مسرتوں کی روشنیاں جگمگا رہی تھیں لگتا تھا شاہ زیب شہر کے سارے گلاب خرید لایا ہے ہر طرف گلاب ہی گلاب مہک رہے تھے۔ ماتم زدہ گھر میں مسرتوں کے شادیانے بج اٹھے تھے صوفیہ پر شادیٔ مرگ کی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔ اللہ نے ان کے صبر کا کتنا بڑا اجر دیا تھا وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھیں۔ زید جیسا خوب صورت و حسین ہر طرح سے مکمل شخص ان کا داماد بنے گا؟ سودہ کے نصیب پر وقتی طور پر چھانے والے اندھیرے کے پیچھے چمکتا دمکتا اجالا ہوگا۔

"واہ رے میرے مولا..... تیری رحمت کے لیے میں تیرا شکر ادا کرتی ہوں۔" صوفیہ سب سے جھک کر پہلے شکرانے کے نفل ادا کرنے کھڑی ہوئیں۔ نکاح ہو چکا تھا مبارک سلامت کا شور ہر سمت برپا ہو گیا تھا سب سے پہلے مدثر نے زید کو پیشانی چوم کر سینے سے لگایا۔ ان کی خوشی ناقابل بیان تھی کئی بار انہوں نے اسے سینے سے لگایا تھا پھر منور صاحب زمرد بیگم صالحہ بوا فرداً فرداً سب نے مبارک باد دی جنید نے بھی بڑی گرم جوشی سے گلے لگا کر مبارک باد دی اس کی دادی کی دعاؤں کے حصار میں رہا تھا چہ میگوئیاں خوش گپیوں قہقہوں میں بدل گئی تھیں اس محفل کے دو مرکزی کردار جن کے حوالے سے یہ شور شرابہ تھا وہ قریب بیٹھے ارد گرد سے بے خبر سوچوں میں گم تھے۔

سودہ سکتے کی کیفیت میں گم تھی زید کی بے چین نگاہیں در کھڑی سب سے مبارک بادیں وصول کر رہی تھیں ان کے مسکراتے خوشی سے کھلتے چہرے پر ذرا بھی دکھ و پریشانی کا شائبہ بھی موجود نہ تھا اور زید کے لیے یہ سب حیرت سے بھی زیادہ حیران کن بات تھی کہ جس

Digitized by Google

لڑکی کی پرچھائیں سے بھی وہ بچاتی رہی تھیں..... بلکہ کل ہی تو وہ کہہ چکی تھیں کہ اگر سودہ کو بنانا ہوتا تو بہت پہلے بنا چکی ہوتیں اور پھر اچانک سے یہ کایا پلٹ کیسی ہوگئی تھی کچھ دیر قبل تک وہ جنید کی دادی کی بات پر تن فن کرتی چلی گئی تھیں' پھر یہ آناً فاناً کیا ہوا تھا کہ نہ صرف وہ راضی ہوئی تھیں بلکہ سودہ کو بہو بنا چکی تھیں اور اس کی بے یقینی و حیرانی کسی طرح کم نہیں ہو رہی تھی۔ وہ گاہے بگاہے ماں کی طرف دیکھ رہا تھا کہ یہ سب حقیقت ہے یا خواب؟ اس نے ہمیشہ خزاں کے آلودہ جھکڑ و بے ثباتی دیکھی تھی' پھولوں کی مہک اور گداز پن نصیب میں کہاں تھا' کانٹوں کی چبھن ہمیشہ ساتھ رہی تھی' سودہ کے خواب اسے اسی طرح ورغلاتے تھے اس کی ہونے کا فریب دیتے تھے۔

"بھابی جان اور میری پیاری بھابی جان اسلام علیکم!" شاہ زیب کارپٹ پر دوزانو بیٹھ کر سودہ سے مخاطب ہوا تو وہ جو گم صم گردن جھکائے بیٹھی تھی اپنی زندگی میں آنے والی عجیب و غریب تبدیلی نے اسے دنگ کر دیا تھا۔ وہ گھریلو کپڑے میں بیٹھی ہی ماں کو تسلی دے رہی تھی معاً دونوں ماموں اور ممانیاں وہاں چلی آئیں' تب بڑے ماموں نے کہا تھا۔

"سودہ بیٹی..... ہم تمہارا نکاح زید سے کرنا چاہتے ہیں..... آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں ہمارے فیصلے پر؟" یہ ایک رسمی سی اجازت تھی جو مانگی گئی تھی۔ جس کی ہاں نہ کا انتظار کیے بنا مولوی صاحب کو بلوا لیا گیا اور دیگر لوگ بھی کمرے میں چلے آئے تھے' عائدہ نے دادی کے کہنے پر اپنے سوٹ کا سرخ زرتار دوپٹہ لا کر سودہ کے سر پر ڈال دیا تھا اور اس طرح کچھ دیر بعد وہ سودہ سے سودہ زید بن چکی تھی' پھر انہیں ہال روم میں صوفے پر لا کر بٹھا دیا گیا تھا۔ جہاں وہ چکراتے ذہن کے ساتھ بیٹھ گئی تھی۔

"بھائی..... آپ نے بھابی کو منع کیا ہے مجھ سے بات نہ کریں یہ؟" سودہ کو چپ دیکھ کر وہ زید سے مخاطب ہوا اور اس کی آواز پر زید اتنی تیزی سے چونکا گویا گہری نیند سے جاگا ہو۔

"بائی گاڈ..... بھائی آپ کوئی خواب نہیں دیکھ رہے یہ سب حقیقت ہے کہ سودہ بھابی آپ کی بن گئی ہیں..... اب آپ کو چھپ چھپ کر ان سے محبت کرتے ہوئے آہیں بھرنی نہیں پڑیں گی۔" وہ اپنے مخصوص شوخ انداز میں اسے چھیڑ رہا تھا اور پہلی بار زید کے لبوں پر زندگی سے بھرپور مسکراہٹ ابھری تھی' وہ کھل کر مسکرا دیا تھا۔

"ہاں..... یہ سب تمہاری شرارت ہے؟"

تمام مہمان کھانے میں معروف ہو گئے تھے' سارا دن برپا رہنے والا ہنگامہ ابتدائی رات کی ان خوشگوار گھڑیوں میں اختتام پذیر ہونے جا رہا تھا۔

"یہ شرارت ہے؟ کیا کہہ رہے ہیں بھائی آپ یہ شرارت نہیں شادی ہے۔"

"پہلے شک تھا' اب یقین ہے تم نے کوئی گیم کیا ہے' کیا کیا ہے ذرا بتاؤ تو سہی؟ سودہ کو بھی معلوم ہونا چاہیے کہ....." سودہ کی آنکھیں بند ہوتی چلی گئی تھیں۔

(ان شاء اللہ کہانی کا بقیہ حصہ آئندہ شمارے میں)

Digitized by Google

گھر کی ملکہ

رابعہ افتخار

ستارہ خوب صورت ہے کہ ذرہ خوب صورت ہے
ابھی یہ فیصلہ ہونے کو ہے، کیا خوب صورت ہے
یہ مانا عشق کی تقدیر میں اجرت نہیں کوئی
مگر یہ بھی تو دیکھو، کام کتنا خوب صورت ہے

چادر اتار کر صحن میں بچھی چارپائی پر رکھتی وہ کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔ آج سات سال بعد ایک بہت پرانی سہیلی سے ملاقات ہوئی تھی۔ دونوں نے ماسٹرز اکٹھے ہی کیا اور پھر جاب بھی ایک ساتھ شروع کی تھی۔ عائشہ کی شادی ہوئی تو اس نے جاب چھوڑ دی اور پھر جب ہانیہ کی شادی ہوئی تو اسے بھی جاب چھوڑنی پڑی۔ آج اتنے سالوں بعد عائشہ سے ملی تھی۔ وہ اب دوبارہ جاب کر رہی تھی۔ ہانیہ اس وقت سے ذہنی الجھن کا شکار تھی۔ وہ تو شادی کے بعد گھر، شوہر اور بچوں کی ذمہ داریوں میں ایسی الجھی کہ اپنی دنیا بس گھر تک ہی محدود کر لی تھی۔ عائشہ نے اس کا مذاق بھی اڑایا تھا۔

"بھئی ہانیہ تم تو بالکل ہی ان پڑھ عورتوں کی طرح گھر کی ہو کر رہ گئی ہو۔ ڈگری صندوق میں بند کرنے کے لیے لی تھی تم نے؟" اس کا طنزیہ انداز اب اسے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر رہا تھا۔

شادی کے فوراً بعد ہی طالب نے اپنا الگ گھر لے لیا تھا، گھر میں جگہ کی کمی کی وجہ سے سب نے ہنسی خوشی انہیں رخصت کیا تھا پھر بلال، عمر اور رابیل کی پیدائش اور گھر کی مصروفیات میں وہ یہ بھول ہی گئی کہ وہ ڈگری ہولڈر ہے۔ شادی سے پہلے جاب کرتی ایک خود مختار لڑکی تھی۔ اب اتنے سالوں بعد عائشہ نے جیسے جھنجوڑا تھا۔ عائشہ کے حلیے کا اپنے حلیے سے تقابلی جائزہ کر کے وہ اس نتیجے پر پہنچی کہ وہ کہیں بہت پیچھے رہ گئی ہے۔

بلال پانچ سال کا تھا، عمر ساڑھے تین سال کا دونوں بچے محلے کے ہی ایک اسکول میں زیر تعلیم تھے۔ رابیل ابھی ایک سال کی اس کی گود میں تھی۔ گھر کا جائزہ لیا تو ہر شے سلیقے سے اپنی جگہ پر موجود تھی، صاف ستھرا سادہ سا گھر تھا مگر چونکہ اب وہ تنقیدی نظروں سے دیکھ رہی تھی اس لیے اسے اس گھر میں سہولیات اور آسائشات کی بے حد کمی نظر آئی۔ وہ انہی سوچوں میں گم رہتی کہ رابیل رونے لگی۔ اس نے چارپائی سے بچی کو اٹھایا اور ڈائپر تبدیل کرنے کی نیت سے اندر لے گئی۔ بچی صاف ستھری ہو کر دودھ پی کر سو گئی اور پھر جب دن کا ایک بجنے والا تھا، دونوں بچے اسکول سے آنے والے تھے۔ اس نے باورچی خانے کی راہ لی۔ ماش کی دال وہ صبح بازار جانے سے پہلے ہی پکا گئی تھی۔ فریج سے شامی کباب نکال کر فرائی کیے اور دوسرے چولہے پر توا رکھ دیا۔

طالب پورے ایک بجے دونوں بچوں کو اسکول سے لے آئے تھے۔ کھانا کھا کر تھوڑی دیر آرام کرتے ڈھائی بجے پھر دکان پر چلے جاتے تھے۔ اس نے ارادہ کر لیا کہ آج اس

Digitized by Google

موضوع پر طالب سے ضرور بات کرے گی۔ پورے ایک بجے وہ باورچی خانے سے فارغ ہو کر باہر نکلی تو موسم ابر آلود تھا۔ ابھی وہ چارپائی اور کرسیاں سمیٹنے کا سوچ ہی رہی تھی کہ موٹر سائیکل کا ہارن سنائی دیا۔ طالب اور بچے آ گئے تھے۔

"السلام علیکم امی۔" بچوں نے بڑے ادب سے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام!" اس نے دونوں بچوں کے ہاتھ سے اسکول بیگ لے کر مسکراتے ہوئے طالب کا بھی استقبال کیا۔ طالب کے ہاتھ میں فروٹ کا شاپر تھا۔ اس کی عادت تھی وہ روزانہ تھوڑا بہت فروٹ یا بیکری کا سامان لے کر گھر آتا تاکہ بچوں کو محلے کی دکانوں تک جانے کی خراب عادت نہ پڑے۔

"بھئی ماشاء اللہ بڑی اچھی خوشبو آ رہی ہے' کباب فرائی کیے ہیں؟" طالب نے ہاتھ منہ دھو کر دسترخوان پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔ اس دوران وہ بچوں کے کپڑے بھی تبدیل کروا چکی تھی۔ کھانا بڑے پُرسکون ماحول میں کھایا گیا۔ بچے معمول کے مطابق آرام کرنے کمرے میں چلے گئے۔ بلال تو سمجھدار تھا مگر عمر کو دوپہر میں سلانا تھوڑا مشکل ہوتا تھا۔ طالب بھی اٹھ کر کمرے میں چلا گیا۔ وہ برتن سمیٹ کر طالب کے لیے چائے لے کر کمرے میں آئی تو وہ بچوں کے ساتھ بیڈ پر آنکھیں موندھے لیٹا ہوا تھا۔ وہ وہیں بیڈ پر بیٹھ کر عمر کو تھپکنے لگی۔

"آپ سے ایک بات کرنا تھی طالب۔"

"ہوں..... کہو۔" وہ یونہی بند آنکھوں سے بولا۔

"وہ میں سوچ رہی تھی کہ میں جاب کر لوں۔" اس کے یوں اچانک کہنے پر طالب نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔

"جاب.....! یہ جاب کا خیال کیسے آ گیا اچانک؟" اس نے حیرت سے اسے دیکھا غالباً اسے ناگوار گزرا تھا۔

"یونہی..... اور اچانک نہیں آیا کب سے سوچ رہی تھی۔ بچے اسکول چلے جاتے ہیں..... رابیل بھی اتنا تنگ نہیں کرتی اور پھر میرے پاس ڈگری ہے تجربہ ہے۔" وہ دلائل دینے لگی۔

"ڈگری تمہارے کام آ تو رہی ہے' تمہاری بات چیت'

HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdulubes.com

گھر کو چلانے کا انداز' میرے ساتھ تمہارے رشتے کی مضبوطی' بچوں کی تربیت' مہمان نوازی' یہ سب ایک تعلیم یافتہ عورت ہونے کا منہ بولتا ثبوت ہے..... تم نے جاہل عورتوں کے گھر نہیں دیکھے شاید' ڈگری صرف جاب کرنے کے لیے نہیں ہوتی ہانیہ..... ہر عمر کی اپنی مجبوریاں اور ترجیحات ہوتی ہیں' شادی سے پہلے تم اکیلی تھیں اب ہم چار افراد اس گھر کے اندر ہر معاملے میں تمہارے محتاج ہیں۔ اب ترجیحات بدل گئی ہیں' پھر بھی اگر تم ایک بار پھر شوق پورا کرنا چاہتی ہو تو کرلو۔ میں تمہاری مرضی کے خلاف تو نہیں جاسکتا۔ ایک شوہر ہونے کی حیثیت سے منع کروں گا تو ظالم کہلاؤں گا۔" وہ بات کے آخر میں مسکرایا۔

"یعنی آپ کو کوئی اعتراض نہیں....." وہ اس کی رضا مندی پر کھل کر مسکرائی۔

"یعنی تم سیریس ہو..... کہاں کروگی جاب اور مینج کیسے کروگی گھر اور جاب؟" طالب اب اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"میں سنبھال لوں گی۔ آخر جو عورتیں جاب کرتی ہیں وہ بھی تو سب کچھ ساتھ لے کر چلتی ہیں۔ آپ کو میری فرینڈ عائشہ یاد ہے وہ اسی کالج میں جاب کررہی ہے جہاں میں اور عائشہ شادی سے پہلے جاب کرتی تھیں' وہی بتارہی تھی کہ ویکنسی ہے کالج میں اسلامیات کی ٹیچر کی' میں نے سوچا میں نے بھی تو ڈگری ضائع کرنے کے لیے صندوق میں بند کررکھی ہے اور پھر طالب..... ہم بچوں کو کب تک یوں محلے کے چھوٹے سے اسکول میں پڑھائیں گے' ایسے اسکولوں میں نہ تو بچوں کو ڈھنگ سے پڑھایا جاتا ہے نہ بچے میینرز سیکھتے ہیں۔ بس ہوم ورک اور ریڈنگ کی دوڑ ہوتی ہے۔ گلی محلے کے اسکولوں میں پڑھے ہوئے بچے کبھی بھی پُراعتماد زندگی نہیں گزار سکتے۔" اس نے دلائل دیئے۔ طالب بس مسکرا کر رہ گیا۔ اب کچھ بھی کہنا بے کار تھا' وہ اپنا ذہن بنا چکی تھی۔

❁.....❁.....❁

اگلی صبح بچوں کو اسکول اور طالب کو دکان بھیج کر وہ خود بھی تیار ہوئی' اپنے سارے کاغذات فائل میں ترتیب سے لگائے اور رابیل کو سینے سے لگا کر عائشہ کی تاکید کے مطابق کالج کے لیے نکل گئی۔ فون کرکے عائشہ سے وہ بات کرچکی تھی۔ کالج کا زیادہ تر اسٹاف نیا تھا مگر خوش قسمتی سے پرنسپل صاحبہ ابھی تک مسز امین تھیں جو اس کے زمانے میں بھی پرنسپل تھیں۔ اس کی قابلیت اور اہلیت سے تو وہ واقف تھیں اس لیے رسمی سا انٹرویو بھی لینے کی زحمت نہیں کی۔ رابیل سے متعلقہ سوال تھا کہ وہ اسے ساتھ لے کر آیا کرے گی یا گھر میں میڈ کا بندوبست کرے گی۔

"گھر میں تو بچی کو سنبھالنے والا کوئی نہیں ہے میم..... ہاں اگر کالج میں میڈ کا انتظام ہوسکے تو.....؟"

"ہاں ایک دو ٹیچرز اور بھی کہہ رہی تھیں۔ ایسا ہے کہ ہم آٹھ ہزار پر ایک میڈ کا بندوبست کرلیتے ہیں..... سب ٹیچرز کی سیلری سے دو دو ہزار کی کٹوتی کرلیں گے۔" مسز امین نے سنجیدگی سے ایک مشورہ دیا۔ وہ بلا تامل مان گئی..... اب جاب کرنی تھی تو ہر حال میں کرنی ہی تھی۔ سولہ ہزار تنخواہ مقرر ہونی تھی جس میں سے دو ہزار رابیل کی میڈ کے لیے مقرر ہوئے تھے۔ چودہ ہزار ماہوار بھی بہت تھے۔ وہ خوش تھی کہ اسے اتنی آسانی سے جاب مل گئی تھی۔ کالج کی چھٹی کا وقت بھی بچوں کی چھٹی کے آدھ گھنٹہ بعد کا تھا وہ مطمئن تھی۔

❁.....❁.....❁

ناشتے میں سب پراٹھا' آملیٹ اور اچار کھانے کے عادی تھے۔ ایسا ناشتہ تیار کرنے میں تو گھنٹہ لگ جائے گا۔ یہی سوچ کر اس نے ڈبل روٹی اور جیم کا ناشتہ ٹیبل پر رکھ دیا۔ بچوں کو تیار کرکے وہ خود بھی تیار ہوگئی۔

"طالب بچوں کو اسکول چھوڑ آئیں پھر مجھے بھی چھوڑ کر آنا ہے' بس دس منٹ کے فاصلے پر ہے۔" طالب جو بے ڈھنگا سا ناشتہ دیکھ کر بددلی سے اٹھنے والا تھا اس کے اگلے جملے پر حیرت سے اس کی سمت دیکھنے لگا۔

"کیا مطلب..... اور چھٹی ٹائم؟"

"چھٹی ٹائم میں لوکل بس سے آجاؤں گی۔ رکشے والا تو ہزار روپیہ مانگ رہا تھا' اب دو ہزار میڈ کو دوں..... ایک ہزار رکشے والے کو دوں یونہی خوامخواہ....." وہ سینڈل کا اسٹریپ

Digitized by Google

بند کرتے ہوئے بولی۔

"ہوں..... چلو آتا ہوں۔" وہ بچوں کو موٹر سائیکل پر بٹھانے لگا۔ اس نے جلدی جلدی برتن کچن میں منتقل کیے۔

"آج ناشتہ بھی نہیں کیا طالب نے؟ عادی نہیں ہیں ناں ایسے ناشتے کے..... چلو کوئی بات نہیں سنڈے کو اچھا سا ناشتہ کروادیا کروں گی۔" وہ خود کو تسلی دیتی جیم کی بوتل فریج میں رکھ کر برتنوں کو سنک میں رکھنے لگی ابھی تھوڑے سے برتن ہی دھوئے تھے کہ طالب آ گیا۔

"چلو بھئی۔" وہ باہر سے ہی ہارن دے رہا تھا۔ ہانیہ جلدی جلدی چادر اوڑھ کر رابیل کو کندھے سے لگائے بے بی بیگ سنبھالتی آ گئی۔

"طالب یہ گھر کی چابی آپ ایک بجے بچوں کو لے کر آئیں گے تو روٹیاں لیتے آیئے گا سالن میں نے رات کو ہی پکا دیا تھا۔ میں ڈیڑھ بجے تک آ جاؤں گی۔" اس نے گھر کی چابی طالب کی جیب میں ڈالتے ہوئے کہا اور اس کے پیچھے بیٹھ گئی۔

"کیا مطلب تم دیر سے آؤ گی اور تندور کی روٹیاں؟" طالب کا دماغ گھوم گیا۔ اس نے سختی سے لب بھینچے۔ موٹر سائیکل اسٹارٹ کی تو وہ جلدی سے پیچھے بیٹھ گئی تھی۔

❁.....❁.....❁

کالج کا پہلا دن بہت اچھا گزرا..... ٹیچرز کا لباس اور میک اپ دیکھ کر تو اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ کسی فیشن شو میں آئی ہے۔ دل ہی دل میں وہ اس بات کی معترف ہوگئی کہ ورکنگ وومن اب ٹو ڈیٹ رہتی ہیں۔ سارا دن اپنی کلاس سے تعارف اور اسٹاف سے تعارف میں گزر گیا۔ رابیل کی میڈ کو سب کچھ سمجھایا' رکشے میں کالج سے گھر واپس آئی تو گھر کے باہر طالب کی موٹر سائیکل کھڑی تھی۔ گھر کے اندر داخل ہوتے ہی سالن کی خوشبو آنے لگی۔ رابیل کو لٹا کر وہ کچن میں آئی' طالب سالن گرم کر کے سلاد کاٹ رہا تھا۔

"آپ نے کیوں شروع کر دیا کام' میں بس آ ہی تو رہی تھی ہٹیں آپ۔" اسے بازو سے پکڑ کر پیچھے کرتے ہوئے وہ کھانے کے برتن نکالنے لگی۔ عمر اور بلال پہلے سے ہی کھانے کی میز پر موجود تھے۔ ان کے کپڑے دیکھ کر اس نے سر پر ہاتھ مارا۔ استری شدہ کپڑے ہینگر پر لٹک رہے تھے جبکہ طالب نے الماری سے نکال کر پرانے ٹراؤزر اور بد رنگ شرٹس پہنا دی تھیں جو اس نے کسی ضرورت مند کو دینے کی نیت سے رکھی تھیں۔

"آ جاؤ کھانا کھالو..... پھر میں کپڑے تبدیل کرواتی ہوں' بابا کو شاید ہینگر والے کپڑے نظر نہیں آئے ہوں گے۔" وہ بچوں کو چمکارتے ہوئے بولی' بچوں کو بھوک لگ رہی تھی' فوراً کھانا کھانے لگے۔ اسی دوران رابیل بھی بھوک سے رونے لگی' ہانیہ کھانا چھوڑ کر اٹھ گئی۔ طالب نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے تاسف سے اس کی سمت دیکھا اور پھر کھانا کھانے لگا۔ صبح ناشتہ بھی نہیں کیا تھا بھوک سے برا حال تھا' اگرچہ تندور کی روٹی کھانے کی عادت نہیں تھی مگر اس وقت یہ بھی غنیمت لگ رہی تھی۔

❁.....❁.....❁

طالب کی کزن کا فون آیا تھا' وہ جو اس وقت صبح کے لیے کپڑے استری کر رہی تھی اپنے کام میں مصروف رہ کر موبائل کان سے لگائے ان سے بات کرنے لگی۔

"کل صبح دس بجے آؤں گی میں ہانیہ' بازار چلیں گے۔"

"صبح دس بجے تو میں کالج میں ہوتی ہوں سارہ' جاب کر لی ہے ناں۔"

"اوہ اچھا..... کب شروع کی جاب.....؟ بہت اچھی بات ہے' طالب کو ویسے بھی جاب کرنے والی خواتین بہت پسند تھیں تم سے رشتہ ہوا اور جب اسے تمہاری جاب کا بتایا تو بہت خوش ہوا تھا۔" سارہ کی بات پر دل کو سکی ہوئی تھی۔

"سنڈے کو آ نا سارہ' سنڈے بازار چلیں گے۔"

"ارے نہیں' سنڈے کو کہاں ٹائم ہوگا تمہارے پاس' ہفتہ بھر کے کام انتظار کر رہے ہوں گے تمہارا..... میں خود ہی چلی جاؤں گی۔" اس نے فون بند کر دیا۔

سارہ خود بھی ایک اسکول میں آٹھ سال ٹیچنگ کرتی رہی تھی۔ پھر شادی' بچے ہوئے تو وہ بالکل ہی گھر کی ہو کر رہ

Digitized by Google

گئی۔ اب تو اس کے بچے بھی اچھے خاصے بڑے اور سمجھدار ہوگئے تھے۔ میاں بھی ملک سے باہر تھے۔ وہ جاب کرنا چاہتی تو آسانی سے کرسکتی تھی مگر وہ تو بالکل عام سی گھریلو خاتون بن چکی تھی۔ فون بند کرکے وہ کام نمٹانے لگی جب تمام کام نمٹا کر فارغ ہوئی تو کالج سے لائی کاپیاں دیکھنے لگی۔

"ماما..... یہ اسپیلنگ یاد نہیں ہو رہی۔" بلال انگلش کی کتاب اٹھائے پاس آ بیٹھا۔

"ہوں..... ہاں بس دو کاپیاں رہ گئی ہیں پھر کام کرواتی ہوں میں آپ کو۔" اس نے اسے چمکارتے ہوئے کہا' ابھی آخری کاپی چیک کرکے رکھی ہی تھی کہ رابیل رونے لگی۔

"بیٹا میں رابیل کو سلالوں پھر کام کرواتی ہوں۔" رابیل کو سلا کر گھڑی پر وقت دیکھا تو رات کے آٹھ بجنے والے تھے۔ روٹیاں پکائیں اور ساتھ دال کو بگھار لگایا' گلے دن کے لیے آلو گوبھی پکا کر فریج میں رکھی۔ ساڑھے آٹھ بجتے ہی طالب گھر آ گئے' حسب معمول بچوں کے لیے بسکٹ وغیرہ لے کر آئے تھے۔

رات کا کھانا کھا کر طالب نے ٹی وی پر خبرنامہ لگالیا۔ بچے وہیں سو گئے۔ وہ کچن سمیٹ کر آئی تو طالب بچوں کو ان کے بستر پر لٹا چکا تھا۔ بلال کا بکھرا بیگ دیکھ کر اسے یاد آیا کہ وہ تو اسے پڑھانے کا وعدہ کرکے بھول گئی تھی۔ دل ہی دل میں خود کو ملامت کرتی ہوئی اس کا بیگ سمیٹنے لگی۔ اگلے روز گھر میں قدم رکھا تو منظر کل جیسا ہی تھا' آج وہ لوگ کھانا کھانا شروع بھی کرچکے تھے۔ اس کے دل کو دھچکا لگا۔

"سوری یار..... بہت بھوک لگ رہی تھی اور عمر تو رو بھی رہا تھا۔ تم کالج والوں سے بات کرکے آدھ گھنٹہ پہلے چھٹی نہیں لے سکتی؟" طالب نے پلیٹ میں اس کے لیے کھانا نکالتے ہوئے کہا۔

"نہیں میری کلاس ہوتی ہے آخری..... مگر میں سوچ رہی ہوں کہ کالج سے ملحقہ اسی ادارے کے اسکول میں بچوں کو داخل کروادوں' فیس تو تھوڑی زیادہ ہے مگر ہمارا ٹائم ایک ہوجائے گا۔" اس کی بات سن کر طالب نے نوالہ واپس پلیٹ میں رکھ دیا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا' اب تم بچوں کو اس اسکول سے بھی اٹھاؤ گی' اچھا خاصہ پڑھ رہے ہیں بچے..... فیس بھی مناسب ہے۔"

"کہاں طالب..... بس نام کا ہی انگلش میڈیم اسکول ہے' ٹیچرز خود ایف اے' بی اے پاس ہیں..... جیسی غلط سلط انگلش سکھائیں گی وہی سیکھتے جائیں گے....." اس نے حقارت سے ذکر کیا۔

"اگر تم نے تعلیم کا معیار صرف انگریزی سیکھنے کو بنا ہی لیا ہے تو ٹیچرز کی سکھائی غلط سلط انگلش کی اصلاح تم بھی کروا سکتی ہو ہانیہ..... قابلیت اور سیکھنے کی اہلیت بچے کی اپنی ذات میں ہوتی ہے ہانیہ..... مہنگے اسکول بچے کا دماغ پالش کرسکتے ہیں اور یہ کام ایک پڑھی لکھی ماں بھی کرسکتی ہے اور ہانیہ' ذرا عقل سے کام لو' تم بچوں کو زیادہ فیس والے اسکول میں داخل کروادو گی تو یہ جاب کرکے تمہیں کیا حاصل ہوگا۔ گھر کا سکون الگ ختم ہوگا' معمول کی زندگی بے ترتیب ہوجائے گی' ہم دونوں مارے تھکن کے ایک دوسرے سے دور ہونے لگیں گے۔ سولہ ہزار کی تنخواہ میں سے تم کیا بچت کرسکو گی۔" طالب کی بات پر وہ ساکت بیٹھی رہی۔

"بچے تو اچھے اسکول میں پڑھیں گے ناں طالب۔" وہ منمنائی۔

"پھر بھی ہانیہ جب تک تم خود بچوں کو ٹائم نہیں دو گی بچے اچھے اسکول میں جاکر بھی کچھ نہیں سیکھ سکیں گے اور تمہارے پاس تو اب ان کے لیے اور میرے لیے ٹائم ہوگا ہی نہیں۔ چند ہی دنوں میں گھر کا نظام بکھرنے لگا ہے' آج بلال کی ٹیچر نے پہلی بار شکایت لکھ کر بھیجی ہے۔ مجھے ڈائری پڑھ کر دکھ بھی ہوا اور ہنسی بھی آ رہی تھی کہ ایک کالج لیکچرار کا بیٹا ایک اسپیلنگ یاد نہ ہونے کی وجہ سے اسکول سے ڈانٹ کھا کر آیا ہے۔ ہانیہ یار میں دکاندار بندہ ہوں' میری چھٹی جمعہ کے روز ہوتی ہے اور تمہاری اتوار کو..... تمہاری اس جاب کی وجہ سے میں چھٹی کا دن بھی اکیلا گزارا کروں گا یا پھر دکان ہی کھول لیا کروں گا۔" وہ بے حد سنجیدگی سے کہہ رہا تھا جبکہ وہ ہکا بکا

Digitized by Google

بیٹھی تھی۔

"میں مینج کرلوں گی طالب..... ابھی تو چند دن ہوئے ہیں، جب روٹین بن جائے گی تو سب ٹھیک ہوجائے گا۔" وہ برتن سمیٹنے لگی۔

"میں بھی یہی کہہ رہا ہوں ہانیہ..... ابھی تو چند دن ہی ہوئے ہیں جب روٹین بن جائے گی تو مسئلہ بڑھ جائے گا۔" وہ بات مکمل کرکے اٹھ گیا..... وہ کتنی ہی دیر خاموش کھڑی رہی۔ سارہ تو کہہ رہی تھی کہ طالب کو ورکنگ وومن بہت پسند تھی تو پھر اب کیا ہوا۔

"میں سب سنبھال لوں گی۔" وہ خود کو مضبوط کرتی ہوئی کچن میں گھس گئی تھی۔

❁.....❁.....❁

پہلی تنخواہ سے وہ پردے اور کراکری لے کر آئی تھی ایک دو سوٹ بھی لیے تھے۔ بچوں کو اب وہ ساتھ ہی لے جاتی تھی۔ اس ماہ جو پانچ چھ ہزار کی بچت ہوئی تھی اگلے ماہ یہ بھی بچوں کی فیس کی مد میں جانے والی تھی۔ اتوار کا دن تھا اس نے صبح مشین لگا کر ہفتہ بھر کے جمع کپڑے دھوئے۔ سارے گھر کی تفصیلی صفائی کی۔ عائشہ تو اسے کئی بار گھر کے کاموں کے لیے بھی میڈ رکھنے مشورہ کا دے چکی تھی مگر ایسے تو اس کی ساری تنخواہ اسکول کی میڈ، بچوں کی فیس میں صرف ہوجاتی۔ چند مختلف کھانے پکا کر فریز کیے تھے، ہفتہ بھر کے لیے کباب بنا کر رکھے۔ دوپہر کو استری کرنے لگی، شام کو جی چاہا کہ طالب کو فون کرکے بلالے کہ کہیں گھوم پھر آئیں، پہلے تو وہ جمعہ کے روز طالب کے ساتھ آؤٹنگ کے لیے جاتی تھی۔ کبھی دونوں جمعہ بازار جاکر پھل سبزیاں اور سودا سلف بھی لے آتے تھے پھر اتوار والے دن وہ بچوں کو لے کر کبھی سارہ کی طرف اور کبھی اپنی امی کی طرف چلی جاتی تھی۔ امی بھی ان دنوں بڑے بھائی کے پاس فیصل آباد گئی ہوئی تھیں، یہی سوچ کر طالب کا نمبر ملایا تھا۔ دوسری طرف وہ بہت مصروف سے انداز میں بولا تھا۔

"نہیں ہانیہ، اتوار کو دکان پر بہت کام ہوتا ہے فی الحال تو نہیں آسکتا، تم بچوں کو لے کر رقیہ خالہ کی طرف چلی جاؤ۔"

ماہنامہ آنچل ماہنامہ حجاب کراچی

ایک رسالے کے لیے 12 ماہ کا زرسالانہ
(بشمول رجسٹرڈ ڈاک خرچ)

850 روپے

امریکا، کینیڈا، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے لیے

8000 روپے

میڈل ایسٹ، ایشیائی، افریقہ، یورپ کے لیے

7000 روپے

رقم ڈیمانڈ ڈرافٹ، منی آرڈر، منی گرام اور ویسٹرن یونین کے ذریعے بھیجی جاسکتی ہیں۔

0316-0128216

0300-8264242

0300-8264242

نئے آفق گروپ آف پبلی کیشنز

+922 35620 71 2

aanchalpk.com
aanchalnovel.com
Info@aanchal@com.pk

Digitized by Google

میں تمہیں واپسی پر وہیں سے لے لوں گا۔" طالب نے اپنی خالہ کی طرف جانے کا کہا اس نے خاموشی سے فون رکھ دیا تھا۔

❁.....❁.....❁

خالہ رقیہ کا گھر بہت صاف ستھرا اور سلیقے سے سجا تھا۔ ان کی بہو ناعمہ بہت پھرتیلی تھی۔ وہ ایک ہاسپٹل میں نرس تھی۔ شادی کے بعد جاب چھوڑ دی تھی لیکن چار پانچ سال تک جب اولاد نہیں ہوئی تو دوبارہ جاب شروع کردی۔ اب خالہ رقیہ بہت بیمار رہنے لگی تھیں تو اس نے پھر ملازمت کو خیر باد کہہ کر گھر میں ساس کی خدمت کو ضروری سمجھا تھا۔

"کیک بہت مزے کا بیک کیا ہے بھابی مجھے تو اب ٹائم ہی نہیں ملتا۔" وہ دل سے تعریف کررہی تھی ساتھ ہی وقت کی کمی کا رونا بھی رو رہی تھی۔

"ہاں بھئی انسان ہو مشین تو ہو نہیں کہ سارے کام ایک دن میں کرلو۔" ناعمہ نے اس کے سامنے چائے کا کپ رکھا۔ وہ دیکھ رہی تھی بلال بار بار سرونگ پلیٹوں میں ہاتھ مار رہا تھا۔ وہ بہت سلجھا ہوا بچہ تھا مگر شاید عدم توجہی اور گھر میں ایسی چیزوں کے نہ بننے کی وجہ سے بدتمیزی اور ندیدہ پن دکھا رہا تھا۔ وہ بھی پہلے ہر اتوار کو بریانی' کیک اور رول وغیرہ تیار کرتی تھی۔ ناعمہ کے سامنے اسے شرمندگی کا احساس ہوا تھا۔

"بچے اسی اسکول میں جارہے ہیں ہانیہ؟" ناعمہ نے بلال کی پلیٹ میں نمکو ڈالتے ہوئے یونہی پوچھا۔

"نہیں..... اب تو میں نے شہر کے سب سے اچھے انگلش میڈیم اسکول میں داخل کروایا ہے انہیں۔" اس نے فخر سے بتایا۔

"اچھا.....! حیرت ہے حالانکہ بچے پہلے بہت سلجھے ہوئے اور باادب تھے ماشاء اللہ تمہارا بلال تو کچھ بھی کھانے سے پہلے بلند آواز میں بسم اللہ ضرور پڑھتا تھا..... میں نے یہ تبدیلی دیکھی تب ہی پوچھ لیا۔ میں سمجھی تھی کہ شاید تم نے بچوں کو کسی اور اسکول میں داخل کروادیا ہے یا پھر خود ٹائم نہیں دے پارہی ہو۔" ناعمہ کی اتنی صاف گوئی اسے اچھی نہ لگی کچھ ہی دیر میں اجازت لے کر اٹھ آئی۔ رات میں وہ بلال کو خوب ڈانٹ رہی تھی جب طالب گھر میں داخل ہوا' یہ منظر اس کے لیے بھی نیا تھا۔ اس سے پہلے اس نے کبھی ہانیہ کو بچوں پر چلاتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔

"کیا ہوا بھئی' کیوں ڈانٹ رہی ہو اسے؟"

"دیکھیں ناں طالب' یہ بہت بدتمیز ہوگیا ہے آج رقیہ خالہ کے گھر بھی انتہائی بدتمیزی کی اور اب گھر آکر موصوف انکشاف کررہے ہیں کہ ہوم ورک کیا ہی نہیں' کتنی انسلٹ ہوگی میری' ساری ٹیچرز کے بچے پڑھائی میں اے ون ہیں اور یہ دن بدن پیچھے ہوتا جارہا ہے۔" وہ رو دینے کو تھی' طالب کو اس پر ترس آیا۔

"بلال بیٹا جاکر ٹی وی دیکھو صبح آپ اسکول سے چھٹی کروگے۔" طالب نے بلال کو چمکار کر اندر بھیج دیا۔ وہ آنسو صاف کرتا ہوا اندر چلا گیا۔

"کیا مطلب چھٹی کیوں کرے گا؟" وہ ہونق بنی طالب کو دیکھنے لگی۔

"تم بھی چھٹی کروگی صبح۔" اس نے شانوں سے تھام کر اسے کرسی پر بٹھایا۔

"دیکھو ہانیہ..... آئینے میں اپنی صورت' صرف لپ اسٹک لگا کر نپا سوٹ پہن کر صبح سویرے تیار ہو کر کوئی عورت خوب صورت نہیں لگ سکتی' جب تک اس کے اندر سکون نہ ہو..... نیند تمہاری پوری نہیں ہورہی آنکھوں کے نیچے حلقے پڑنے لگے ہیں..... رنگت جھلسنے لگی ہے..... دراصل تم گھڑی کی سوئیوں کے ساتھ بھاگ بھاگ کر چڑچڑی ہونے لگی ہو..... ہانیہ میں نے تمہاری محبت میں تمہیں جاب سے منع نہیں کیا مگر سچ پوچھو تو میں بالکل بھی خوش نہیں تھا۔ بیٹھے بٹھائے ایک دوست کے کہنے پر تم نے اپنے گھر کا سکون برباد کرلیا' نہ کھانے کا مزہ ہے نہ گھومنے پھرنے کا' بچے الگ نظر انداز ہورہے ہیں....." وہ دوسری کرسی پر بیٹھ کر اس کے ہاتھ تھامے سمجھا رہا تھا۔

"ہوں..... بچے تو واقعی نظر انداز ہورہے ہیں۔ آج اندازہ ہوگیا مجھے..... ناعمہ بھابی نے تو کہہ بھی دیا' حالانکہ

پہلے اسکول عام سا تھا اٹھارہ سو روپے میں ہمارے دونوں بچے پڑھ رہے تھے اور یہاں میں نو ہزار فیس دیتی ہوں مگر بچے پہلے کی نسبت بہت بگڑ گئے ہیں۔ پڑھائی بھی دلچسپی اور دلچسپی سے نہیں کرتے۔" وہ رو دینے کو تھی طالب کو اس کی احمقانہ سوچ پر ہنسی آئی۔

"یہ خیال تمہارے دماغ میں کس نے ڈال دیا ہانیہ کہ زیادہ فیس ادا کرنے سے اور انگلش میڈیم اسکول میں بچوں کو داخل کروا کر تم ہر ذمہ داری سے آزاد ہو جاؤ گی بلکہ یہاں تمہیں زیادہ توجہ دینی پڑے گی کیونکہ امیر اور عیاش گھروں کے بچے آتے ہیں ایسے اسکولوں میں..... معاشرے میں اپنا مقام اونچا ظاہر کرنے کے چکر میں لوگ محض نمود و نمائش کے لیے اپنے بچوں کو ایسے اسکولوں میں بھیجتے ہیں..... اصل درس گاہ تو ماں کی گود ہے..... اصل تربیت تو تمہیں کرنی ہے ہانیہ..... اگر تمہیں بچوں کی انگلش اچھی کروانے کا اتنا ہی شوق ہے تو میں تمہیں بچوں کے لیے اسپوکن کی بک لادوں گا تم چھٹی والے دن اور فارغ ٹائم میں پڑھایا کرو۔ انگلش میں بات کیا کرو بچوں کے ساتھ میں اسٹوری بکس لادوں گا مگر ہانیہ تم انہیں توجہ دو..... ایسا نہ ہو کہ صرف انگریزی اسکول کی چھاپ لگوانے کے لیے ہم ان کو مذہب سے بھی دور کر دیں اور اخلاقیات بھی نہ سکھا سکیں۔ ہمارے بچے سب سے تمیز دار اور سلجھے ہوئے تھے۔ ابھی بھی وقت ہے ہانیہ اچھی طرح سوچو۔" وہ بڑے رسان سے سمجھا رہا تھا۔

"مگر آپ کو تو ورکنگ وومن پسند تھیں ناں شادی کے وقت۔"

"ہاں تھیں اور ابھی بھی ہیں میں کام کرنے والی خواتین کو سلام کرتا ہوں ان کی ہمت کی داد دیتا ہوں مگر میری جان..... ہر کسی کے حالات ترجیحات اور مجبوریاں مختلف ہوتی ہیں اگر کچھ عورتیں شوق کے نام پر باہر کمانے نکلتی ہیں تو کچھ انتہائی مجبوری میں یہ قدم اٹھاتی ہیں..... اور اگر کوئی صرف بچوں کو اچھے اسکول میں پڑھانے کے لیے یہ قدم اٹھاتی ہیں تو لکھوا لو مجھ سے وہ بچے ندیدن کے رہتے ہیں نہ دنیا کے اور مائیں الگ خوار ہوتی ہیں۔ ہمیں روز مرہ کے کاموں میں بھی اللہ اور اس کے رسول کی تعلیمات کو دیکھنا ہے میرا کام کمانا ہے اور تمہارا کام گھر چلانا..... میں اپنی حیثیت کے مطابق تمہاری ہر ضرورت پوری کرتا ہوں..... اپنا گھر ہے ہمارا بچے ہیں اور کیا چاہیے؟"

"پھر اب کیا کروں؟" وہ بے بسی سے طالب کی سمت دیکھنے لگی۔

"جاب چھوڑ دو ہو گیا شوق پورا..... گھر کو پہلے کی طرح جنت بنا دو..... بچوں کو خود ٹائم دو..... یہ جاب سر اسر گھاٹا اور ذہنی پریشانی دے رہی ہیں ہمیں..... اور ہاں وہ تم کہتی تھی ناں کہ ڈگری صندوق میں بند پڑی ہے تو اس کے لیے بھی ایک مشورہ دوں اگر مان لو تو فائدے میں رہو گی۔" وہ محبت سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"کیسا مشورہ؟"

"بہت سی لڑکیاں کالج کا خرچا برداشت نہیں کر سکتیں اور پرائیویٹ طور پر آگے پڑھنا چاہتی ہیں..... تم معقول سی فیس لے کر صبح کے وقت گلی محلے کی ایسی لڑکیوں کو پڑھا سکتی ہو..... ساتھ ساتھ گھر کے کام بھی ہوتے رہیں گے اور ساتھ ساتھ لڑکیوں کو بھی پڑھا لیا کرنا۔"

"آپ سچ میں بہت اچھے ہیں طالب اور میں بہت خوش قسمت ہوں۔ میں صبح ہی ریزائن کر آؤں گی۔" وہ معصومیت سے بولی۔

"آپ سچ کہتے ہیں یہ گھر میری سلطنت ہے اور یہ میری ننھی شہزادی..... بے چاری آدھے دن کے لیے غیر عورت کے ہاتھوں میں رہتی تھی....." اس نے رابیل کو چوما وہ بھی ماں کو مسکراتا دیکھ کر قلقاریاں مارنے لگی..... ان کے چہروں پر سکون اور مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

Digitized by Google

حصہ 3

عشق سفر کی دھول

نازیہ کنول نازی

آتی ہیں بدلتے موسم کی ہوائیں
دیتا ہے کوئی عمر گزشتہ کو صدائیں
لوٹ آئے ہیں نکھرے دن، چاندنی راتیں
کس دیس سے اے دوست تجھے ڈھونڈ کے لائیں

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

حسن بانو اور سعید کی پسند کی شادی نے سعید کی محبت میں اپنا گھر چھوڑ دیا تھا اب وہ دونوں اپنے بیٹے ایزد غربت کی زندگی گزار رہے تھے۔ سعید کو جوئے کی لت لگ جاتی ہے اور جوئے میں وہ حسن بانو کا سودہ کر دیتا ہے۔

حمزہ سعید کا دوست تھا اور سعید کے گھر اس کا آنا جانا ہوتا ہے وہ سعید کی ہر بات سے باخبر ہوتا ہے تب ہی حسن بانو کے سودے والی بات سے اسے باخبر کرتا ہے اور گھر سے بھاگ جانے کا مشورہ دیتا ہے جس پر حسن بانو پریشان ہو جاتی ہے اور سعید سے اس حوالے سے بات کرتی ہے۔ سعید نے جوئے میں ہارنے کے بعد ان لوگوں سے رقم کے لیے چند دن کی مہلت مانگی تھی تاکہ وہ رقم کا بندوبست کر سکے سعید کا رات کے اندھیرے میں اس شہر سے فرار کا منصوبہ تھا پر وہ لوگ عین وقت پر پہنچ کر حسن بانو کو اپنے ساتھ لے جانے کی بات کرتے ہیں۔ حسن بانو کمرے میں ایزد کے ساتھ بند ہو جاتی ہے اور اسے کوئی راہ فرار دکھائی نہیں دیتی تو وہ خودکشی کر لیتی ہے ایزد کے کچے ذہن میں ماں کی پنکھے سے لٹکتی لاش ہمیشہ کے لیے رہ جاتی ہے۔

سعید ایزد کو لے کر دوسرے شہر آ جاتا ہے اور وہاں نوکری کرنے لگتا ہے لیکن ایک روز اس پر انکشاف ہوتا ہے کہ وہ بھی زیادہ عرصہ زندہ نہیں رہے گا تب وہ ایزد کو حمزہ کے ساتھ بھیج دیتا ہے۔

حمزہ عباسی کے گھر میں ان کی بیوی اور بچوں کے علاوہ ایک بہن بھی اپنے بچوں کے ساتھ رہتی ہے۔ حمزہ عباسی ایزد کی حقیقت اپنی بیوی سلمٰی سے نہیں چھپاتے حمزہ عباسی کے دونوں بچے عماد اور عائشہ بھی ایزد سے دوستی کر لیتے ہیں جبکہ حمزہ عباسی کی بہن زہرہ بیگم کی دونوں بیٹیاں ماں کے کہنے پر ایزد سے دور رہتی ہیں جبکہ نوال رویہ ایزد کے ساتھ بے حد خراب ہوتا ہے۔

شفا اور امرحہ دو بہنیں تھیں شفا شادی شدہ اور امرحہ ابھی زیر تعلیم ہوتی ہے۔ عماد شفا سے محبت کرتا ہے لیکن شفا محبت میں پاگل پن کی حد تک جنونی ہوتی ہے اس سے یہ بات برداشت نہیں کہ عماد اس کے علاوہ کسی کو اہمیت دے جب ہی ایک ذرا سی بات پر شفا خودکشی کی کوشش کرتی ہے جس پر عماد پریشان ہوتا دوبارہ اس سے کبھی خودکشی نہ کرنے کا عہد لیتا ہے امرحہ شفا کو سمجھاتی ہے لیکن وہ سمجھنے

Digitized by Google

کے بجائے اپنی محبت کی شدت کی بات کرتی امرحہ کو سمجھانے کی کوشش کرتی ہے۔

عماد کا رشتہ بچپن میں اس کی پھوپی زاد سے طے تھا لیکن اس نے صرف شفا کی وجہ سے اس رشتے کو ٹھکرا دیا تھا اور اس کو ٹھکرانے کے ساتھ ہی تمام خونی رشتوں کو بھی چھوڑ دیا تھا۔ وہ شفا کی خودکشی کے عمل سے خائف ہو کر اسے طلاق دے دیتا ہے کیونکہ وہ نہیں چاہتا کہ اس کی ذرا سی بے پروائی کی وجہ سے شفا پھر کبھی خودکشی کر لے۔

امرحہ کی یونیورسٹی میں عمر سعید اور فاطمہ سے دوستی تھی جبکہ عمر سعید اور ایزدحسن ایک دوسرے کے دشمن ہیں عمر سعید امرحہ کو اکساتا ہے کہ وہ ایزدحسن سے بدلہ لے لیکن وہ خود کو کمزور ظاہر کرتی ہے جس پر عمر سعید اسے اعتماد میں لے کر منصوبہ بناتا ہے امرحہ عمر سعید کے منصوبہ پر عمل کرتی ایزدحسن کو یونیورسٹی میں بدنام کر دیتی ہے۔

پروفیسرز ایزدحسن کو قصوروار سمجھتے ہوئے اسے یونیورسٹی سے نکال دیتے ہیں میرب ایزد کی دوست ہے وہ اس سے اس موضوع پر بات کرنا چاہتی ہے لیکن ایزدحسن اس وقت کسی سے بھی بات کرنا نہیں چاہتا۔

حمزہ عباسی ایزدحسن سے اس معاملہ کی پوچھ گچھ کرتے اسے گھر سے نکال دیتے ہیں ایزد سلمٰی بیگم کے سامنے اپنی بے گناہی کا ذکر کرتا ہے وہ سلمٰی بیگم کو ماں کو درجہ دیتا تھا لیکن سلمٰی بیگم اس کی بات پر خاموش رہتی ہیں۔

فاطمہ امرحہ کو سمجھاتی ہے لیکن امرحہ بدلے کی خوشی میں اپنی عزت کی پروا بھی نہیں کرتی اور فاطمہ کی بات ان سنی کر دیتی ہے، امرحہ ساری بات شفا کو بتا کر اس سے داد چاہتی ہے جبکہ شفا غصہ میں اسے حقیقت کا آئینہ دکھاتی حیران کر جاتی ہے امرحہ کو بھی سمجھ آ جاتا ہے کہ اس نے کتنی بڑی غلطی کی تھی۔

عائشہ اور ایز دایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اور دونوں نے اپنے طور پر منگنی بھی کر لی تھی عائشہ منگنی کی انگوٹھی واپس کرنے آتی ہے تو ایزد اسے اپنی بے گناہی کا یقین دلانا چاہتا ہے لیکن عائشہ بھی خاموشی سے پلٹ جاتی ہے جس پر ایزد دل برداشتہ ہو کر گھر سے نکل جاتا ہے۔

امرحہ پروفیسر صاحب کے سامنے ساری حقیقت

HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com

بیان کرنا چاہتی ہے لیکن وہ چھٹی پر ہوتے ہیں تب امرحہ فاطمہ سے مدد مانگتی ہے اور فاطمہ اسے موبائل فون کے ذریعے پروفیسر کو ساری بات بتانے کا مشورہ دیتی ہے امرحہ فاطمہ کے مشورے پر عمل پروفیسر صاحب کو سب بتا دیتی ہے۔

عمر سعید امرحہ کو دھمکی دیتا ہے کہ وہ ایزد کی سچائی میں کچھ نہیں کہے گی اس طرح عمر سعید اور امرحہ دونوں بدنام ہوجاتے لیکن امرحہ اس کی دھمکی میں نہیں آتی۔

پروفیسر تمام بات جان کر حمزہ عباسی کو ایزد کے بے گناہ ہونے کا بتاتے ہیں اور اسے دوبارہ سے یونیورسٹی آنے کا کہتے ہیں مگر ایزد گھر پر نہیں ہوتا۔

امرحہ یونیورسٹی جانے کے لیے بس اسٹاپ پر کھڑی ہوتی ہے تب ایک کار اس کے قریب آ کر رکتی ہے اور اس میں سے ایک آدمی نکل کر امرحہ کو اغوا کرلیتا ہے۔

〈اب آگے پڑھیے〉

❁.....❁.....❁

دل کے آتش دان میں شب بھر
کیسے کیسے غم جلتے ہیں
نیند بھرا سناٹا جس دم
بستی کی ایک ایک گلی میں
کھڑکی کھڑکی تھم جاتا ہے
دیواروں پر درد کا کہرا جم جاتا ہے
رستہ تکنے والی آنکھیں اور قندیلیں بجھ جاتی ہیں
تو اس لمحے.....
تیری یاد کا ایندھن بن کر
شعلہ شعلہ ہم جلتے ہیں
دوری کے موسم جلتے ہیں
تم کیا جانو
قطرہ قطرہ دل میں اترتی اور پگھلتی
رات کی صحبت کیا ہوتی ہے
آنکھیں سارے خواب بجھا دیں
چہرے اپنا نقش گنوا دیں
اور آئینے عکس بھلا دیں
ایسے میں امید کی وحشت
درد کی صورت کیا ہوتی ہے
ایسی تیز ہوا میں پیارے
بڑے بڑے منہ زور دیئے بھی کم جلتے
لیکن پھر بھی ہم جلتے ہیں
ہم جلتے ہیں اور ہمارے ساتھ تمہارے
غم جلتے ہیں
دل کے آتش دان میں شب بھر
تیری یاد کا ایندھن بن کر
ہم جلتے ہیں

❁.....❁.....❁

تیز آندھی چل رہی تھی بلکہ نہیں..... وہ آندھی نہیں تھی، وہ طوفان تھا..... بھیانک طوفان..... جس نے جڑوں سے پیڑ تک اکھاڑ دیے تھے۔

اس ریتلی خشک زمین پر اوندھے منہ گرے درختوں کے درمیان ایک چڑیا کا چھوٹا سا گھونسلہ بکھرا پڑا تھا۔ گھونسلے میں موجود انڈے ٹوٹ چکے تھے۔ انڈوں کے ساتھ کچھ ہی فاصلے پر ایک زخمی چڑیا پروں میں منہ چھپائے مری پڑی تھی۔

دور سے گھونسلے کی طرف واپس پلٹنے والا چڑا، خشک حلق کے ساتھ بکھرے ہوئے گھونسلے کے اوپر چکر لگاتا شور مچا رہا تھا۔ اس کی بے بسی قابل دید تھی۔ وہ کبھی گھونسلے کے اوپر گول گول چکر لگاتا تو کبھی پتھریلی گرم زمین پر اوندھے منہ گری چڑیا کے مردہ وجود کے پاس اتر کر اپنی چونچ زور زور سے زمین پر مارتا۔

طوفان کو تھم جانا تھا۔

آندھی کو رک جانا تھا مگر..... وہ گھونسلہ جو ٹوٹ چکا تھا اسے اب دوبارہ آباد نہیں ہونا تھا۔ خشک ریتلی زمین پر اوندھے منہ گرے درختوں کے قریب پیاس اور طوفان کی شدت سے ہار مان کر جو چڑیا مر چکی تھی اسے اب دوبارہ زندہ نہیں ہونا تھا۔

Digitized by Google

تاحد نگاہ وحشت اور خاموشی کی چادر میں لپٹے اس سنسان صحرا میں اب کسی ذی روح کا قیام ممکن ہی نہیں تھا۔

❁.....❁.....❁

اندھیرا بڑھتا جارہا تھا۔ ایک اجنبی سنسان جگہ پر قید ہوئے اسے کئی گھنٹے گزر چکے تھے مگر وہاں کوئی نہیں آیا تھا۔ اسے اب شفاء اور فاطمہ کی باتیں یاد آرہی تھیں مگر اب کیا ہوسکتا تھا۔ پانی سر سے گزر چکا تھا۔ وہ نڈھال وجود کے ساتھ دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ اپنا گھر، اپنا کمرا، اپنے رشتے اسے رہ رہ کر یاد آرہے تھے اور رلا رہے تھے۔ نجانے اس کے ساتھ ابھی اور کیا کچھ ہونے والا تھا۔

کمرے میں بڑھتے اندھیرے نے جیسے اس کا گلہ گھونٹنا شروع کردیا تھا اسے مجبوراً اٹھ کر بلب روشن کرنا پڑا۔ کمرے میں روشنی کا بندوبست تھا مگر کمرے سے باہر اندھیرا بڑھتا جارہا تھا۔ نجانے وہ کہاں لاکر قید کی گئی تھی۔

"کوئی ہے؟" ایک مرتبہ پھر کھڑکی کے قریب ہوتے اس نے بلند آواز میں صدا بلند کی مگر وہاں کوئی ہوتا تو اس کی پکار پر کان دھرتا۔ نتیجتاً اسے بے بس ہوکر پھر سے خاموش ہونا پڑا۔

وقت جیسے جیسے بڑھتا جارہا تھا، اس کے خوف میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ وہ اپنے گھر کے علاوہ کہیں اکیلی نہیں رہتی تھی۔ زندگی میں پہلی بار اسے یہ اذیت دیکھنی پڑ رہی تھی۔ یقیناً اب تک تو سارے شہر میں اس کی رسوائی کے چرچے پھیل چکے ہوں گے۔

بھوک پیاس کے ساتھ سردی جیسے ہڈیوں میں گھسی جارہی تھی مگر وہاں اس کے پاس سردی سے بچنے کا کوئی انتظام نہیں تھا۔

باہر بارش شروع ہوگئی تھی۔ امرحہ نے کھڑکی بند کردی۔ سرد ہوا کے جھونکے رات کی بڑھتی ہوئی تاریکی کے ساتھ اس کا خوف مزید بڑھا رہے تھے۔ وہ گھٹنوں میں منہ چھپا کر مختلف قرآنی آیات کا ورد کرتی رہی۔ رات کے نجانے کس پہر اسی حالت میں بیٹھے ہوئے اس کی آنکھ لگ گئی تھی۔ صبح وہ بیدار ہوئی تو اس کا پورا جسم اکڑا ہوا تھا۔

دن اچھا خاصا چڑھ آیا تھا۔ پیاس کی شدت سے حلق میں جیسے کانٹے اگ آئے تھے مگر وہ بے بس تھی۔ اس کے پاس فرار ہونے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ بمشکل اپنے اکڑے ہوئے وجود کو حرکت میں لاتی وہ پھر کھڑکی کے قریب آئی تھی۔

دن کے اجالے نے رات والے خوف کو قدرے زائل کردیا تھا۔ اس نے کھڑکی کھولی تو باہر دھوپ چمک رہی تھی۔ وہ ایک ایک چھوٹا سا لال اینٹوں کا بنا مکان تھا۔ چھوٹا سا صحن جس کے ایک کونے میں باتھ روم بنا کر ساتھ ہی کچھ فاصلے پر ہینڈ پمپ نصب کیا گیا تھا۔

مکان کی حالت بتا رہی تھی کہ وہاں قرب و جوار میں شاید دور دور تک کہیں آبادی کا نام و نشان بھی نہیں تھا مگر پھر بھی وہ چلائی تھی۔

"کوئی ہے..... پلیز میری بات سنو۔" وہ کل جیسی ایک اور اذیت ناک تاریک رات کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ جب ہی مسلسل چلاتی رہی۔

وہاں قرب و جوار میں رہائشی گھر نہیں تھے مگر جس سڑک پر وہ "مکان" تعمیر تھا۔ وہ سڑک لوگوں کے استعمال میں آتی تھی۔ اس وقت بھی کچھ لوگ وہاں سے گزر رہے تھے، جب اس کی پکار کمرے سے صحن کا سفر طے کرتی باہر سڑک پر موجود لوگوں کی سماعتوں سے جا ٹکرائی۔ ایک موٹر سائیکل کے ٹائر تیزی سے چرچرائے تھے۔

"اندر کوئی ہے، کیا تم نے کسی عورت کی آواز سنی؟" ایک ادھیڑ عمر شخص ایک نوعمر لڑکے سے پوچھ رہا تھا۔ لڑکے نے اثبات میں سر ہلایا۔

"جی ہاں آواز تو میں نے بھی سنی ہے۔"

"مگر یہ گھر تو بند لگ رہا ہے۔"

"بند تو نہیں ہے، ایک لڑکا رہتا ہے یہاں، شاید اسی کی کوئی رشتہ دار ہو۔"

"ہوسکتا ہے، مگر وہ چلا کیوں رہی ہے؟"

Digitized by Google

"میں کیا کہہ سکتا ہوں جی۔"

"میرے خیال سے ہمیں اندر چل کر حالات کا جائزہ لینا چاہیے۔" ادھیڑ عمر شخص فکر مند تھا۔ تب ہی ایک رکشہ وہاں آ کر رکا۔ رکشے سے نکلنے والے شخص نے کرائے کے پیسے ادا کیے پھر ان دونوں حضرات کی طرف متوجہ ہوا۔

"السلام علیکم! خیریت؟"

"وعلیکم السلام! میاں خیریت نہیں ہے، یہ مکان بند ہے اور اندر کوئی لڑکی چلا رہی ہے۔" ادھیڑ عمر شخص نے اپنی وہاں موجودگی کی وجہ بیان کی۔

آنے والے کی پیشانی پر ناگواری کی ایک ہلکی سی لکیر ابھر کر معدوم ہوگئی۔ ایک نظر اس نے سامنے مکان پر ڈالی پھر اپنے سامنے کھڑے بزرگ سے گویا ہوا۔

"میری بیوی ہے، ابھی دو روز پہلے یہاں آئی ہے، کل رات خراب موسم کی وجہ سے میں شہر سے گھر نہیں آسکا تو گھبرا کر چلا رہی ہوگی، اب میں آ گیا ہوں برائے مہربانی آپ اپنا کام کریں، پلیز۔"

"دیکھا، میں نے کہا تھا ناں کوئی رشتے دار ہوگی اس کی۔" نوعمر لڑکے کو اپنی ذہانت ثابت کرنے کا موقع مل گیا، ادھیڑ عمر شخص اثبات میں سر ہلاتا شرمندہ سا آگے بڑھ گیا۔

امرحہ چلا چلا کر تھک گئی تو دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ اس کا سر بے حد بھاری ہو رہا تھا۔ اوپر سے بخار کی کیفیت بھی تھی۔ وہ ابھی آنکھیں موندے وہاں سے فرار کا سوچ ہی رہی تھی جب بیرونی دروازہ کھول کر کوئی پورے اعتماد کے ساتھ قدم اٹھاتا گھر کے اندر چلا آیا۔ امرحہ کا دل بے ساختہ زور سے دھڑکا۔

کھڑکی کے پٹ کھولتے ہوئے اس کے ہاتھ واضح طور پر کپکپائے تھے۔ تب ہی کوئی کمرے کا دروازہ کھول کر اندر آیا تھا۔ امرحہ نے دیکھا اور پھر جیسے ساکت رہ گئی۔

"تم.....!" اسے جیسے اپنی آنکھوں پر یقین ہی نہیں آیا اور اس نے جیسے اس کا سوال سنا ہی نہیں۔

امرحہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھتی رہی۔ وہ اب بیڈ پر بیٹھا اپنے جوتوں کے تسمے کھول رہا تھا۔ عام سے لباس میں ہلکی ہلکی بڑھی ہوئی شیو کے ساتھ وہ پہلے والے ایزد حسن سے کتنا مختلف لگ رہا تھا۔ امرحہ لپک کر اس کے قریب چلی آئی۔

"ایزد..... ایزد مجھے معاف کردو پلیز، میں نے تمہارے ساتھ جو کیا میں بہت پچھتائی ہوں..... میں نے..... میں نے فون پر پرنسل صاحب کو بھی سب سچ بتا دیا ہے، انہوں نے عمر سعید کو یونیورسٹی سے نکال دیا ہے، پلیز مجھے معاف کردو، میں نے اپنے جرم کا ازالہ کردیا ہے....."

"چٹاخ۔" اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور کہتی ایزد کا بھاری ہاتھ اس کے گال پر نشان چھوڑ گیا۔

"بس..... تم نے زندگی میں جتنا بولنا تھا تم بول چکی ہو امرحہ حسین، آج کے بعد میں کبھی تمہاری بک بک نہ سنوں، ورنہ وہ حشر کروں گا تمہارا کہ تم موت کے لیے ترسو گی مگر تمہیں موت بھی نہیں آئے گی۔" سرخ آنکھوں میں نفرت کا الاؤ دہکائے اس نے شہادت کی انگلی اٹھا کر اتنے سخت لہجے میں تنبیہ کی کہ وہ ہکا بکا سی گنگ ہو کر اسے دیکھتی رہ گئی۔

یہ نرم مزاج بے حد سلجھا ہوا شریف ایزد حسن تو نہیں تھا۔ یہ تو کوئی اور تھا بے حد سخت جان، سخت دل، الجھا الجھا سا شخص..... بھلا وہ کیا کرنے کا ارادہ رکھتا تھا یہ جاننا ابھی اس کے لیے بے حد مشکل تھا۔ دوپہر ڈھل رہی تھی۔ امرحہ چپ چاپ بیٹھی اسے دیکھتی رہی۔

ایزد نے ہینڈ پمپ سے پانی بھر کر غسل خانے میں رکھا، پھر تازہ دم ہو کر اس نے اپنے کپڑوں کی جیب سے موبائل نکالا اور کسی کو کال ملائی۔ وہ اسے یوں قطعی طور پر نظر انداز کیے ہوئے تھا جیسے وہ وہاں موجود ہی نہ ہو۔

"ہیلو۔" کچھ ہی لمحوں کے بعد اس کی لائن غالباً مل گئی تھی۔ امرحہ کا دم دم ساعت بن گیا تھا۔

"ہاں میرب، کچھ بات بنی؟" وہ اپنی یونیورسٹی فیلو

Digitized by Google

میرب کے ساتھ رابطے میں تھا۔ امرحہ کا دل چاہا وہ اس سے موبائل چھین کر میرب کو اپنی وہاں موجودگی کا بتائے تاکہ اس کے گھر والوں کو پتہ چل سکے کہ وہ کہاں ہے، مگر موبائل چھیننا اتنا آسان نہیں تھا جتنا کہ سوچنا۔ وہ اونچی آواز میں بول کر میرب تک اپنی آواز پہنچا سکتی تھی، تب ہی اپنی جگہ سے اٹھ کر ایزد کے قریب آتے ہوئے ابھی اس نے منہ ہی کھولا تھا کہ ایزد نے لپک کر اسے اپنی حراست میں لیتے ہوئے اس کے منہ پر اپنا بھاری ہاتھ جما دیا۔ امرحہ اس کی مضبوط گرفت میں کسی چڑیا کی طرح پھڑ پھڑا کر رہ گئی۔

میرب کچھ بول رہی تھی، وہ خاموشی سے سنتا رہا۔

"چلو ٹھیک ہے، میں یہاں سیٹ نہیں ہوں۔" امرحہ نہیں جانتی تھی کہ وہ کس بارے میں بات کر رہے تھے، مگر وہ اتنا ضرور جانتی تھی کہ ایزد حسن مالی مشکلات کا شکار ہے۔ شاید اس کے گھر والوں نے اسے گھر سے نکال دیا تھا۔ ایزد نے کال کٹ کرنے کے بعد ایک جھٹکے سے اسے پرے دھکیلا۔

"گٹ آؤٹ۔" نفرت سے کہہ کر وہ کمرے سے باہر چلا گیا۔ امرحہ نے لپک کر اس کے پیچھے جانا چاہا مگر اس سے پہلے ہی اس نے کمرے کا دروازہ پھر لاک کر دیا تھا۔

❁.....❁.....❁

رات اپنے پر پھیلائے پھر سے سارے ماحول پر قابض ہونے کو تیار تھی۔ امرحہ نے رو رو کر اپنا حشر کر لیا تھا۔ ایزد حسن انسانیت کے تمام درس بھلائے اسے تیز بخار میں پھنکتا چھوڑ کر پھر کہیں چلا گیا تھا۔

مارے بھوک پیاس کے وہ بے جان سی ہو گئی تھی۔ کتنی ہی دیر تک وہ بلند آواز میں "ہیلپ، ہیلپ" چلاتی رہی، جب تھک کر نڈھال ہو گئی تو دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ اسے خبر ہی نہیں تھی کہ مغرب کے بعد چوروں اور ڈکیتیوں کی مختلف وارداتوں کے سبب اس علاقے میں کوئی بھول کر بھی قدم نہیں رکھتا تھا۔ رات کا سناٹا اور سرد ہواؤں کا شور بڑھتا جا رہا تھا۔

اسے شفاء ٹوٹ کر یاد آئی۔ وہ کبھی اسے اکیلا نہیں چھوڑتی تھی۔ ماں کے بعد وہ اس کی بڑی بہن کے ساتھ ساتھ ماں بھی بن گئی تھی مگر اس وقت وہ اس کے پاس نہیں تھی۔

ایزد حسن کے ارادے کیا تھے وہ اچھی طرح سمجھ سکی تھی تب ہی رو رہی تھی۔ گھڑی کی سوئیاں جیسے جیسے آگے کا سفر طے کر رہی تھیں، امرحہ کے اوسان خطاء ہو رہے تھے۔ بے بسی سی بے بسی تھی۔

اسے وضو کرنا تھا۔ نماز پڑھنی تھی، مگر یہ سب تب ہی ممکن تھا جب وہ کمرے سے باہر جا سکتی۔ یہ کمرا تو اب جیسے اس کی قبر بنتا جا رہا تھا۔ رات اب آدھی رات میں ڈھل گئی تھی۔ امرحہ بخار سے ٹوٹتے وجود کے ساتھ زمین سے اٹھ کر بستر پر ڈھے گئی۔ دل ایک اجنبی جگہ پر تنہائی کے خوف کی شدت سے لرز رہا تھا۔

وہ روتی رہی یونہی روتے ہوئے نجانے کب اس کی آنکھ لگ گئی، اسے پتہ ہی نہیں چلا۔ صبح جب اس کی آنکھ کھلی تو اس سے چلنا بھی محال تھا۔ پیاس کے ساتھ ساتھ بخار کی شدت نے اسے نچوڑ کر رکھ دیا تھا، مگر اسے یہاں قید میں رکھنے والے "شریف النفس" شخص کو اس کا احساس تک نہیں تھا۔

دن کے تقریباً ساڑھے گیارہ بجے وہ پھر آیا تھا۔ امرحہ نیم بے ہوشی کی حالت میں کراہ رہی تھی۔ یونہی کراہتے ہوئے ذرا دیر کو اس کی آنکھ کھلی تو اس نے دیکھا وہ اپنا مختصر سا سامان پیک کر رہا تھا۔ اس کا جی چاہا وہ بھاگ کر جائے اور اس کے پاؤں پکڑ لے، اس کے آگے ہاتھ جوڑ کر یوں روئے کہ اس کا دل پگھل جائے اور وہ اسے معاف کر دے مگر بھاگ کر جاتی کیسے؟ اس کا تو یہ حال تھا کہ ہلا بھی نہیں جا رہا تھا۔

سخت بے بسی کے عالم میں خشک لبوں پر سوکھی زبان پھیرتے ہوئے بمشکل وہ آواز نکال پائی تھی۔

"پانی۔" وہ جو قطعی طور پر اسے نظر انداز کیے اپنے کام میں مصروف تھا اس کی پکار پر یوں چونک کر متوجہ ہوا جیسے

Digitized by Google

اسے وہاں اپنے سوا کسی اور وجود کی موجودگی کا احساس ہی نہ ہو۔

"پانی۔" بند آنکھوں اور خشک ہونٹوں سے پھر صدا بلند ہوئی مگر اس بار بھی اس نے نظر انداز کردیا۔ یوں جیسے اس کے زندہ رہنے نہ رہنے میں اسے کوئی دلچسپی ہی نہ ہو۔

اپنا مختصر سا سامان پیک کرنے کے بعد اس نے پورے کمرے پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی، پھر اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"میں یہ مکان چھوڑ رہا ہوں، اگر اپنے قدموں پر ساتھ چل سکو تو بہتر ہے ورنہ مجبوراً مجھے گھسیٹ کر ساتھ لے جانا پڑے گا۔" امر ہوش میں ہوتی تو سمجھ جاتی مگر وہ تو اپنے حواس میں ہی نہیں تھی پھر اس کے حکم کی تکمیل کیسے کرتی۔

ایزد نے اپنا حکم دہرانے کی زحمت نہیں کی تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر اس کا بازو پکڑا اور بناء اس کی حالت پر رحم کرتے اپنے ساتھ گھسیٹنا شروع کردیا تھا۔

اس کی کلائی ایزد کے ہاتھ میں تھی اور وہ زمین پر اگر جو ہوش میں ہوتی تو اس سلوک پر تڑپتی اور وجہ جاننے کی کوشش کرتی کہ آخر کیوں وہ اسے اذیت پہنچا رہا ہے، ایک بار ہی مار کیوں نہیں دیتا۔

❁.....❁.....❁

شدید ٹھنڈ میں بناء کسی گرم شال کے سردی کے احساس سے بے خبر وہ تیز تیز چل رہی تھی۔ جب اچانک سائیڈ روڈ سے نکلتی گاڑی کے ٹائر عین اس کے قدموں کے پاس چرچرائے۔

احد جلدی میں تھا مگر اس کے باوجود اخلاقیات نبھاتے ہوئے وہ گاڑی سے اتر کر نیچے آیا، اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ صبح اتنی خوب صورت ہوسکتی ہے۔ وہ جلدی میں تھا اسے ضروری کام سے جانا تھا سب بھول گیا یاد رہا تو محض اتنا کہ اس کے سامنے وہ خوب صورت لڑکی کھڑی تھی جس کے گلاب سے چہرے نے اسے پچھلے کئی دنوں سے سونے نہیں دیا تھا۔

شفاء گاڑی کو اس قدر قریب دیکھ کر توازن برقرار نہ رکھ سکی اور اس کی کہنی پر اچانک گرنے سے ہلکی سی چوٹ آگئی، جس سے خون نکل رہا تھا مگر اسے اس چوٹ کی پروا نہیں تھی۔ جبکہ احد کی جان پر بن گئی تھی۔

"ایم سوری، میں ذرا جلدی میں تھا میں نے توجہ نہیں دی۔" قصور سراسر شفاء کا تھا مگر وہ الزام اپنے سر لے رہا تھا۔ شفاء نے اپنے آنسو صاف کیے۔ پھر اثبات میں سر ہلاتی آگے بڑھ گئی۔ احد بے چین ہوکر رہ گیا۔

"ایکسکیوزمی۔" وہ پیچھے لپکا مگر شفاء نے پلٹ کر نہیں دیکھا۔ مجبوراً اسے اس کے ساتھ چلنا پڑا۔

"میری بات سنیں پلیز، آپ کو چوٹ لگی ہے خون بہہ رہا ہے، یہاں قریب ہی ایک کلینک ہے وہاں چلتے ہیں ایسی چوٹ میں انجکشن ضروری ہوتا ہے۔"

"میرے لیے ضروری نہیں ہے۔" خنکی صرف موسم میں ہی نہیں اس کے لہجے میں بھی تھی۔ احد بالوں میں ہاتھ پھیر کر رہ گیا۔

"دیکھیے میں جانتا ہوں آپ اس روز کی باتوں کی وجہ سے خفا ہیں مگر میرا یقین کیجیے۔ میری آپ کے متعلق ایسی سوچ بالکل نہیں ہے، میں آپ کو ایک بہت اچھی لڑکی تصور کرتا ہوں۔" تیز قدموں سے اس کے ساتھ چلتا وہ اپنا مدعا بیان کررہا تھا جب وہ رکی۔

"آپ کیوں اپنا اور میرا وقت برباد کررہے ہیں؟ مجھے دلچسپی نہیں ہے۔ آپ میرے بارے میں کچھ بھی سوچیں نہ سوچیں لیکن پلیز میرا راستہ چھوڑ دیں۔ مجھے ابھی پولیس اسٹیشن پہنچنا ہے۔" اس کی آنکھوں کے ساتھ ساتھ لہجہ بھی نم تھا۔

"پولیس اسٹیشن.....! سب ٹھیک تو ہے؟" احد ٹھٹکا۔

"پلیز آپ اپنا کام کریں مجھے میرا کام کرنے دیں۔" شفاء نے اب باقاعدہ ہاتھ جوڑ دیے تھے۔ احد شرمندہ ہوگیا۔

"ٹھیک ہے، آیئے میں آپ کو پولیس اسٹیشن چھوڑ دیتا ہوں۔"

Digitized by Google

"نہیں چلی جاؤں گی، مجھے راستہ معلوم ہے۔" درشتگی سے کہتی ہوئی وہ تیز قدموں سے آگے بڑھ گئی۔

احد وہیں کھڑا بے بسی سے اسے دیکھتا رہا۔ قریبی تھانے کا ایس ایچ او اس کے ایک عزیز دوست کا بھائی تھا۔ وہ شفاء سے قدرے فاصلہ رکھتا، اس کے پیچھے وہیں چلا آیا، شفاء اپنا مسئلہ بتا کر چلی گئی تو وہ وہیں گاڑی پارک کرتا ایس ایچ او کے آفس میں چلا آیا۔

"السلام علیکم یاور بھائی، کیسے ہیں آپ؟"

"ارے احد، وعلیکم السلام، تم یہاں کیسے؟ آؤ بیٹھو۔"

"شکریہ، یہاں سے گزر رہا تھا سوچا آپ سے سلام دعا کرتا چلوں اور سنائیں جاب کیسی جا رہی ہے؟"

"الحمدللہ، ابھی تک تو سب ٹھیک ہے، تم سناؤ، تمہارا بزنس کیسا چل رہا ہے؟"

"اے ون، الحمدللہ، اچھا یہ بتائیں ابھی جو محترمہ یہاں سے نکل کر گئی ہیں، ان کے ساتھ کیا مسئلہ ہے؟" مطلب کی بات پر آنے میں اس نے زیادہ وقت نہیں لیا تھا۔ ایس ایچ او بھی سمجھ دار شخص تھا، معاملے کی تہہ تک پہنچنے میں اسے زیادہ وقت نہیں لگا، تب ہی مسکرا کر بولا۔

"تو یہ بات ہے، میں بھی کہوں کہ تم جیسے مصروف انسان کے پاس صبح صبح اتنا وقت کہاں سے آیا کہ تم اسپیشلی ہم سے آ کر ملو۔" احد مسکرا دیا۔ اسے اپنی چوری پکڑے جانے پر کوئی شرمندگی نہیں تھی۔ ایس ایچ او اپنا تیر صحیح نشانے پر لگا دیکھ کر مسکراتے ہوئے مزید کہنے لگا۔

"کافی سیریس کیس ہے ان کا تقریباً پچھلے ایک ہفتے سے ان کی جوان بہن کا کوئی اتا پتا نہیں ہے ایک ہفتہ پہلے یونیورسٹی جاتے ہوئے شاید وہ راستے میں اغوا ہو گئی تھی۔ محترمہ کا کہنا ہے کہ یونیورسٹی کا ایک لڑکا غالباً عمر سعید نام ہے اس کا اس اغوا کے پیچھے ہو سکتا ہے۔ بہر حال کبھی کہانی ہے، ان کا باپ اس صدمے سے فالج زدہ ہو گیا ہے گھر میں اور کوئی نہیں جو اس سلسلے میں کیس کی پیروی کر سکے۔"

"تو آپ نے اب تک اس سلسلے میں ان کی کوئی مدد کی؟"

"ہوں..... کوشش کر رہے ہیں، مگر ابھی تک کوئی سرا ہاتھ نہیں لگ رہا، عمر سعید ایم بی اے کا بیٹا ہے۔ اس کی مکمل چھان بین کی ہے مگر لڑکی کو اس نے اغوا نہیں کیا۔"

"اوہ..... پھر اب کیا ہوگا؟"

"کچھ نہیں، لڑکی کی تلاش جاری ہے۔ جلد نہیں تو دیر سے ہی سہی، ہم ان شاء اللہ اسے ڈھونڈ نکالیں گے۔ بس شرط یہ ہے کہ اس نے کہیں خودکشی نہ کر لی ہو۔"

"اللہ خیر کرے۔ پلیز جیسے ہی کوئی پیش رفت ہو اس کیس میں مجھے ضرور مطلع کیجیے گا۔ میرا نمبر تو ہے ہی آپ کے پاس، اب چلتا ہوں ان شاء اللہ پھر ملاقات ہوگی۔"

"ہوں ضرور، ان شاء اللہ۔" ایس ایچ او یاور حیات نے باقاعدہ کھڑے ہو کر اس سے مصافحہ کیا۔

احد قدرے بے چین سا وہاں سے چلا آیا۔ اسے رہ رہ کر خود پر غصہ آ رہا تھا کہ اس نے اب تک شفاء کے گھرانے کی معلومات کیوں اکٹھی نہیں کی؟ وہ کتنی اذیت اور تکلیف میں زندگی گزار رہی تھی مگر اسے خبر تک نہ تھی۔ کیا چاہنے والے اتنے ہی بے خبر ہوتے ہیں، جتنا وہ تھا؟

وہ بھول گیا کہ اسے کہاں جانا تھا، اسے کتنی جلدی تھی یا درد تو محض اتنا کہ اسے شفاء کی مدد کرنی ہے بس۔

اگلے چوبیس گھنٹوں میں اسے شفاء حسین کے گھرانے سے متعلق تمام معلومات موصول ہو چکی تھیں۔ اسی روز شام میں وہ اس کے گھر چلا آیا۔ شفاء رات کی باسی روٹی کھا رہی تھی۔ دستک کی آواز پر اسے یہی لگا کہ ساتھ والی عشرت آپا ہوں گی کیونکہ مشکل کے ان دنوں میں وہی سگے رشتوں کی طرح ساتھ نبھا رہی تھیں۔ رات گوشت کے سالن کے ساتھ روٹی بھی انہوں نے ہی بھجوائی تھی۔ شفاء نے وہ سالن حسین صاحب کو کھلا دیا تھا۔ باقی بچ جانے والی روٹی ہاٹ پاٹ میں سنبھال کے رکھ دی تھی۔

امرحہ کے بعد اسے کچھ بھی کھانا پینا اچھا نہیں لگ رہا تھا مگر جینے کے لیے کچھ نہ کچھ تو حلق سے نیچے اتارنا ہی تھا لہٰذا اس وقت وہ یہی کر رہی تھی کہ دروازہ بج اٹھا۔ کھانا چھوڑ کر وہ دروازہ کھولنے چلی آئی تھی۔

Digitized by Google

مغرب کا وقت تھا، اس نے دروازہ کھول دیا۔ سامنے عشرت آپا کی جگہ احد مصطفیٰ کو کھڑے دیکھ کر وہ حیران رہ گئی۔

"تم یہاں؟"

"ہوں، ہٹو سامنے سے، مجھے تمہارے گھر کی تلاشی لینی ہے۔" سنجیدگی سے کہتا وہ اسے نرمی سے ایک طرف کرتا گھر کے اندر چلا آیا۔ شفاء ہکا بکا سی اُس کی جرأت دیکھتی رہ گئی۔

"کیا بکواس ہے یہ؟ تم کیوں ہاتھ دھو کے میرے پیچھے پڑ گئے ہو؟" تنتنا کر وہ اس کے پیچھے لپکی۔

احد چارپائی پر رکھی باسی روٹی اور سرخ مرچ کی چٹنی افسوس سے دیکھ کر رہ گیا۔

"تمیز..... تمیز سے بات کریں پلیز، میں اس وقت آپ کا کوئی عاشق نہیں بلکہ ایک پولیس افسر بن کر آپ سے آپ کی بہن کے کیس میں معلومات لینے آیا ہوں۔ ہمیں اطلاع ملی ہے کہ آپ کی بہن نے اس گھر میں خودکشی کی کوشش کی ہے۔ بس اسی کے ثبوت اکٹھے کرنے آیا ہوں، یہ میرا کارڈ ہے، آپ تسلی کرلیں۔" شفاء کی خفگی پر مکمل وضاحت دیتے ہوئے اس نے اپنی جیب سے کارڈ نکال کر آگے کیا۔ شفاء کی نظریں بے ساختہ کارڈ پر پڑیں۔

"اوزان مصطفیٰ، ایس پی۔" کارڈ دیکھتے ہوئے اس نے زیرلب پڑھا پھر خاموشی سے سر جھکا لیا۔ اسے خبر ہی نہیں تھی کہ احد نے اس تک رسائی کے لیے کیسے کیسے پاپڑ بیلے ہیں۔

"یہاں بیٹھیں۔" خالص پروفیشنل انداز میں شفاء کے جھکے ہوئے سر پر نظر ڈالتے ہوئے اس نے حکم جاری کیا۔ وہ خاموشی سے بیٹھ گئی۔

"اب تفصیل سے ساری بات بتائیں، آپ کی بہن کے ساتھ یونیورسٹی میں کیا ہوا تھا؟" اس کی مدد کرنے سے پہلے اس کے سارے حالات جاننا ضروری تھے۔ شفاء کو مجبوراً بتانا پڑا۔

"اس کی دشمنی چل رہی تھی ایک لڑکے عمر سعید کے ساتھ، اس کا یونیورسٹی فیلو ہے وہ، کچھ روز پہلے اس نے اسے نقصان پہنچانے کی دھمکی دی تھی۔"

"کیوں؟"

"کیونکہ امرحہ نے اس کے غلط کاموں میں اس کا ساتھ نہیں دیا تھا۔" ایز دحسن کا قصہ وہ صاف گول کر گئی تھی۔ اپنی بہن کو مظلوم ثابت کرنے کے لیے یہ ضروری بھی تھا۔ احد نے آہستہ سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"آپ کو کیسے پتہ چلا کہ وہ اغوا ہو چکی ہیں؟"

"اسے خدشہ تھا کہ اس کے ساتھ برا ہوگا اور یہی ہوا۔ اس روز وہ پہلا پیپر دینے گئی تھی اور پھر واپس گھر نہیں آئی۔"

"اس کی فرینڈز وغیرہ سے رابطہ کیا آپ نے؟"

"جی ہاں، سب کو کال کر چکی ہوں مگر کسی کو بھی اس کے بارے میں کچھ نہیں پتہ۔"

"گھر کا خرچ کیسے چل رہا ہے آپ کا؟"

"کیا اس سوال کا تعلق بھی میری بہن کے کیس سے ہے؟"

"نہیں۔"

"تو پھر میں اس کا جواب دینا ضروری نہیں سمجھتی۔"

"آپ کی مرضی۔ اب اگر آپ کی اجازت ہو تو میں گھر کی تلاشی لے لوں؟"

"دیکھیے میری بہن نے خودکشی کرنے کی کوشش نہیں کی، وہ میں تھی جس نے ایسا کیا۔" جھنجھلاہٹ میں اس نے وہ اپنا ہی راز اُگل دیا تھا جسے وہ کسی صورت افشا نہیں کرنا چاہتی تھی۔

احد چونک اُٹھا۔ اس نے تو یونہی ایک فرضی کہانی گھڑی تھی۔ شفاء نے سچ مچ اس میں حقیقت کا رنگ بھر دیا تھا۔ اس کا حیران ہونا فطری عمل تھا۔

"آپ نے.....! مگر کیوں؟"

"میرا خیال ہے میری بہن کے کیس کا اس سوال سے بھی کوئی تعلق نہیں۔"

"خاصی سرد مہر قسم کی خاتون ہیں آپ۔"

Digitized by Google

"جی ہاں، میں ایسی ہی ہوں۔"

"چلیں ٹھیک ہے۔ میں چلتا ہوں اب، ان شاء اللہ میری پوری کوشش ہوگی کہ جلد از جلد آپ کی بہن کا سراغ لگالیا جائے، پھر بھی کسی قسم کی مدد درکار ہو تو آپ بلا جھجک کسی بھی وقت مجھ سے رابطہ کرسکتی ہیں، یہ میرا موبائل نمبر ہے۔" پورے خلوص سے اپنا موبائل نمبر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے اس نے اسے تسلی دی۔ شفاء نے وہ کاغذ اسی کے سامنے پُرزہ پُرزہ کردیا۔

"شکریہ۔ مگر میں اللہ رب العزت کی پاک ذات کے سوا اور کسی کی مدد پر یقین نہیں رکھتی۔" وہ واقعی سمجھ سے باہر تھی۔

اور چند پل خاموشی سے اسے دیکھنے کے بعد وہ واپس پلٹ گیا تھا۔ شفاء آنکھوں میں موجود آنسوؤں کو بہنے کا موقع دیتی ہوئی وہیں صحن میں بیٹھ گئی۔ ایک کے بعد ایک آزمائش نے جیسے اسے ادھورا کردیا تھا۔ امرحہ کیا گم ہوئی، اسے لگا وہ جیسے زندہ ہی نہیں ہے۔ جیسے پوری دُنیا میں اب اس کا کوئی رشتہ باقی نہیں بچا ہو۔

کوئی لمحہ ایسا نہیں تھا جب وہ اسے یاد کرکے روئی نہ ہو۔ جس روز اس کا پہلا پیپر تھا، اس کی جان سولی پر اٹکی رہی تھی، لاکھ خود کو گھر کے کام کاج میں مصروف کرنے کی کوشش کی مگر دھیان بار بار امرحہ کی طرف جارہا تھا اور پھر وہی ہوا، اس کا اضطراب بے معنی نہیں تھا۔ عصر سے مغرب اور مغرب سے عشاء ہوگئی مگر نہ تو وہ گھر لوٹی، نہ اس کے بارے میں کوئی اطلاع ہی مل سکی۔ وہ رات شفاء حسین کی زندگی کی نہایت تکلیف دہ رات تھی۔ اس نے امرحہ سے وابستہ کوئی فرد ایسا نہیں چھوڑا جس سے اس کا لمحے بھر کا تعلق رہا ہو اور شفاء نے اسے کال کرکے امرحہ کا نہ پوچھا ہو۔

حسین صاحب سے اس نے جھوٹ بول کر سچ چھپائے رکھا، مگر کب تک؟ اگلے روز کی سپیدی کے ساتھ ہی اس کے جھوٹ کا بھانڈا پھوٹ گیا، جب امرحہ انہیں پورے گھر میں کہیں دکھائی نہیں دی۔ یہی وہ وقت تھا جب شفاء کو مجبوراً اب تک کے تمام حالات حسین صاحب کے گوش گزار کرنا پڑے۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ حسین صاحب اس بات کا اتنا اثر لیں گے کہ ان کی زندگی خطرے میں پڑجائے گی۔

اس روز حسین صاحب کو فالج کا زبردست اٹیک ہوا تھا۔ شفاء نے انہیں بچانے کے لیے اپنی ساری پونجی داؤ پر لگادی۔ پچھلے ایک ہفتے میں وہ اپنے قیمتی زیور تک شہر کے بڑے سناروں کی بھینٹ چڑھا چکی تھی۔ اب اس کے پاس اپنے جہیز کے سامان کے سوا فروخت کرنے کے لیے اور کچھ نہیں بچا تھا۔ اس رات بہت ٹھنڈ تھی۔ احد کے جانے کے بعد وہ حسین صاحب کے پاس آکر بیٹھ گئی۔

وہ رو رہے تھے۔ غالباً اپنی تکلیف پر یا اپنی بے بسی پر مگر شفاء کو ان کے رونے سے بہت تکلیف محسوس ہوئی تو وہ وہاں سے اُٹھ کر باہر آگئی۔ وہ برآمدے کے پلر سے ٹیک لگا کر کھڑی ہوگئی۔

"کہاں ہو امرحہ، پلیز لوٹ آؤ۔" بھیگی آنکھوں کا ساتھ دیتے ہوئے اس کے خشک لبوں نے جنبش کی تو اس نے سختی سے آنکھیں میچ لیں۔

"اللہ تمہارا نگہبان ہو، اللہ تمہاری عزت کی حفاظت کرے، آمین۔" آنسو کب دعاؤں میں ڈھل گئے، اسے خبر بھی نہ ہوسکی۔

اس رات حسین صاحب کی طبیعت بہت خراب ہوگئی تھی۔ شفاء انہیں دلیہ کھلا کر سلانے کے بعد اپنے اور امرحہ کے کمرے میں آئی تو بیڈ پر گرتے ہی اس کی آنکھ لگ گئی۔

اگلی صبح اس کی آنکھ خاصی تاخیر سے کھلی تھی۔ فریش ہوکر وہ سیدھی حسین صاحب کے کمرے میں چلی آئی۔ اس کے ہاتھ میں ان کے لیے چائے کا کپ اور کیک تھا۔

"السلام علیکم ابو، اُٹھ گئے آپ؟" وہ سوچ کر آئی تھی کہ انہیں امرحہ کے حوالے سے تسلی دے گی، ان کا حوصلہ بڑھائے گی، تب ہی اس نے زبردستی اپنے موڈ کو بھی فریش کررکھا تھا۔

Digitized by Google

حسین صاحب ہنوز کمبل میں دبکے سو رہے تھے۔ وہ بیڈ پر ان کے پاس ٹک گئی۔

"صبح ہوگئی ہے ابو، اٹھ جائیں اب۔" حسین صاحب کے چہرے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اس نے دھیمے لہجے میں کہا۔ پھر اگلے ہی پل ٹھٹک گئی۔ ان کا زرد چہرہ دیکھ کر اس کے اندر خطرے کی گھنٹی بج رہی تھی۔

"ابو....." اس بار متوحش ہوکر اس نے انہیں جھنجھوڑا ڈالا مگر ابدی نیند میں سوئے دُنیا کے وہ مسافر چاہتے ہوئے بھی اس کی پکار کا جواب نہیں دے سکتے تھے۔

حسین صاحب کی روح پرواز کرگئی تھی۔

شفاء کو جیسے سکتہ ہوگیا۔

زندگی اس کے ساتھ یہ کیسا بھیانک کھیل کھیل رہی تھی۔ اسے لگا جیسے اس کا وجود زمین و آسمان کے درمیان معلق ہوگیا ہو۔

محلے والوں کو حسین صاحب کی وفات کی خبر کیسے ہوئی، کس نے کفن دفن کا انتظام کیا، کون کون جنازے میں شریک ہوا، شاید اسے ہوش تھا، نہ وہ جان سکی تھی۔

پورے تین روز کے بعد وہ اپنے حواس میں لوٹی تو خالی گھر کے دَر و دیوار سے ایک عجیب سا خوف اور وحشت ٹپک رہی تھی۔

عشرت آپا اس کے لیے کھانا رکھ گئیں تھیں۔ وہ ہر ضرورت سے بے نیاز ہوگئی تھی۔ محلے والے کب تک اس کی تنہائی بانٹ سکتے تھے، آخر ان کی اپنی زندگیوں میں بھی سو قسم کے بکھیڑے تھے، اوپر سے جوان لڑکی کو کوئی اپنی ذمہ داری پر اپنے گھر رکھنے کے لیے بھی تیار نہیں تھا۔ وہ گھٹنوں میں منہ دیے گم صم بیٹھی تھی جب عشرت آپا پھر چلی آئیں۔

"کھانا کھالیا شفاء؟" اس کے بکھرے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے انہوں نے شفقت سے دریافت کیا مگر وہ گم صم سی خاموش بیٹھی رہی۔

عشرت آپا کو خود ہی پلیٹ سے ڈھکن اُٹھا کر کھانے کا جائزہ لینا پڑا۔

"ارے یہ تو ویسے کا ویسا ہی رکھا ہے۔ تھوڑا سا کھا لیتیں شفاء، تم نے کب سے کچھ بھی نہیں کھایا..... ایسے تو تم بیمار پڑ جاؤ گی۔"

انہیں اس کی فکر تھی مگر شفاء کو اپنا کوئی ہوش ہوتا تو وہ خیال کرتی۔ وہ تو پتھر کا مجسمہ بنی بیٹھی تھی۔ عشرت آپا کو پھر اسے سمجھانا پڑا۔

"دیکھو شفاء، زندگی میں بہت سے انسانوں پر اللہ رب العزت کی طرف سے اس سے بھی بڑے بڑے دُکھ اور آزمائشیں آتی ہیں مگر اللہ کے پسندیدہ بندے وہی ہوتے ہیں جو ان دُکھوں اور آزمائشوں کی بھٹی سے کندن بن کر نکل جائیں۔ تم یا تمہارا غم اللہ کے لکھے کو ٹال نہیں سکتا، نہ بدل سکتا ہے تو پھر کیوں نہ تم اس کے فیصلوں پر صبر کرلو۔ اس سے رب العزت کے نزدیک تمہارے درجات بھی بلند ہوں گے اور تمہارے دل کو سکون بھی ملے گا۔ تم سمجھ رہی ہو ناں میری بات؟"

"جی۔"

"شاباش، چلو اب یہ بتاؤ تمہارا کوئی دُور نزدیک میں جاننے والا یا کوئی عزیز رشتے دار ہے؟"

"کیوں؟" اس بار اس نے سر اُٹھا کر اُن کی طرف دیکھا۔ جواباً وہ نظریں چراتے ہوئے دھیمے لہجے میں بولیں۔

"تم اب شب و روز اس گھر میں اکیلی نہیں رہ سکتیں، جوان لڑکی ہو سو قسم کے حادثات پیش آسکتے ہیں، اسی لیے ہم سب محلے والوں کا فرض ہے کہ تمہیں تمہارے کسی اپنے عزیز کے ہاں یعنی محفوظ ہاتھوں میں سونپ دیں۔"

ان کی فکر بے جا نہیں تھی۔ شفاء کا درد سے پھٹتا سر مزید بھاری ہوگیا۔ اس نے تو یہ سوچا ہی نہیں تھا کہ وہ اب کہاں اور کیسے رہے گی۔

"تمہارا کوئی عزیز رشتے دار ہے تو بتاؤ۔" انہوں نے پھر سے پوچھا۔

"نہیں، کوئی نہیں ہے۔ ہوتا بھی تو مجھے یہیں اسی گھر میں رہنا تھا۔ میں اپنا گھر چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گی۔"

Digitized by Google

"مگر تم اب یہاں اکیلی نہیں رہ سکتیں۔"

"میں رہ لوں گی۔ کیا پتہ میری بہن لوٹ آئے۔ وہ اگر لوٹ کر آئی اور اسے یہ دَر بند ملا تو وہ مر جائے گی۔ اس کا تو کوئی ٹھکانہ بھی نہیں ہے دُنیا میں۔"

"ٹھکانے اللہ بناتا ہے شفاء۔ ہم سب یہاں ہیں، وہ اگر آئی تو بے آسرا نہیں ہوگی۔"

"نہیں، میں اپنا گھر نہیں چھوڑ سکتی۔"

"فضول ضد نہیں کرتے شفاء، مجھے تمہاری فکر ہے اسی لیے کہہ رہی ہوں۔"

"آپ میری فکر نہ کریں پلیز، میں اپنی حفاظت خود کرلوں گی۔ پھر آپ لوگ بھی تو ہیں پاس، اگر کوئی مسئلہ ہوا تو آپ کو مدد کے لیے بلالوں گی۔"

"چلو جیسی تمہاری مرضی، ہم تو تمہارا بھلا ہی چاہتے تھے۔"

"شکریہ عشرت آپا مگر میں اپنے حال میں خوش ہوں۔"

"چلو ٹھیک ہے، میں اب چلتی ہوں، تم اپنا خیال رکھنا۔"

"جی بہتر۔"

وہ کچھ بھی سمجھنے کے موڈ میں نہیں تھی۔ عشرت آپا کو فی الوقت اسے اس کے حال پر چھوڑنا ہی مناسب لگا۔

شفاء نے وہ رات پہلی بار اپنے گھر میں تنہا جاگ کر رو رو کر گزاری۔ بابا اور امرحہ کے بغیر اس گھر میں رہنا اس کے لیے سزائے موت کے مجرم کی طرح تھا۔ اگلی دو، تین راتیں بھی یونہی گزر گئی تھیں۔

اس روز سردی بہت زیادہ تھی۔ شفاء نمازِ عشاء کے بعد اپنا کمرہ لاک کر کے سوگئی۔ رات کے تقریباً تین بجے تھے، جب اس کی آنکھ کھلی، فریش ہونے کی خاطر وہ دل مضبوط کر کے کمرے سے باہر نکل آئی۔ گرم شال اچھی طرح اپنے وجود کے گرد لپیٹ کر تہجد کی غرض سے وضو کر کے وہ اپنے کمرے کی طرف چل دی۔

کمرے میں پہنچ کر دروازہ لاک کرنے کے بعد ابھی وہ جائے نماز ڈھونڈ رہی تھی جب بیڈ کی سائیڈ سے محلے کا آوارہ شخص اعجاز اچانک سے نکل کر سامنے آ گیا۔

شفاء کی نظر جونہی اس پر پڑی، اس کے منہ سے بے ساختہ چیخ نکل گئی۔ وہ شخص وہاں کب آیا، کب سے گھات لگا کر وہ اس کے گھر میں غلط ارادے سے چھپ کر بیٹھا تھا، اسے مطلق خبر نہ ہوسکی۔

اعجاز عرف بلو نے اس کے چیخنے پر جست لگا کر اسے اپنے بازو میں دبوچا پھر اپنا مضبوط ہاتھ سختی سے اس کے منہ پر جمادیا۔

"خبردار اگر آواز نکالنے کی کوشش کی تو، ہڈیوں کا سرمہ بنادوں گا ابھی کے ابھی۔" وہ خبیث شخص تھا، سارا محلہ جانتا تھا مگر وہ اس حد تک گر جائے گا، یہ شاید شفاء سمیت کسی کے بھی گمان میں نہیں تھا۔ شفاء دہشت سے گنگ ہوگئی تھی۔

اعجاز نے اسے بیڈ پر دھکیلا اور خود اس پر یوں قابض ہوگیا جیسے وہ اس کی جاگیر ہو۔

"کل رات عشاء کے وقت سے اتنی سخت سردی میں باہر صحن میں دُبک کر بیٹھا تھا صرف اسی امید پر کہ کب تو کمرے سے باہر نکلے گی اور کب مجھے اپنی رات رنگین کرنے کا موقع ملے۔ دیکھ لے میری محنت ضائع نہیں گئی۔" اپنا منہ اس کے کان کے پاس لے جا کر سرگوشی کرتے ہوئے وہ مسکرایا تھا۔

شفاء کے وجود میں جیسے چنگاریاں پھوٹ پڑیں۔ کیا وہ اتنی ہی کمزور تھی کہ ایک اوباش شخص کو یوں آسانی سے خود پر مسلط ہونے دیتی؟ نہیں، وہ اتنی کمزور نہیں تھی۔

اس نے عشرت آپا سے کہا تھا وہ اپنی عزت کی حفاظت خود کرسکتی ہے، اسے اب اپنا قول پورا کر کے دکھانا تھا۔

اعجاز بلو نے اسے آسان شکار سمجھا تھا، تب ہی وہ اس کی طرف سے بے فکر تھا مگر شفاء کی اچانک مزاحمت کی کوشش نے اسے لڑھک کر بیڈ سے نیچے گر جانے پر مجبور کردیا۔ یہ سب اتنی اچانک ہوا کہ اسے سنبھلنے کا کوئی موقع ہی نہ مل سکا۔ اس سے پہلے کہ سنبھل کر وہ اسے دوبارہ قابو

Digitized by Google

کرتا، وہ بجلی کی سرعت سے دروازے کی کنڈی کھول کر باہر نکلی اور باہر نکلتے ہی اس نے برآمدے میں پڑا موٹا ڈنڈا اُٹھالیا۔

اعجاز اپنی جوانی اور طاقت کے نشے میں چُور، شراب سے بے حال جونہی اسے دبوچنے کے لیے قریب آیا، شفاء نے پوری قوت سے ڈنڈا اس کے سر پر دے مارا۔ وہ چکرایا، تب ہی شفاء کے دوسرے ڈنڈے کی ضرب نے اس کے رہے سہے اوسان بھی خطا کردیے۔ وہ اس کے سامنے ڈھیر ہوگیا تھا۔ شفاء غصے اور خوف سے کانپتی وہیں بیٹھ گئی۔ اس کی ٹانگوں میں اتنی طاقت نہیں تھی کہ وہ اس کا بوجھ مزید سہار سکتیں۔

ابھی جو کام اللہ رب العزت کی مدد سے اس نے انجام دیا تھا اسے یقین بھی نہ تھا کہ وہ اتنا بڑا بہادری کا کام بھی کرسکتی ہے۔ اگلے ڈیڑھ گھنٹے کے بعد صبح کی سپیدی نمودار ہوگئی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ اعجاز بلو زندہ ہے یا مر چکا ہے مگر یہ طے تھا کہ اسے اب اکیلے اس گھر میں نہیں رہنا تھا۔ رات والے سانحے نے اسے بے حد خوف زدہ کردیا تھا۔

عشرت آپا ابھی نمازِ فجر سے فارغ ہوئی تھیں جب دروازے پر ہونے والی زور دار دستک نے اُن کا دل دھڑکایا۔ باقی گھر والے ابھی سو رہے تھے۔ وہ یا الٰہی خیر کا ورد کرتیں جائے نماز سمیٹ کر دروازے پر آئیں۔

"کون.....؟" دروازے کی کنڈی گرانے سے پہلے انہوں نے تسلی کرنی چاہی تھی، تب ہی شفاء کی گھبرائی ہوئی آواز ان کی سماعتوں سے ٹکرائی۔

"آپا! میں شفا..... پلیز دروازہ کھولیں۔" شفاء کی التجا کے بعد دروازہ کھولنے میں ایک لمحے کی تاخیر بھی بے معنی تھی، ایک لمحہ کی تاخیر کیے بغیر پٹ سے ان کا دروازہ کھل گیا۔

"شفاء تم اس وقت، سب خیر تو ہے؟"

"پتہ نہیں آپا، پلیز آپ ابھی میرے ساتھ چلیں پلیز....." وہ بے حد گھبرائی ہوئی تھی۔

"ارے کچھ بتاؤ تو سہی، ہوا کیا ہے؟"

"سب پتہ چل جائے گا، آپ چلیں پلیز۔"

اب کے اس نے باقاعدہ طور پر ان کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ عشرت آپا بے حد حیران و پریشان سی اسی حال میں اس کے ساتھ چل پڑیں۔

شفاء کا گھر سامنے ہی تھا۔ اگلے دو منٹ کے بعد وہ برآمدے میں اعجاز بلو کو بے ہوش پڑے دیکھ کر ٹھٹک گئیں۔

"یہ..... یہ یہاں کیسے.....؟"

"میری عزت پر حملہ کرنے آیا تھا۔ میں نے ٹھکانے لگادیا۔"

"ہٹو پرے بے وقوف لڑکی..... میں نے اسی لیے کہا تھا محفوظ ہاتھوں میں چلی جاؤ مگر تم نے ایک نہیں سنی میری۔" شفاء کی دیدہ دلیری پر شدید خفگی کا اظہار کرتے ہوئے انہوں نے اسے طرف کرتے سامنے ڈھیر ہوئے شخص کی نبض چیک کی، وہ زندہ تھا۔ انہوں نے شکر کا کلمہ پڑا۔

"شکر خدایا تم ایک بڑی مشکل میں پھنسنے سے بچ گئیں۔ اب چلو میرے گھر، اس کا بندوبست میں کرلیتی ہوں۔"

شفاء کا ہاتھ پکڑ کر فوراً سے پیشتر وہ وہاں سے نکل گئی تھیں۔ اگلے تیس منٹ کے بعد ان کے شوہر نے پولیس کو کال کردی۔ اعجاز بلو کو پولیس نے شفاء کے گھر سے زخمی حالت میں گرفتار کرلیا تھا۔

❁.....❁.....❁

احد مصطفیٰ اس وقت لندن میں تھا جب اس کے سیل پر ایس ایچ او یاور حیات کی کال آئی تھی۔ وہ ہاتھ لے کر ابھی بال سنوار رہا تھا، پ کی آواز پر ایک نظر روشن اسکرین کی طرف دیکھا پھر فوراً سے پیشتر کال ریسیو کی۔

"السلام علیکم یاور بھائی، کہیے کیسے یاد کیا؟"

"وعلیکم السلام شہزادے، ایک اہم خبر دینی تھی تمہیں۔"

"جی جی، میں سن رہا ہوں۔" وہ آرام سے بیڈ پر ٹک

Digitized by Google

گیا۔

"وہ تمہاری ہیروئن ہیں ناں محترمہ شفاء حسین صاحبہ۔"

"جی جی، کیا ہوا انہیں؟"

"انہیں کچھ نہیں ہوا مگر انہوں نے ضرور ایک شخص کو زخمی کردیا ہے۔ محلے والوں کا کہنا ہے کہ وہ شخص رات کی تاریکی کا فائدہ اُٹھا کر ان کے گھر میں بری نیت سے داخل ہوا تھا مگر محترمہ نے اپنی بہادری سے اس کے غلط ارادے خاک میں ملادیئے۔"

"اوہ، اب وہ کہاں ہیں؟"

"فی الحال تو کسی محلے دار کے گھر ہیں، اصل میں جس روز تم لندن کے لیے یہاں سے روانہ ہوئے تھے اسی روز اُن کے والد کی ڈیتھ ہوگئی۔ مجھے بھی اس بات کا ابھی پتہ چلا ہے۔"

"اوہ مائی گاڈ، پھر تو وہ واقعی بہت تکلیف میں ہوگی۔"

"ہوں، ہوسکتا ہے۔"

"یاور بھائی، آپ پلیز میری مدد کریں۔ آپ ابھی اوزان بھائی کو کال کرکے کہیں کہ وہ مجھے پاکستان آنے دیں، میرا اس وقت اس کے پاس ہونا بہت ضروری ہے۔ پلیز یاور بھائی۔ وہ آپ کے کلاس فیلو بھی ہیں اور جگری یار بھی، وہ آپ کی بات نہیں ٹالیں گے، پلیز۔"

"ٹھیک ہے میں کرتا ہوں اوزان سے بات، تم حوصلہ رکھو، میں ہوں یہاں۔"

"میں جانتا ہوں مگر اس وقت میرا اس کے پاس ہونا ضروری ہے۔ پلیز سمجھنے کی کوشش کریں۔" وہ بے حد بے چین ہورہا تھا۔ یاور حیات نے اسے تسلی دے کر کال ڈس کنکٹ کردی۔

❁.....❁.....❁

شفاء سر جھکائے عشرت آپا کے گھر ان کے سامنے بیٹھی تھی اور وہ اس سے پوچھ رہی تھیں۔

"تو تمہارا کوئی عزیز رشتے دار نہیں ہے، دُور پرے کا بھی نہیں۔"

"جی۔" سر جھکائے مجرموں کی طرح بیٹھی رندھے گلے کے ساتھ وہ بمشکل بول رہی تھی۔ تب ہی عشرت آپا کے شوہر بولے۔

"میرے باس کے ایک عزیز ہیں جن کی بیوی کی چار سال پہلے ایک حادثے میں موت ہوچکی ہے، اسی شہر میں بڑا خوب صورت بنگلہ ہے ان کا، ایک بوڑھی دادی ہیں، ایک چھوٹا بھائی۔ غالباً دو بچے ہیں کوئی چھ سات سال کے، انہیں اپنے بچوں کے لیے ایک نیک، شریف، پڑھی لکھی لڑکی چاہیے جو اُن کے نکاح میں رہ کر ان کے گھر اور بچوں کی بہترین دیکھ بھال کرسکے۔ اگر تمہیں اعتراض نہ ہو تو میں ان سے تمہاری بات کرکے دیکھ لیتا ہوں۔"

"نہیں سلیم بھائی، میں اب نکاح نہیں کرنا چاہتی کسی سے بھی نہیں۔"

"تم پاگل ہوگئی ہو شفاء۔ کل رات جو کچھ ہوا، خدانخواستہ وہ زندگی میں کبھی بھی دوبارہ ہوسکتا ہے۔ کیا تم یہ چاہتی ہو کہ یوں پامال ہوجاؤ؟ دیکھو میں بھی ایک عورت ہوں، ایک عورت کے لیے اپنی عزت سے بڑھ کر قیمتی چیز اور کچھ نہیں ہوتی۔ میں سمجھتی ہوں تم عماد کی وجہ سے بہت بکھر گئی ہو مگر عماد دُنیا کا آخری اچھا مرد نہیں تھا۔ ہوسکتا ہے اللہ رب العزت نے تمہارے لیے کچھ اور اچھا لکھ رکھا ہو۔ ویسے بھی تمہیں اس وقت ایک مرد سے زیادہ عزت سے سر چھپانے کا ٹھکانہ چاہیے اور یہ اسی صورت ممکن ہوسکتا ہے جب تم کسی کی عزت بنو، سمجھ میں آرہی ہے ناں میری بات؟"

"آپ صحیح کہہ رہی ہیں عشرت آپا، مجھے آپ سے اختلاف نہیں ہے مگر....."

"مگر مگر کو گولی مارو جو کہہ رہی وہ سنو۔" قطعیت سے اس کی بات کاٹتے ہوئے وہ اپنے شوہر کی طرف متوجہ ہوگئی تھیں۔

"عمر کے ابا، آپ پلیز ان سے بات کریں۔ اللہ نے چاہا تو ہم ضرور شفاء کو اپنے گھر سے سگی بیٹیوں کی طرح رخصت کریں گے۔" وہ ہتھیلی پر سر سوں جمائے بیٹھی

Digitized by Google

تھیں۔ شفاء نے بے بسی سے آنکھیں بند کرلی تھیں۔

❁.....❁.....❁

رات میں عشرت آپا نے اسے اپنے کمرے میں سلایا جبکہ ان کے شوہر اپنے بیٹے کے کمرے میں شفٹ ہوگئے تھے۔ شفاء عشاء کی نماز پڑھ کر آئی تو انہوں نے اسے اپنے قریب بٹھالیا، پھر پیار سے سمجھاتے ہوئے بولیں۔

"میں اس وقت تمہاری ذہنی حالت اور تکلیف کا اندازہ کرسکتی ہوں شفاء، مگر میں تمہاری دشمن نہیں ہوں۔ حسین صاحب وفات پاگئے، امرحہ لاپتہ ہے، ایسے میں کون ہے تمہارا جو تمہارے بھلے کا سوچ سکے۔ میں چاہوں تو اپنے گھر میں بھی رکھ سکتی ہوں تمہیں چھوٹی بہن بنا کر، مگر میرا ایک جوان بیٹا ہے، شوہر ہے، مرد کی نیت خراب ہوتے دیر نہیں لگتی چاہے گھر میں کتنی ہی خوب صورت، سیانی عورت موجود ہو، تم سمجھ رہی ہو ناں میری بات؟"

"جی۔"

"شاباش، ہمارا معاشرہ ایسا ہے شفاء، یہاں چاہے جتنی بھی مضبوط ہو مگر مرد کے بغیر اس کا کوئی مقام، کوئی عزت نہیں۔ میں نے ایس پی اوزان مصطفیٰ کے بارے میں سنا ہے، بہت اچھا انسان ہے، اخلاق کا بھی اور کردار کا بھی، ان شاء اللہ تم ضرور اس کے ساتھ بہت خوش رہو گی۔" اب کے دعا دیتے ہوئے عشرت آپا نے اسے تسلی دی تھی۔ شفاء کے ذہن میں یک دم سے کچھ کھٹکا ہوا۔

"اوزان مصطفیٰ، ایس پی۔"

اونچا، لمبا، بے حد خوب صورت پرسنالٹی والا وہ شخص ہرگز اس قابل نہیں تھا کہ اسے رد کردیا جاتا، مگر وہ شادی شدہ تو نہیں لگتا تھا، یقیناً یہ بھی اس کی شخصیت کی خوبی ہی تھی وگرنہ شفاء تو اس کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ وہ رات اس نے پہلو بدل کر نہ چاہتے ہوئے بھی اوزان مصطفیٰ کے بارے میں سوچتے ہوئے گزار دی تھی۔

صبح فجر کے قریب اس کی آنکھ لگ گئی تھی۔ عشرت آپا نے اسے جگانا مناسب نہ سمجھا۔ اس روز شام میں سلیم بھائی نے عشرت آپا کو بتایا کہ اوزان کے گھر سے شفاء کو دیکھنے کے لیے کچھ لوگ آرہے ہیں۔ وہ کھانے وغیرہ کا انتظام کرلیں۔ عشرت آپا نے یہ بات شفاء کو بتادی تھی۔

عشاء کی نماز سے کچھ پہلے عشرت آپا اسے سادہ سے حلیے میں تیار کرکے ڈرائنگ روم میں لے گئیں۔ وہاں سلیم بھائی کے علاوہ اور تین مرد تھے، جن میں دو ادھیڑ عمر اور ایک خاصا ہینڈسم تقریباً پینتیس، چالیس سال کا مرد تھا۔ شفاء نے سرسری سی ایک نظر ڈال کر سر جھکا لیا تھا۔

اوزان مصطفیٰ کو وہ پسند آئی تھی لہٰذا اس نے ایک بھاری رقم سلیم بھائی کو تھماتے ہوئے ان کی خواہش کے عین مطابق فوری نکاح اور رخصتی کی رضامندی دے دی تھی۔ سلیم بھائی اور عشرت آپا کے پاؤں تو مارے خوشی کے زمین پر نہیں جم رہے تھے۔ اوزان مصطفیٰ نے اس شادی کو فی الحال اپنے گھر والوں سے مخفی رکھا تھا، وہ اپنی دادی، اپنے بھائی اور اپنے بچوں کو اعتماد میں لے کر اس شادی کا اعلان کرنا چاہتے تھے تاکہ شفاء کے لیے ان کے گھر میں کوئی مسئلہ نہ ہو۔

سلیم بھائی سے بھی انہوں نے یہی درخواست کی تھی۔ اگلے روز شام میں ان کا نکاح سادگی سے شفاء حسین سے انجام پایا تھا۔ نکاح میں ان کے سگے چچا، دو کولیگ اور ایک قریبی دوست ایس ایچ او یاور حیات شامل تھے۔ سلیم بھائی اور عشرت آپا نے واقعی اسے اپنی سگی بیٹی کی طرح اپنے گھر سے رخصت کیا تھا۔ عماد حسن سے جدائی کے سال بعد ہی کاتب تقدیر نے اس کے آبلہ پا پاؤں کے لیے ایک نئے سفر کا آغاز لکھ دیا تھا۔

شفاء کے آنسو حسین صاحب اور امرحہ کو یاد کرکے بہنا شروع ہوئے تو پھر ہچکیاں بندھ گئیں مگر اس کے آنسو نہ رُکے۔ لندن میں بیٹھے احد مصطفیٰ کو خبر بھی نہ ہوئی اور اس کی دُنیا بسنے سے پہلے ہی اجڑ کر رہ گئی تھی۔

❁.....❁.....❁

خزاں رسیدہ درختوں پر برف کے ننھے ننھے گالے گزشتہ رات سے گر رہے تھے۔ موسم کی پہلی برف باری شروع ہوچکی تھی۔ اسے وہاں آئے یہ دوسرا ہفتہ تھا اور اس

Digitized by Google

ایک ہفتے میں اس نے جیسے دیو قامت پہاڑوں کے ساتھ ساتھ وہاں کی ٹھنڈ سے بھی دوستی کرلی تھی۔

سرد برفیلے جذبات کے ساتھ بائیں گھٹنوں پر دونوں کہنیاں ٹکائے وہ اپنے حال سے ماضی کا سفر طے کررہا تھا۔ جس روز وہ اپنے ابا کو چھوڑ کر ان کے جگری دوست حمزہ عباسی کے ساتھ آیا تھا، بے حد ڈرا ہوا تھا۔ اسے سمجھ ہی نہیں آتی تھی کہ پہلے ماں اور پھر باپ، دونوں ہی اس کے ساتھ کیوں نہیں رہے۔ کتنی اچھی زندگی گزار رہا تھا وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ، پھر اچانک سے یہ بھونچال کیوں آیا تھا۔ اسے کیوں اجنبی لوگوں کے ساتھ ان کے گھر میں جاکے رہنا پڑا تھا جبکہ وہ جھونپڑی میں خوش تھا۔

پہلی رات جیسے تیسے بیت گئی تھی۔ اگلی صبح ابھی اس کی آنکھ کھلی تھی، جب زہرہ پھوپو کی ایشال اور نوال ہاتھ میں غلیل پکڑے اس کے پاس آ کھڑی ہوئیں۔ وہ انہیں پاس کھڑے دیکھ کر سہم گیا تھا، تب ہی نوال مسکرا کر اس کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

"ایشال، یہ کتنا گندا ہے ناں۔ دانت دیکھو لگتا ہے کبھی صاف ہی نہیں کیے۔ اگر یہ ہمارے ساتھ کھیلے گا تو ہمیں بھی گندا کردے گا۔"

"ہاں، کپڑے دیکھو پھٹے پرانے، ایسے کپڑے تو فقیروں کے بھی نہیں ہوتے۔" ایشال نے اپنی بہن نوال کا ساتھ دیا تھا۔

نوال نے ہاتھ میں پکڑی غلیل سے اس کا نشانہ لیا پھر اس کی پیشانی پر کھینچ کر پتھر مار دیا۔ سہما ہوا ایزد رو رہا تھا۔ ایشال اور نوال اسے روتے دیکھ کر بھاگ گئے تھے۔ ایزد کی پیشانی سے خون بہنے لگا۔ اس کے رونے کی آواز سن کر ہی عائشہ وہاں آئی تھی۔

"ارے کیا ہوا، رو کیوں رہے ہو؟" اس نے اس کی پیشانی سے نکلتا خون نہیں دیکھا تھا، تب ہی پوچھ رہی تھی مگر جیسے ہی اس کی نظر اس کی پیشانی سے نکلتے خون پر پڑی، وہ لپک کر اس کے قریب آ بیٹھی۔

"ارے تمہیں تو چوٹ لگی ہے، خون بھی بہہ رہا ہے۔ کیا ہوا ہے چوٹ کیسے لگی؟" وہ فکرمند ہورہی تھی مگر اس سے پہلے کہ ایزد اسے کوئی جواب دیتا، نوال وہاں آ گئی۔

"میں بتاتی ہوں کیسے چوٹ لگی ہے اسے، یہ پیڑ پر چڑھ کر بیر توڑ رہا تھا، پاؤں پھسل گیا اور یہ نیچے گر گیا۔" وہ نوال کے جھوٹ پر حیران رہ گیا تھا جبکہ عائشہ ناقابل یقین نگاہوں سے نوال کو دیکھتی ایزد کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

"تمہیں بیر پسند ہیں؟"

"نہیں۔" اس کا سر نفی میں ہلا تھا، وہ مزید حیران ہوگئی۔

"بیر پسند نہیں ہیں تو تم پیڑ پر کیوں چڑھے؟" اسے اس سوال کا جواب دینے کا موقع بھی نہیں ملا۔ نوال اس کے بولنے سے پہلے ہی بول اٹھی تھی۔

"میں نے کہا تھا۔"

"بری بات نوال، یہ ہمارا مہمان ہے، ملازم نہیں۔ تمہیں اپنے کام خود کرنے چاہیں۔" عائشہ اس کے لیے نوال سے الجھ پڑی تھی جب کہ وہ تڑخ کر بولی۔

"تمہیں کس نے کہا مہمان ہے، یہ اب یہاں سے کہیں نہیں جانے والا۔"

"پتہ نہیں تم کب سدھرو گی؟" نوال کی بات پر غصے سے کہتی وہ ایزد کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے اور عماد کے کمرے میں لے آئی تھی۔

"یہاں بیٹھو میں فسٹ ایڈ باکس لے کر آتی ہوں ابھی تمہاری ساری تکلیف ختم ہوجائے گی۔" اسے اپنے بستر پر بٹھا کر چٹکی بجاتے ہوئے وہ کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں فسٹ ایڈ باکس تھا، اس روز کے بعد جیسے اس کی اور عائشہ کی دوستی ہوگئی تھی۔ اسے کسی بھی چیز کی ضرورت ہوتی، وہ اپنے منہ سے کبھی نہ کہتا، عائشہ بنا اس کے کہے بہانے بہانے سے اس کی ضرورت کی چیزیں اسے گفٹ کرتی رہتی۔

وہ اسکول جانا شروع ہوا تو ہمیشہ اس نے اس کا ہوم

Digitized by Google

ورک حل کروانے میں مدد کی۔ جس روز نوال نے خود حمزہ صاحب کا قیمتی موبائل توڑ کر الزام اس پر ڈالا اور وہ خاموش رہا، تب بھی عائشہ نے اس کی وکالت کی تھی۔ وہ اس کے لیے سب سے لڑی تھی۔

بچپن سے جوانی آ گئی، اسکول کا دور ختم ہو گیا اور کالج کے دن شروع ہو گئے۔ عائشہ اور اس کے بیچ کی دوستی کب چپکے سے محبت کا روپ دھار گئی، ان دونوں کو بھی خبر نہ ہو سکی۔ اس روز وہ بہت دیر تک زمینوں پر کام میں مصروف بارش میں بھیگتا رہا تھا۔ گھر واپس آ کر لیٹا تو بدن تیز بخار کی لپیٹ میں آ گیا۔ ایک تھکن اوپر سے ٹھنڈ، وہ اتنا بے ہوش ہو کر سویا کہ اسے کپڑے بدلنے کی بھی توفیق نہ ہوئی۔

عائشہ حسب عادت اسے رات کے دودھ کا گلاس دینے آئی تو وہ ہوش و حواس سے بیگانہ پڑا تیز بخار میں جل رہا تھا۔ اس کی تو جیسے جان پر بن گئی۔ جانے کتنے جتن سے اس نے اس کی بھیگی ہوئی شرٹ اور بنیان تبدیل کی تھی۔ پھر اس پر گرم کمبل لا کر ڈالا اور ساری رات اس کے سرہانے بیٹھی اس کا بخار چیک کرتی رہی۔ دوا بھی اس نے ایزد کی بے ہوشی کے دوران ہی کھلائی تھی۔

صبح فجر کے قریب کہیں اس کا بخار کم ہوا تو وہ اس کے پاس سے اُٹھ کر گئی۔ ایزد کو اس کے اس ایثار کا بہت بعد میں پتہ چلا تھا۔ بہت احسان تھے اس کے اس پر..... وہ عماد کے ساتھ ہمیشہ اس کی ہر ضرورت کا بھی خیال رکھتی۔ اس کے لاکھ منع کرنے کے باوجود اس کے کپڑے دھو کر استری کر دیتی۔ وقت بوقت اس کے کھانے پینے کا خاص خیال رکھتی۔ کبھی وہ تھکا ہوتا تو اس کے سر میں تیل لگا کر مالش کر دیتی۔ ایزد بھی وقت کے ساتھ ساتھ اس کا اتنا عادی ہو گیا تھا کہ وہ گھر میں تھوڑی دیر بھی نظر نہ آتی تو اس کی بے چین نگاہیں ادھر سے ادھر بھٹکنا شروع ہو جاتیں۔ وہ کہیں چلی جاتی تو اس کی جان پر بن جاتی۔

اس روز اس نے بی ایس سی میں ٹاپ کیا تھا۔ سارے گھر میں اس کی کامیابی پر جیسے جشن منایا گیا۔ اگر کوئی خوش نہیں تھا تو زہرہ بیگم اور ان کی بیٹیاں، مگر اسے اب ان کی پروا نہیں تھی۔

عائشہ نے حسب روایت اسے ایک بہترین سوٹ، ریسٹ واچ اور نصیر احمد ناصر کی کتاب "جدائی راستوں اور موسموں کے ساتھ چلتی ہے" گفٹ کی تھی۔ حمزہ صاحب نے اسے موٹر بائیک، عماد نے قیمتی پرفیوم جبکہ سلمیٰ بیگم نے اس کی تمام فیورٹ ڈشز پکا کر اس دن کو اس کے لیے ایک یادگار بنا دیا تھا۔

رات میں سب لوگوں کے سو جانے کے بعد وہ چھت پر چلا آیا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی سبک رو ہوا میں چھت کی منڈیر کے پاس دیوار سے ٹیک لگا کر اس نے آنکھیں موند لی تھیں۔ آج اسے زندگی میں اتنی بڑی کامیابی پر جانے کیوں اپنی ماں بے تحاشہ یاد آ رہی تھی۔ پنکھے سے لٹکتی اس کی بے بس لاش بری طرح تڑپا رہی تھی۔ وہ روتا رہا اور آنسوؤں کی یاد کی تسبیح بن بن کر ٹوٹتے رہے۔

اپنے غم میں وہ دُنیا و مافیہا سے اتنا بے خبر ہو گیا تھا کہ عائشہ وہاں کب آئی، اسے پتہ تک نہ چلا۔ اگر وہ اس کے سامنے بیٹھ کر اپنے ہاتھوں سے اس کے آنسو صاف نہ کرتی تو شاید وہ ابھی بھی آنکھیں نہ کھولتا۔

"کیا بات ہے ایزد، کوئی بات بری لگی یا کسی نے کچھ کہا ہے؟"

"نہیں۔" ایزد نے نظر پھیر کر آنکھیں صاف کیں۔

"کوئی یاد آ رہا ہے؟"

"ہاں۔"

"کون؟"

"ہے کوئی تم سے مطلب؟" وہ مسکرایا تو وہ چڑ گئی۔

"جان پیاری ہے تو جلدی سے بتا دو ورنہ یہیں بیٹھے بیٹھے شہید ہو جاؤ گے۔"

"وہ کیوں؟" وہ اسے چیک کر رہا تھا۔ عائشہ نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔

"تمہیں نہیں پتہ کیوں؟"

کچھ تھا اس کی آنکھوں میں، جس نے ایزد کے دل کو

Digitized by Google

جکڑ کر بے چین کر دیا تھا۔ عجیب بے بسی تھی کہ وہ اس کی آنکھوں کے سحر سے بھی خود کو آزاد نہیں کر پا رہا تھا۔ کب اس کا ہاتھ بے خودی میں آگے بڑھا، کب اس نے عائشہ کے ہوا میں اُڑتے بال سمیٹے اور ان کی نرماہٹ محسوس کی، اسے پتہ بھی نہ چل سکا۔ ہوش تو تب آیا جب اس کے شوریدہ جذبات سے مغلوب ہو کر عائشہ نے اپنا سر اس کے کندھے پر رکھ دیا۔

"عائشہ....."

"ہوں۔"

"بہت دنوں سے میں اپنی جیب میں تمہاری ایک امانت اُٹھائے پھر رہا ہوں، دینے کا حوصلہ اس لیے نہیں کر پایا کہ کہیں تم برا نہ مان جاؤ۔"

"تم دے دو، جو بھی چیز ہے، میں برا نہیں مناؤں گی۔" اس کا سر ابھی بھی ایزد کے کندھے پر تھا۔

ایزد نے جیب سے ایک خوب صورت سی رنگ نکالی پھر ہاتھ بڑھا کر عائشہ کا بایاں ہاتھ تھاما اور آہستہ سے رنگ تیسری انگلی میں پہنا دی۔

"اسے صرف ایک رنگ مت سمجھنا، یہ میرا دل ہے عائشہ، چاہو تو سنبھال کے رکھ لینا، چاہو تو اُتار کے پھینک دینا۔" بہت آہستہ سے اس نے کہا تھا۔ جواب میں عائشہ نے رنگ کو چوم لیا۔

"یہ تو اب میرے مرنے کے بعد لوگ ہی اُتاریں گے ایزد۔" وہ اس سے زیادہ اس کی دیوانی تھی، تب ہی مخمور لہجے میں کہتی شرارت سے اس کے بال بکھیر کر نیچے بھاگ گئی۔ ایزد کے لیے وہ لمحہ جیسے زندگی تھا۔

"عائشہ....." چاروں طرف پڑتی برف میں اپنے جامد ہوتے وجود کے ساتھ اس نے پھر اسے پکارا تھا مگر وہ بھلا اب اس کی پکار کہاں سن سکتی تھی۔ اب تو اس کے اور عائشہ کے درمیان صدیوں کے فاصلے تھے۔ اس کا دل چاہا وہ اپنے بال نوچ ڈالے اور دیوانوں کی طرح چیخ چیخ کر فضاؤں میں عائشہ عائشہ پکارتا پھرے۔

فضا میں ٹھنڈ مزید بڑھ گئی تھی۔ وہ سرخ آنکھوں کو بائیں ہاتھ صاف کرتا اُٹھ کھڑا ہوا۔ تقریباً چالیس منٹ کی پگڈنڈی کی مسافت طے کرنے کے بعد جس وقت وہ اپنے مکان میں داخل ہوا، سردی کی شدت نے اس کا پورا وجود شل کر دیا تھا۔ امرحہ کوئلوں کی انگیٹھی دہکا کر لے آئی تھی۔

"بیٹھو..... مجھے کچھ بات کرنی ہے تم سے۔" پچھلے دو ماہ میں پہلی بار وہ اس سے مخاطب ہوا تھا۔ امرحہ اپنی جگہ برف ہو گئی۔

"شادی کرو گی مجھ سے؟" ابرو اُٹھائے اس نے پوچھا۔ وہ اس عجیب و غریب سوال پر جیسے حیران ہی تو رہ گئی تھی۔

بھلا یہ کیسی سزا تھی؟ اسے حیرانی سے گنگ اپنی طرف دیکھتے پا کر وہ مزید بولا۔

"میں کل مولوی صاحب اور گواہوں کا بندوبست کرلوں گا۔ تم اچھی طرح سوچ کر بتا دینا، شادی کرلو گی تو تمہارے حق میں بہتر ہے وگرنہ شادی کے بغیر بھی رہنا تو تمہیں اب میرے ساتھ ہی ہے۔" بلا کا سنجیدہ لہجہ تھا اس کا۔ امرحہ جواب میں کچھ نہ کہہ سکی۔ وہ کہہ بھی نہیں سکتی تھی۔ اس نے جو کیا تھا، اس کا بھگتان تو اب اسے بھگتنا ہی تھا، چاہے انجام جو بھی ہوتا۔

(ان شاء اللہ کہانی کا بقیہ حصہ آئندہ شمارے میں)

Digitized by Google

چور مینا

اُم ہانی

مسافر کو جو جنگل سے نکالے
وہ پگڈنڈی وہ رستہ چاہیے ہے
شعور ابھی تک اسی شے کی کمی ہے
وہ جو چاہیے تھا وہ چاہیے ہے

میں نے زندگی بھر ایک ہی بچی سے نفرت کی تھی اور اس کا نام مینا تھا۔ میں نے اسے کئی بار گلی میں اِدھر اُدھر پھرتے اور بچوں بچیوں کے ساتھ کھیلتے دیکھا تھا۔ کبھی وہ لڑکوں کے ساتھ گلی ڈنڈا کرکٹ کھیلتی پائی جاتی اور کبھی لڑکیوں کے ساتھ گڈیاں پٹولے لیے باجی باجی گھر گھر ہماری گلی آگے جا کر بند ہو جاتی تھی اس لیے بچے بچیاں بے فکر ہو کر سارا دن کھیلتے رہتے تھے۔ ان کی ماؤں کو بھی کوئی فکر نہیں ستاتی تھی۔

اس کا نام مینا تھا تو وہ مینا جیسی ہی پیاری آواز کی مالک تھی اور اکثر بچوں کی فرمائش پہ گانا بھی گایا کرتی تھی۔ وہ باقی سب بچوں میں باقی سب سے صاف ستھری دکھتی تھی اور اداس آنکھیں ہونے کے باوجود بھی مسکراتی رہتی تھی لیکن پھر بھی وہ مجھے دوسرے بچوں میں سب سے بری لگتی تھی۔ مینا کے ابا اکرم چاچا ایک ورک شاپ میں کام کرتے تھے اور اماں محلے بھر کے کپڑے سیتی تھیں۔ غریبوں کے ہاں یہ بڑا مسئلہ ہوتا ہے کہ ہر شے کی کمی ہونے کے باوجود جس چیز کی زیادتی ہوتی ہے وہ اولاد ہے۔ مینا سمیت وہ بارہ بہن بھائی تھے۔ پوری کرکٹ ٹیم لیکن میں نے اس سمیت اس کے کسی بہن بھائی کو کبھی مانگتے یا مزدوری کرتے نہیں دیکھا تھا۔ وہ سب بہن بھائی سرکاری اسکولوں میں پڑھتے تھے۔ خود پڑھتے اور باعزت پاس بھی ہو جاتے تھے۔ بارہ بہن بھائیوں میں سے بڑی تین بہنوں کی کم عمری میں ہی شادی کر دی گئی تھی اور دو بہن بھائی اتنے چھوٹے تھے کہ ابھی اسکول نہیں جاتے تھے۔ مینا کا نمبر ساتواں تھا۔

مینا مجھے کیوں بری لگتی تھی اس کے پیچھے بس ایک ہی راز تھا کہ مجھے دوسروں کے گھروں کی کن سوئیاں لینا سخت کھلتا تھا۔ جب کہ یہ مینا کا پسندیدہ فعل تھا۔ ایسا کرتے ہوئے میں نے اسے بارہا رنگے ہاتھوں پکڑا تھا اور وہ شرمندہ ہوتی ہوئی وہاں سے چلی جاتی تھی لیکن اگلی بار پھر وہی حرکت۔ محلہ چھوٹا تھا اور ہر گھر کی دیوار اور چھت ایک دوسرے سے جڑی ہوئی تھی۔ ایسے میں یوں بھی کسی گھر کی بات برابر والے گھر سے کم ہی پوشیدہ رہتی لیکن مجھے لگتا کہ اس سب میں زیادہ ہاتھ مینا کا تھا جو کان لگائے آنکھیں لگائے دوسروں کے گھروں کی ٹوہ لیتی پھرتی تھی۔

❁.....❁.....❁

"اے مینا..... یہاں کیا کر رہی ہے؟" اس روز میں شام کو ذرا جلدی آ گیا تھا جب میں نے مینا کو نفیسہ خالہ کے گھر کے دروازے سے اندر جھانکتے دیکھا۔ مجھے عین پیچھے کھڑا پا کر وہ گڑبڑا گئی۔

"وہ..... وہ..... میں تو....." اس کی آواز لڑکھڑائی اور ٹانگیں کانپ اٹھیں۔ یہ پہلی بار نہیں تھا' بیسیوں بار ایسا ہو چکا تھا اور ایسے کانپتے ڈرتے مینا مجھے زہر لگتی تھی۔

"کیا میں میں لگا رکھی ہے؟ ہزار بار تجھے منع نہیں کیا کہ دوسروں کے گھروں میں تانک جھانک نہ کیا کر..... کون سی زبان سمجھ آتی ہے تجھے؟" وہ ہکلی اور ماتھے پہ آئے پسینے کو رگڑتے ہوئے خشک ہونٹوں پہ زبان پھیرتی بغیر جواب دیے وہاں سے بھاگ گئی۔

اس روز رات میں' میں نے مینا کو اپنی چھت پہ چڑھے دیوار سے ٹیک لگائے ہمارے گھر میں جھانکتے دیکھا تھا۔ بڑی ڈھیٹ تھی تب ہی مجھے سخت چڑ تھی اس لڑکی سے۔

"اب یہاں کھڑی کیا کر رہی ہے؟ چل بھاگ یہاں سے۔" یوں تو وہ میرے باہر نکلتے ہی مجھے دیکھ کر دیوار کی اوٹ میں ہو گئی تھی لیکن میں نے پھر بھی اونچی آواز سے چلا کر اسے باور کرا دیا کہ میں اسے دیکھ چکا ہوں۔

ہفتے میں ایک آدھ بار ضرور ایسا ہوتا کہ مینا مجھے کسی نہ کسی گھر میں تانک جھانک کرتی' ٹوہ لیتی' کن سوئیاں لیتی دکھائی دیتی اور میں اسے بری طرح جھاڑ دیتا حالانکہ دل تو کرتا کہ اٹھا کے ہاتھ کا ایک لگا دوں۔ وہ بھی ایسی ڈھیٹ تھی کہ ہر بار بھاگ جاتی اور اگلی بار پھر موجود ہوتی۔ کسی کے گیٹ سے لگی' کسی کی چھت پہ جھانکتی' کسی کی کھڑکی سے لگی اور ایک

بات جو میں نے ابھی تک آپ کو نہیں بتائی وہ یہ تھی کہ مجھے اس پہ شک تھا کہ وہ یہ سب اس لیے کرتی ہے کیونکہ وہ چور ہے۔ جی ہاں چور مینا۔ بس اسی لیے تو وہ مجھے بری لگتی تھی۔

❁.....❁.....❁

وہ گرمیوں کی دوپہر تھی جب میں نے کالج سے لوٹتے ہوئے مینا کو اپنے گیٹ کے باہر بیٹھے دیکھا تھا۔ پھر تو میرا پارہ ایسا چڑھا کہ بس میرا بس نہ چلا اٹھتے اٹھتے رہ گیا۔

"یہاں کیوں بیٹھی ہے اٹھ یہاں سے اور بھاگ جا۔ اب اگر تو مجھے میرے گھر کے آس پاس بھی نظر آئی تو میں تیرا خون کر دوں گا۔" میری ایسی خوفناک دھمکی سے وہ تھر تھر کانپنے لگی اور گرتی پڑتی وہاں سے اپنے گھر میں گھس گئی۔

میں اندر آیا تو امی اپنے کمرے میں اٹھا پٹخ کر رہی تھیں۔ لگتا تھا جیسے ان کی کوئی چیز کھو گئی ہو۔

"کیا ڈھونڈ رہی ہیں امی؟" اپنا کالج بیگ وہیں ایک طرف رکھ کر میں نے امی سے پوچھا۔

"تمہارے ابو نے مجھے دو ہزار دیے تھے۔ نجانے کہاں چلے گئے؟"

"کوئی آیا تھا گھر میں؟" میں یک دم چونکا۔

"مینا آئی تھی طیبہ کے کپڑے دینے۔ تبھی اسے میں نے کپڑوں کی سلائی کے پیسے دیے تھے۔ تب تک تو یہیں دھرے میں رکھے تھے پیسے۔ اب نجانے کہاں گئے؟" میں ساری بات سمجھ گیا اور باہر کی طرف بھاگا۔ اگلے پل مینا جو عثمان کے ساتھ گلی میں کھیل رہی تھی میرے تھپڑوں کی زد میں تھی۔

"دھا گئی ناں سچ اپنا کام..... کہاں ہیں پیسے؟" وہ اپنے ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپاتے ہوئے خود کو بچا رہی تھی۔ عثمان مجھے برے دھکیل رہا تھا۔ اس وقت گلی خالی تھی۔ گرمی کی دوپہروں میں باہر ویسے بھی خاموشی اور ویرانی کا راج ہوتا تھا۔

"پاگل ہو گئے ہیں شکیل بھائی..... اس نے کچھ نہیں کیا۔"

"امی نے اٹھائے ہیں پیسے۔ جب دیکھو کسی نہ کسی کے ہاں جھانک رہی ہوتی ہے کہ کہیں اس کا داؤ لگے اور یہ اپنا کام دکھا جائے۔" میں چلایا۔ عثمان ابھی کچھ کہنے ہی والا تھا کہ امی پیچھے سے چلائیں۔

"شکیل بیٹا پیسے مل گئے۔ میں نے پرس میں رکھ دیے تھے۔" میں وہیں ساکت رہ گیا۔ مینا روتی ہوئی اپنے گھر کے دروازے سے اندر چلی گئی۔ عثمان نے تاسف سے مجھے دیکھا۔

"شکیل بھائی اکرم چاچا یوں تو ہمارے ہمسائے ہیں لیکن شاید غربت کی وجہ سے ہم میں سے کوئی بھی ان سے رابطہ نہیں رکھنا چاہتا کیونکہ اس دور میں تو کوئی غریب بھائی سے تعلق نہیں رکھنا چاہتا کہاں غریب ہمسائے۔ گھر سے گھر کی دیوار جڑی ہے لیکن دلوں میں ایسی دیواریں ہیں کہ ہم اپنے ہی ہمسائے کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ جانتے ہیں اکرم چاچا کی پچھلے دو ماہ سے نوکری نہیں ہے۔ گھر کا خرچا سلیمہ چاچی کی سلائی کی وجہ سے چل رہا ہے۔ اکثر ان کے ہاں فاقے ہوتے ہیں لیکن ہم میں سے کوئی نہیں جانتا۔" میں ساکت سا اس کی باتیں سنتا رہا۔

"جس روز ان کے ہاں فاقہ ہوتا ہے اس دن مینا کسی نہ کسی گھر کے باہر کھڑی ہو کر پکتے کھانے کی خوشبو سونگھتی، اپنا پیٹ بھرتی، اندازہ لگاتی ہے کہ اندر کیا پک رہا ہے..... ہاں مینا چور ہے کیونکہ وہ کھانے کی خوشبو چراتی ہے۔ کیا اتنی چوری پہ بھی اسے سزا سنائی جائے گی؟" عثمان کے اس انکشاف اور سوال پہ میں اپنی جگہ سے کتنی دیر ہل ہی نہیں سکا۔ اس بار وہ چور مینا میری زبان چرا کر لے گئی تھی۔

❁

دل کی آواز بھی سن

یاسمین نشاط

ہے یہ سچ کہ تیرے سامنے مجھے برسوں
کوئی رفیق، کوئی کام بھی نہ یاد آیا
نہیں جھوٹ یہ بھی کہ کل جو تجھے میں نے دیکھا
تو کتنی دیر تیرا نام بھی نہ یاد آیا

زوردار چھناکے کی آواز آئی تھی اور ساتھ ہی "ٹوٹ گیا" کی صدا بھی۔ یقیناً عینا نے پھر کوئی نازک شے توڑ دی تھی۔ اس نے اٹھ کر نیچے جھانکا۔ صحن میں فائز کا لایا ہوا قیمتی گلدان ٹکڑوں کی صورت بکھرا پڑا تھا۔ ذرا پرے معصوم عینا خوفزدہ چہرہ لیے کبھی باپ کو تک رہی تھی اور کبھی ٹوٹے گلدان کو جبکہ فائز غصے سے عینا کو دیکھ رہا تھا۔ عینا بھی کمال بچی تھی۔ روز ایک چیز توڑ کر باپ کے غصے کو دعوت دیتی تھی۔

"کم بخت' الو کی پٹھی۔" فائز نے دانت پیسے' چھ ہزار کو اس نے ایک سیکنڈ میں برابر کر دیا تھا۔ وہ جانتی تھی ابھی تھوڑی دیر بعد سبیکا باہر آئے گی اور سارے ٹکڑے اکٹھے کر کے لے جائے گی اور فراغت پاتے ہی ان ٹکڑوں کو جوڑ کر پھر سے پرانی شکل میں واپس لے آئے گی اور اس پر پڑنے والے نشانات تو وہ رنگین مارکرز سے چھپا دے گی اور اس کے بعد یہ گلدان بھی آرٹ کا نمونہ بن کر اس کے کمرے میں سجا ہوگا۔ سبیکا کے کمرے میں بے شمار چیزیں تھیں' لیکن وہ سب کی سب ٹوٹنے کے بعد جوڑی گئی تھیں۔ وہ بہت احتیاط سے ٹکڑے اٹھاتی اور پھر انہیں جوڑتی اور اس کے بعد انہیں رنگوں سے سجاتی دیتی۔ جانے وہ یہ سب کیوں کرتی تھی لیکن ٹوٹی ہوئی چیز کو جوڑتے ہوئے اس کے چہرے پر بے حد کرب کے آثار ہوتے یوں جیسے ضرب اس چیز کو نہیں بلکہ خود اسے لگی ہو۔

تھوڑی دیر بعد جب دیکھا کہ فائز جا چکا ہے وہ پلیٹ میں نان اور حلوہ لیے چلی آئی۔ سبیکا اس وقت پھوپو کے ساتھ مدد کروا رہی تھی۔ اسے دیکھ کر مسکرا دی۔

"واز توڑ دیا عینا نے..... آواز تو گئی ہوگی' واز کی کم اور واز کے مالک کی زیادہ' چھ ہزار سات سو پچانوے روپے کی مالیت کا تھا اور شہر کے سب سے مہنگے مال سے خریدا گیا تھا دو دن پہلے' اتنی انفارمیشن کافی ہے یا مزید چاہیے' واز کا کلر' ڈیزائن وغیرہ....." سبیکا نے اسے دیکھتے ہی از خود تفصیلات جاری کر دی تھیں' کیونکہ وہ جانتی تھی کوئی بھی چیز ٹوٹنے کے بعد رومینہ چسکا لینے کسی نہ کسی بہانے نیچے اتر آتی تھی۔ اس کی تفصیلات کے جواب میں روبی تھوڑی شرمندہ ہوئی۔ وہ واقعی اسی نیت سے آئی تھی پھر سنبھل کر پلیٹ شیلف پر رکھتے ہوئے بولی۔

"نہیں تو' معیز آج نان چنے لایا تھا' ساتھ میں حلوے کی فرمائش کر دی وہی لائی ہوں تم لوگوں کے لیے..... اور پھوپو آپ کیسی ہیں؟" وہ ان کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ

گئی۔ وہ اس وقت پالک کاٹنے میں مصروف تھیں۔ سبیکا صاف صاف پتے ان کو پکڑا رہی تھی۔ انہوں نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا پھر بولیں۔

"اللہ کا شکر ہے بیٹا' جو وقت گزر جائے اس مالک کا احسان ہے' ہاں کہاں ہے تمہاری؟ ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے کئی دن گزر جاتے ہیں' اس کی شکل دیکھے میں تو لاچار ہوں سیڑھیاں نہیں چڑھ سکتی اس کو تو ایسا کوئی مسئلہ نہیں جو کبھی بازار جانے کے لیے اترے بھی تو دبے پاؤں سیڑھیاں اترتی چڑھتی ہے' ہم کچھ چھین لیں گے کیا؟" انہوں نے اپنی مصروفیت جاری رکھتے ہوئے شکوہ کیا۔

رومی کو اس گھریلو سیاست سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اس لیے چپ چاپ ان کی باتیں سنتی رہی۔ بے دلی سے سر ہلاتی رہی۔ پھوپو کا شکایت نامہ کافی طویل ہوتا تھا۔

"آج یونیورسٹی نہیں گئیں تم؟" سبیکا نے اس کی جان چھڑائی۔

"نہیں..... آج کوئی کلاس ہی نہیں تھی کچھ دنوں میں نیا سمسٹر اسٹارٹ ہونے والا ہے بس فراغت ہے۔ اچھا پھوپو میں چلتی ہوں۔ امی تک آپ کا پیغام پہنچا دوں گی۔" آخری بات اس نے مسکراتے ہوئے کہی اور سیڑھیاں چڑھ گئی۔ معیز ابھی تک نان اور حلوے کا مزہ لے رہا تھا۔

"اتنا مت کھایا کرو پھٹ جاؤ گے کسی روز۔" اس نے ٹوکا۔

"تم تو ہر وقت بس میرے کھانے پینے پر نظر رکھتی ہو۔ مجھے جتنی بھوک ہوتی ہے۔ اتنا ہی کھانا کھاتا ہوں۔" معیز اس کی دخل اندازی پر چڑ کر بولا۔ اسے غصہ آ گیا۔

"اول درجے کے ندیدے ہو تم۔ سب کچھ چٹ کر جاتے ہو' کھا کھا کے ماچھے پہلوان سے بھی زیادہ موٹے ہو چکے ہو۔" رومی نے اس کے آگے سے ٹرے اٹھائی۔

"تمہارا مسئلہ کیا ہے؟" معیز نے جھپٹا مارا وہ قدرے دور جا کھڑی ہوئی تھی۔

"اماں..... اماں سمجھائیں اس کو' ہر وقت کھاتا رہتا ہے۔ دس لوگوں کا کھانا یہ اکیلا ایک وقت میں کھا جاتا ہے۔ کتنا نقصان دہ ہے اس کے لیے۔" وہ وہیں سے چیخ کر بولی' اماں جو کمرے میں تھیں' اس کی پکار پر لپک کر

HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com

Digitized by Google

آئیں۔

"ارے روبینہ، تم کیوں بچے کے پیچھے ہی پڑ گئی ہو۔ ہر وقت اس کے نوالے ہی گنتی رہتی ہو۔ خبردار کبھی کسی کے آگے سے رزق نہیں اٹھاتے اور وہ بھی اس طرح۔" ٹرے ان کے لاڈلے بیٹے کے آگے سے اٹھائی گئی تھی۔ وہ بھی اس طرح کہ ابھی وہ تناول فرما ہی رہا تھا۔ اماں سے کیسے برداشت ہوتا۔ اس کے ہاتھ سے ٹرے لے کر واپس معیز کے آگے رکھی اور پچکارنے لگیں۔

"کھالے میرا بیٹا' اس کی باتوں پر دھیان مت دیا کر۔" روبینہ پاؤں پٹختی اندر چلی گئی' معیز منہ بناتا دوبارہ کھانے لگا۔ اماں واری صدقے ہوتی نظروں سے اسے دیکھنے لگیں۔

وہ جانتا تھا کہ اماں کی جان اس میں بند ہے اور وہ اس کمزوری کا پورا پورا فائدہ اٹھاتا تھا۔ باہر سے پھیری والے کی آواز آئی تو اماں منڈیر تک جا پہنچیں۔ آلو پیاز کا بھاؤ پوچھتے جانے کیا یاد آیا کہ نیچے اتر گئیں۔ جب کافی دیر اسے اماں کی آواز سنائی نہ دی تو وہ کمرے سے باہر گئی۔ وہ آخری نان پر ہاتھ صاف کر چکا تھا۔ اسے دیکھتے ہی اس کے چہرے پر بڑی فاتحانہ سی مسکراہٹ آئی۔ روبی بھنا گئی' مگر بولی کچھ نہیں اور منڈیر سے نیچے جھانکنے لگی۔ اماں سبزی والے سے بھاؤ تاؤ کر رہی تھیں۔ ارد گرد کی دو چار عورتیں اور بھی موجود تھیں۔ "حالات حاضرہ" کا پروگرام جاری تھا۔

سبزی والا بظاہر تو سر جھکائے اپنے کام میں مصروف تھا۔ لیکن تھا پورا مہینا زیرلب مسکرا رہا تھا اور جہاں ضرورت ہوتی "لقمہ" بھی دے رہا تھا۔

"اف....." یہاں بھی بوریت ہی تھی۔ وہ پیچھے پلٹی اس نے مونگ پھلی اور چلغوزوں کا جارا اٹھایا پلیٹ لی اور پچھلے صحن میں چلی آئی۔ اماں نے دھوپ سینکنے کے لیے دو چارپائیاں اور چار پلاسٹک کی کرسیاں وہاں رکھ چھوڑی تھیں۔ یہاں سے بھی نیچے جھانکو تو پھوپو کا صحن صاف دکھائی دیتا تھا۔ اس نے کرسی سنبھالنے سے پہلے نیچے جھانکا۔ (عادتاً) سبیکا اب واشنگ مشین میں پانی ڈال رہی تھی۔ ذرا پرے ہی عینا اپنی گڑیا کے ساتھ کھیل رہی تھی۔ یہ سبیکا بھی ہر وقت مشین ہی بنی رہتی ہے۔ اس نے ہاتھ میں پکڑا سامان ٹیبل پر رکھا اور سبیکا کو دعوت دینے لگی۔

"آجاؤ سبیکا' دھوپ سینکتے ہیں اور مونگ پھلیاں کھاتے ہیں۔" سبیکا نے ذرا کی ذرا سر اٹھا کر اوپر دیکھا اور ہنس دی۔

"کپڑے دھونے لگی ہوں۔ فارغ ہو کر آؤں گی۔"

کسی کا دل توڑنا تو اس نے سیکھا ہی نہ تھا۔

حالانکہ وہ اچھی طرح جانتی تھی۔ مشین کے ساتھ ساتھ سبیکا نے ہانڈی بھی چڑھائی ہوگی اور جب تک دونوں کام نمٹیں گے۔ دوپہر کے کھانے کا وقت ہو چکا ہوگا۔ روٹیاں ڈالنے کے ساتھ ساتھ وہ پھوپو کے دکان پر بھیجے جانے والے لنچ باکس کی تیاری بھی کرے گی۔ وہی کا راشن بودینے کی چٹنی' اچار' سلاد یہ اضافی چیزیں ہوتی تھیں اور کبھی کبھار تو آدھا گھنٹہ پہلے گڑ کے چاول یا چنے کی دال کے حلوے کی فرمائش بھی آجاتی۔ دوپہر کا سمیٹنے کے بعد اس کے پاس کبھی کبھار دس بیس منٹ ہوتے کمر سیدھی کرنے کے لیے' اس کے بعد شام کی چائے اور پھر رات کے کھانے کی تیاری۔ پھوپا کو دونوں وقت تازہ سالن چاہیے ہوتا اور پھر فائز صاحب کی آمد بھی قیامت صغریٰ سے کم نہیں ہوتی تھی۔

"افوہ....." اس نے سر جھٹکا اور مونگ پھلیاں پھانکنے لگی۔ اماں سبزی لے کر آچکی تھیں۔ اندر سے آتی آواز سبزی کے بھاؤ چڑھ جانے کی فکرمندی سے لبریز تھی۔

"یار یہ چھٹی تو بہت بور کرتی ہے۔" اس نے اکتا کر سوچا۔ پھر آمنہ کے گھر جانے کا ارادہ کیا۔

آمنہ چار گھر چھوڑ کر رہتی تھی۔ ایف اے تک اس کی کلاس فیلو بھی تھی اور دوست بھی۔ اس نے جلدی سے چیزیں سمیٹیں اور اندر آگئی۔ اماں اب ڈھیر سارے ٹنڈوں

Digitized by Google

سے نبرد آزما تھیں۔ اس نے برا سا منہ بنایا۔ اماں کا بجٹ دالوں، سبزیوں سے آگے بڑھتا ہی نہیں تھا اگر یہ نکما معیز نوکری کرلے تو کھانا ہی ڈھنگ کا نصیب ہوجائے۔ اس کی نظر کچر کچر کچی گاجریں چباتے معیز پر پڑی۔ کبھی کبھی تو اسے معیز کی بے حسی اور اماں کے لاڈ پر بے انتہا غصہ آتا۔ نہ وہ سمجھاتی تھیں اور نہ ہی وہ خود سمجھتا تھا۔ آمنہ اسے دیکھ کر خوش ہوگئی تھی۔

"میں تمہیں یاد ہی کررہی تھی۔" اس نے بکھرے کشنز سمیٹتے ہوئے کہا۔

"ہاں دیکھ لیا تو یاد کررہی تھی ورنہ سالوں ادھر نہ آؤں تو کبھی پوچھنے کا خیال بھی نہیں آتا۔" رومی نے اس کی بات رد کی۔

"اچھا بس ناں۔" اس نے اسے پکڑ کر بٹھایا۔

"ہر وقت بس "شکوہ" مت کرتی رہا کرو۔" آمنہ نے اسے ہلکی سی چپت لگائی۔

"تمہارے لیے بہت بڑی خبر ہے میرے پاس۔" وہ رازداری سے گویا ہوئی۔

"منگنی ہورہی ہے تمہاری؟" رومی نے اندازہ لگایا۔

"اوں ہوں۔" اس نے پُرشدت تردید کی پھر مسکرائی۔

"نہیں..... تمہارے لیے ایک پروپوزل ہے۔ میرے پاس؟" رومی تو اس کی بات پر اچھل ہی پڑی۔

"پروپوزل اور میرے لیے؟" اس نے بے یقینی سے پوچھا۔

"ہاں....." آمنہ نے اثبات میں سر ہلایا پھر بتانے لگی۔

"کاشف ماموں کو تو دیکھا ہے ناں تم نے وہی جن کی کلاتھ مارکیٹ میں بہت بڑی دکان ہے۔" رومی کے کچھ تاثر نہ دینے پر اس نے حوالہ دیا۔ (میں کیا ان کی کیشئر ہوں)

"ہاں تو؟" وہ سامنے پڑی موسمی پر انگلی پھیرنے لگی۔

"ان کو تم اچھی لگنے لگی ہو۔" آمنہ نے بات مکمل کی۔

اس کو گویا کرنٹ لگا۔

"کیا کہہ رہی ہو تم آمنہ..... کاشف ماموں اور مجھے؟"

"ہاں..... دیکھو، زیادہ عمر کے نہیں ہیں یہی کوئی تیس بتیس کے ہوں گے لیکن یہ بھی تو دیکھو بہت امیر ہیں، اکیلے ہیں اور سب سے بڑی بات تمہیں پسند کرتے ہیں۔ عمر تھوڑی زیادہ بھی ہو تو کیا، اتنی اچھائیوں کے پیچھے چھپ جاتی ہے تم کہو تو امی خالہ سے بات کریں؟" آمنہ تو تیار بیٹھی تھی۔ اسے غصہ آگیا۔

"میں گھر جارہی ہوں۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ آمنہ روکتی رہ گئی، مگر وہ رکی نہیں۔ آمنہ کو افسوس ہوا۔

روبینہ اس کی بہت اچھی دوست تھی اور وہ اسے ناراض نہیں کرنا چاہتی تھی لیکن کاشف ماموں کی ضد کے آگے مجبور ہوکر اسے روبینہ سے بات کرنا پڑی تھی۔ کاشف ماموں اس کی امی کے خالہ زاد تھے۔ ان کا سگا بھائی بہن کوئی تھا نہیں، والدین بھی بچپن میں ٹریفک حادثے کا شکار ہوگئے تھے۔ سو وہ آمنہ کی والدہ کے پاس ہی آگئے تھے اور سگی بہنوں سے بڑھ کر انہیں سمجھتے تھے اور اب پتا نہیں کیوں اور کیسے انہیں روبینہ پسند آگئی تھی۔

وہ ماموں کو سمجھا دے گی اس نے سوچا تھا۔ ماموں کی محبت میں وہ اپنی اچھی دوست کو کھونا نہیں چاہتی تھی۔

❁.....❁.....❁

یونیورسٹی جانے کے لیے وہ اسٹاپ پر کھڑی تھی اور بار بار گھڑی دیکھ رہی تھی۔ اسے سب سے فضول کام وہاں کھڑے ہوکر پوائنٹ کا انتظار کرنا لگتا تھا۔ بس تو نہیں البتہ کاشف ماموں اپنی بڑی سی گاڑی لیے آدھمکے، کوئی اور وقت ہوتا تو وہ خوشی خوشی ان سے لفٹ لے لیتی لیکن آمنہ کی بات نے اس کا دماغ گھما کر رکھ دیا تھا۔ لوگ اپنی عمر نہیں دیکھتے اور چل پڑتے ہیں۔ اس نے یوں ظاہر کیا جیسے وہ انہیں جانتی ہی نہیں مگر وہ بھی ایک نمبر کے ڈھیٹ نکلے۔ گاڑی سے باہر آگئے اور عین اس کے مقابل کھڑے ہوکر پوچھنے لگے۔

"روبینہ..... اگر آپ مائنڈ نہ کریں تو میں آپ کو چھوڑ دوں؟"

"جی؟" وہ ہکا بکا اس جرأت پر ان کی شکل دیکھنے لگی۔

"میں کاشف ہوں..... آمنہ کا ماموں۔" اس کی حیرت کو انہوں نے ناآشنائی سمجھا۔ "شاید آپ نے پہچانا نہیں مجھے۔" اب ذرا شرما کر کہا۔

"جی..... جی..... کاشف ماموں۔" اس نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے ماموں پر کچھ زیادہ ہی زور دیا۔ وہ خفیف سا ہو کر دائیں طرف دیکھنے لگے اور اس سے پہلے کہ وہ مزید گل افشانی کرتی بس آ گئی۔

روبینہ نے زقند بھری اور بس میں سوار ہو گئی۔ سیٹ سنبھالتے ہوئے اس نے باہر جھانکا۔ کاشف ماموں ابھی تک وہیں کھڑے یک ٹک اس کو دیکھ رہے تھے۔ "لاحول ولا" اس نے سر جھٹکا اور دوسری جانب دیکھنے لگی۔ اسے احساس تک نہ ہوا کہ ساتھ والی سیٹ پر آ کر کوئی بیٹھ گیا ہے۔ اسے آج لائبریری سے کچھ کتابیں ایشو کروانی تھیں۔ وہ بیگ کھول کر کارڈ تلاش کرنے لگی تب ہی نظر سیاہ چمکدار جوتوں پر جا پڑی۔ جوتے یا تو نئے تھے یا پھر بہت نفاست سے پالش کیے گئے تھے حقیقتاً ان میں شکل نظر آ رہی تھی۔ جوتوں سے ہوتی ہوئی نظر اوپر اٹھی تو وہ پلک جھپکنا بھول گئی۔ اس کے لب خفیف سے وا ہوئے اور پھر آپس میں پیوست ہو گئے۔ آنکھوں میں نمی آ گئی۔ بیگ کے اسٹرپ پر اس کی گرفت غیر ارادی طور پر مضبوط ہو گئی تھی۔

وہ طیب ہمدانی تھا..... بلاشبہ وہ اس کو پورے چھ سال کے بعد دیکھ رہی تھی۔ اسے اندازہ ہی نہ ہوا تھا کہ وہ مسلسل اس شخص کو دیکھ رہی ہے اور تب ہی طیب ہمدانی نے بھی نظروں کی تپش محسوس کر کے اس کی جانب دیکھا اور ایک لمحے کو وہ بھی ساکت رہ گیا۔

"رومی تم.....!" کافی دیر بعد وہ گویا ہوا اور روبینہ کو لگا اس کے آنسو چھلک جائیں گے۔ اس نے فوراً منہ پھیر لیا اور بس سے باہر بھاگتی چیزوں کو دیکھنے لگی۔ وہ پہچان کا

aanchalpk.com
مغربی اور مشرقی ادب کی منتخب کہانیوں کا مجموعہ
نئے اُفق
شائع ہو گیا ہے
اشتیاق احمد کے مقبول ترین سلسلے کے چند پُراسرار ترین ایسی کہانیاں جو اس سے قبل آپ نے نہیں سنی ہوں گی
مغربی ادب سے انتخاب
جرم و سزا کے موضوع پر ہر ماہ منتخب ناول
مختلف ممالک میں پلنے والی آزادی کی تحریکوں کے پس منظر میں معروف ادیبہ زریں قمر کے قلم سے مکمل ناول
ہر ماہ خوب صورت تراجم دیس بدیس کی شاہکار کہانیاں
اس کے علاوہ
خوب صورت اشعار منتخب غزلوں اور اقتباسات پر مبنی خوشبو سے سجا دو رنگی آنچل سے مزین سلسلے
اور بہت کچھ آپ کی پسند اور آرا کے مطابق
کسی بھی قسم کی شکایت کی صورت میں
021-35620771/2
0300-8264242

Digitized by Google

کوئی تاثر نہیں دینا چاہتی تھی۔

"نہیں بات کروگی ہمیشہ کی طرح؟" وہ ہنس دیا۔

اس کا جی چاہا وہ پلٹ کر دیکھے۔ ہنستے ہوئے طیب ہمدانی بہت خوب صورت لگا کرتا تھا لیکن اس نے خود کو ڈانٹا' اسے کمزور نہیں پڑنا تھا' بس رکی تو اس نے دیکھا، ساتھ والی سیٹ خالی ہوچکی تھی۔ وہ بیگ سنبھالتی ہوئی نیچے اتر آئی۔ دل یک دم ہی دکھ سے بھر گیا تھا۔ بھولے بسرے دکھ شور مچانے لگے تھے۔ وہ مرے ہوئے قدموں سے چلتی ہوئی اپنے ڈیپارٹمنٹ کی طرف آ گئی۔ نوال اور علینہ اسے باہر ہی مل گئیں۔

"ہیلو رومی کہاں ہو..... کیا ہوا ہے؟" علینہ کی تیز نظر نے فوراً بھانپ لیا کچھ گڑبڑ ہے فوراً لپک کر قریب آئی۔

"نہیں' کچھ نہیں۔" اس نے لب کاٹے۔

"میں رونا چاہتی ہوں..... ڈھیر سارا۔" علینہ اس کی بہترین دوست تھی۔ وہ اس سے کچھ نہیں چھپاتی تھی اور علینہ بھی اس کی رگ رگ سے واقف تھی۔ آج بھی اسے دیکھتے ہی جان گئی تھی کہ وہ پریشان ہے۔

"اوہو..... دریا بہانے کا ارادہ ہے؟" نوال بھی آ گئی۔

"میں لائبریری سے ہو کر آتی ہوں۔" نوال کو قریب آتے دیکھ کر وہ فوراً وہاں سے کھسک لی۔ وہ اس کے سامنے بے پردہ نہیں ہونا چاہتی تھی۔ لائبریری میں اس وقت رش کم تھا۔ وہ نسبتاً الگ ویران گوشے میں جا کر بیٹھ گئی۔ ٹیبل پر سر رکھا اور آنسوؤں کو بہنے دیا۔ وہ بے آواز روتی رہی اور یہاں تک کہ اس کی آنکھیں خشک ہوگئیں۔

محبت کے لیے بہایا گیا آنسو جہاں بھی گرے' زمین بنجر کردیتا ہے اور ان چھ سالوں میں اس نے دو ہی کام شدت سے کیے تھے۔ ایک طیب ہمدانی سے عشق اور دوسرا اس کو بھول جانے کا عہد' لیکن آج جب چھ سال بعد طیب ہمدانی اچانک سر راہ نظر آ گیا تو اسے لگا وہ اپنا عہد نبھا نہیں سکی۔

وہ تو آج بھی وہیں موجود تھا۔ اس کے دل اور دماغ پر حکومت کرتا ہوا۔

"نہیں..... مجھے اب اسے یاد نہیں رکھنا۔" اس نے آنسو صاف کیے اور ایک بار پھر مصمم ارادہ کیا۔ لائبریری سے نکلی تو فائزہ مل گئی۔

"کہاں تھیں یار۔ ارے آج تو مزہ ہی آ گیا۔"

"کیوں کیا ہوا، سر جمال نہیں آئے کیا؟" پروفیسر جمال احمد کی سخت طبیعت کے باعث سب ہی تنگ تھیں۔ سو اس نے اندازہ لگایا۔

"ارے چھوڑو سر جمال کو' ہسٹری کے نئے پروفیسر آئے ہیں۔ کیا غضب کی پرسنالٹی ہے۔ قسم سے اوپر سے پڑھانے کا انداز اتنا دلکش اور مجھے وہ شعر یاد آ گیا۔

میں صرف تجھ کو سنوں جان کہ تیرا لہجہ
تو بولتا ہے تو پھر خوشبوؤں میں ملتا ہے"

فائزہ جب بولتی تھی بے تکا ہی بولتی تھی۔

"شرم کرو' استاد ہیں وہ اور تم ایسے چیپ اشعار پڑھ رہی ہو۔" روبینہ نے اسے گھرک دیا۔ وہ برا سا منہ بنا کر رہ گئی۔

"میں دنیا میں دو ہی لوگوں سے تنگ ہوں۔ ایک سر جمال اور ایک تم..... ہر وقت لیکچر دینے کو تیار رہتے ہو تم دونوں۔" وہ دونوں چلتی ہوئی زینے تک پہنچ گئی تھیں کہ فائزہ کو پھر کچھ یاد آیا۔

"بائی دا وے تم تھیں کہاں اور یہ تمہاری آنکھیں کیوں سرخ ہیں؟" وہ کھوجتی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ نظریں چرا گئی۔

"ہاں..... رات ٹھیک سے سوئی نہیں میں۔" اس نے بہانہ گھڑا۔ "تمام رات ہمارے علاقے کی لائٹ بند رہی۔ برا حال ہوگیا۔"

"اچھا۔" فائزہ نے بے یقینی سے اسے دیکھا مگر بولی کچھ نہیں کیونکہ سامنے سے مس سطوت آ رہی تھیں۔ وہ دونوں کلاس روم میں گھس گئیں' لیکن ہمیشہ کی طرح آج اس کا دھیان کلاس میں نہیں تھا بلکہ ادھر ادھر بھٹک رہا تھا اور فائزہ یہ سب نوٹ کر رہی تھی۔ تاہم اس کی عادت نہیں

Digitized by Google

تھی خوامخواہ کھوجنے کی۔ اگلا پیریڈ دونوں کا الگ الگ تھا۔ اس لیے فائزہ اوپر ہی رہ گئی' جب کہ اسے پھر نیچے آنا پڑا۔ اوہ آخری سیڑھی پر ٹھٹھک کر رکنا پڑا۔ سامنے ہی سر قیصر رضا اور طیب ہمدانی موجود تھے۔ اس کا یہاں کیا کام؟ وہ الجھی۔ اسٹوڈنٹ تو وہ ہو نہیں سکتا تھا اور ٹیچر اس کو ماننے کے لیے وہ تیار نہیں تھی اور اسی لمحے طیب ہمدانی نے بات کرتے اس کی طرف دیکھا۔ روبینہ حسن کا دل مٹھی میں آ گیا تھا۔ وہ بھی کچھ لمحے کو ٹھٹکا لیکن اگلے ہی پل وہ پھر سے گفتگو میں مشغول ہو گیا تھا۔

"گیٹ آؤٹ سائیڈ پلیز۔" کسی نے کہا اور وہ گویا حواسوں میں لوٹ آئی۔ اس نے جلدی سے زینہ عبور کرنے کی کوشش کی اور اسی چکر میں وہ دھڑام سے نیچے جا گری۔ جوتے کی ایڑی ٹوٹ گئی تھی۔ وہ شرمندگی اور تاسف سے سر نہ اٹھا سکی۔ تکلیف سے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ اسے امید تھی طیب ہمدانی اس کے پاس آئے گا' لیکن ایسا کچھ نہ ہوا۔

ریلنگ کا سہارا لے کر جب وہ اٹھی تو وہ دونوں کہیں نہیں تھے۔ اس کی کہنی چھل گئی تھی اور خون رس رہا تھا۔ وہ اپنا بیگ سنبھالتی ہوئی ڈسپنسری کی طرف چلی گئی۔ بینڈیج کروا کے جب وہ باہر نکلی تو وہ پھر سامنے آ گیا اور اس کے کچھ بولنے سے قبل ہی وہ بول اٹھا۔

"مجھے پتا تھا تم ادھر ہی آئی ہو گی۔ کیسی ہو؟" اس نے نم پلکیں اٹھائیں لیکن کچھ بول نہ سکی۔

"آنٹی' معیز' فائز..... پھوپو سب کیسے ہیں؟" وہ پوچھ رہا تھا۔

"مجھے نہیں پتا۔" وہ سائیڈ سے ہو کر نکل گئی۔ وہ بھی پیچھے آیا۔

"ان چھ سالوں میں تم ذرا بھی نہیں بدلیں' وہی اکڑ اب بھی جوں کی توں ہے تم میں۔" وہ بات چھ سالوں کی کر رہا تھا لیکن احساس یہ دلا رہا تھا گویا وہ چھ گھنٹوں بعد مل رہے ہوں۔

"میں نہیں جانتی آپ کون ہیں اور کیوں میرا پیچھا کر رہے ہیں؟" اس نے امڈ کر آنے والے آنسوؤں کو حلق کے اندر اتارا اور دوسری جانب مڑ گئی۔ طیب ہمدانی نے بھی ہار نہیں مانی اور اس کے پیچھے پیچھے چلا آیا۔

"میں نے آج ہی یہاں جوائن کیا ہے' ہسٹری کے لیکچرار کے طور پر' تمہیں پتا ہے ان چھ سالوں میں میں نے کیا کیا؟" اس نے ایک لمبا ڈگ بھر کے روبینہ کے ہم قدم ہونے کی کوشش کی۔ روبینہ نے ذرہ بھر توجہ نہیں دی۔ البتہ فائزہ کی باتیں جو کچھ دیر پہلے اس نے کہی تھیں۔ اس کے کانوں میں گونج رہی تھیں۔

"تم سے مایوس ہونے کے بعد میں ملتان چلا گیا تھا۔ بڑے صاحب کے پاس۔ انہوں نے میرا ایڈمیشن کروایا اور آج میں ایک لیکچرار کی حیثیت سے تمہارے سامنے کھڑا ہوں۔ یہاں جاب بھی مجھے میری قابلیت کی بنا پر ملی ہے۔ کسی سفارش سے نہیں۔ میں تو تمہیں یہاں دیکھ کر حیران ہوا ہوں۔ میرا خیال تھا تمہاری شادی اور دو چار بچے بھی ہو چکے ہوں گے۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

"جسٹ شٹ اپ۔" روبینہ غصے سے چلائی۔ خوامخواہ ہی بے تکلف ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔

"اور سنیے..... آپ یہاں جس بھی حیثیت سے آئے ہوں۔ مجھ سے اپنی شناسائی جتانے اور اسے زبان زد عام کرنے کی کوشش نہ کیجیے گا کیونکہ میں یہ اب بھی افورڈ نہیں کر سکتی اور یہ تو آپ اچھی طرح جانتے ہوں گے کہ میں چھچھورے پن سے کس قدر نفرت کرتی ہوں۔" بات مکمل کر کے وہ آگے بڑھ گئی۔ یہ شخص تو ذرا بھی نہیں بدلا تھا۔ وہی عادتیں' وہی حرکتیں' خوامخواہ گلے پڑنا۔

انگلش کا پیریڈ تو چوٹ کی نذر ہو گیا تھا۔ اب اگلے پیریڈ تک اسے وقت تو گزارنا ہی تھا۔ کولڈ ڈرنک اور چپس کا پیکٹ لے کر وہ اپنی پسندیدہ جگہ پر آ بیٹھی۔ طیب ہمدانی کو دوبارہ نہیں ملنا چاہیے تھا۔ وہ بڑی مشکل سے خود کو سمجھانے میں کامیاب ہوئی تھی اور وہ یوں ایک دم سے پھر اس کی دنیا برباد کرنے آ گیا تھا۔ ہاں وہ اسے کوئی رسپانس نہیں دے گی۔ وہ اسے احساس تک نہیں ہونے دے گی کہ یہ چھ

Digitized by Google

سال اس نے اس سے عشق کرتے گزارے ہیں۔
اس کی کولڈ ڈرنک ختم ہوچکی تھی اور اگلا پیریڈ بھی اسٹارٹ ہونے والا تھا۔ اس نے گھڑی پر نگاہ ڈالی اور اٹھ کھڑی ہوئی تب ہی اس کی نظر سامنے جا پڑی۔ شزاء اور حماد محبت کا سبق پڑھنے میں مصروف تھے۔
"توبہ ہے ان دونوں سے۔" وہ کوفت سے بڑبڑاتی ہوئی آگے بڑھی تب ہی شزاء نے اسے آواز دے ڈالی۔
"رکو روبینہ..... یہ تم ہی حماد کو سمجھاؤ۔ میری بات تو سمجھنے کو تیار نہیں ہے۔" شزاء نے اسے گھسیٹا۔
"نہ بہن..... میری کلاس شروع ہونے والی ہے تم خود ہی سمجھاؤ پلیز۔" وہ نفی میں سر ہلاتی آگے بڑھ گئی۔ اسے حیرت ہوتی تھی لڑکیاں کس طرح ماں باپ کو دھوکا دیتی پھرتی ہیں۔ کالج یونیورسٹیز کی فیسیں ماں باپ جانے کس طرح بھرتے ہوں گے اور یہ یہاں آکر سوائے پڑھائی کے سارے کام کرتی ہیں۔ اس نے سر جھٹکا اور پھر باقی کا سارا دن اسے طیب ہمدانی اور شزا کے بارے میں سوچنے کا موقع ہی نہ ملا۔

❁.....❁.....❁

"ارے سنا، طیب یہاں آگیا ہے۔" یہ کراری آواز پھوپو کی تھی جو صبح صبح اس کی سماعت سے ٹکرا کر اسے پوری طرح جگا گئی تھی۔ وہ آج یونیورسٹی نہیں جانا چاہ رہی تھی۔ خود کو جوڑے رکھنے کے لیے اسے کچھ وقت درکار تھا۔ وہ منہ سر لپیٹے پڑی تھی۔ لیکن پھوپو کی بے وقت آمد نے اسے پھر سے ڈسٹرب کردیا تھا۔ آج کہاں چلا گیا ان کے جوڑوں کا درد، جو یہ بریکنگ نیوز سناتے وہ ہانپتی کانپتی اوپر پہنچ گئی تھیں۔
"اچھا....." اماں کا مختصر سا اچھا بھی سنائی دے گیا تھا۔ پھوپو تفصیلات سنانے لگیں۔
"ارے کل میں ہمایوں بھائی کی طرف گئی تو وہاں راجہ اندر بنا بیٹھا تھا۔ سطوت کی بیٹیاں آگے پیچھے پھر رہی تھیں۔ ان چھ سالوں میں تو اس کی شکل وصورت ہی بدل گئی، بہت خوب صورت نکل آیا ہے۔ یہ اونچا لمبا، قسم سے پہچانا ہی نہ گیا۔ سچ کہوں، میرے تو دل کو بھا گیا۔ میں نے تو سبیکا کے کانوں میں بات ڈالی ہے۔ حامی بھرے تو جی جان سے بات کروں۔" پھوپو نے تو جھٹ پٹ سب کچھ طے بھی کرلیا تھا۔ روبینہ حسن کے دل کو یکبارگی کچھ ہوا۔ لیکن اس نے "مجھے کیا" کہہ کر اس کو تھپک دیا۔ مزید لیٹے رہنا بے کار تھا۔ وہ پاؤں میں چپل اڑستی باہر نکل آئی۔ اماں پالک پھیلائے بیٹھی تھیں۔ ساتھ ہی پھوپو براجمان تھیں۔
"السلام علیکم! پھوپو۔" اس نے سلام کرتے ہوئے کرسی گھسیٹی اور وہیں آبیٹھی۔ پھوپو کی گفتگو معلومات سے پُر تھی۔
"وعلیکم السلام! آج پھر چھٹی کرلی؟" انہوں نے جواب دیتے ہوئے پوچھا۔
"جی پھوپو دل نہیں چاہا۔ سبیکا کیا کر رہی ہے اور آج آپ نے کیسے ہمت کرلی؟" اس نے پالک کا پتا پکڑ کر جھاڑا اور پاس رکھی گاجر اٹھا کر دانتوں سے کترنے لگی۔ اماں نے غصے سے دیکھا۔
"روبینہ..... منہ تو دھو لیا کر، سو کر اٹھی ہے اور ایسے ہی کھانا شروع کردیا۔"
"چھوڑیں اماں۔" اس نے بے نیازی کا مظاہرہ کیا۔
"اور بتائیں ناں پھوپو..... کیا بن کر آگیا ہے طیب..... کسی ریاست کا مالک تو نہیں بن گیا بڑے ابا سے کیا بعید، اسے کچھ بھی بنادیں، دل و جان سے چاہتے ہیں اسے۔"
"ہاں ہاں۔" پھوپو دفور جذبات سے پھر شروع ہوگئیں۔
ان چھ سالوں میں اس نے کیا کیا۔ کیسے اپنی تعلیم مکمل کی اور بالآخر وہ لیکچرار کے عہدے تک پہنچ ہی گیا۔
"پالک میں کیا ڈال رہی ہیں اماں، آلو مت ڈالیے گا سارا مزہ خراب ہوجاتا ہے۔" پھوپو، طیب کی مدح سرائی کرتی رہیں۔ وہ اٹھ کر ٹیرس پر آگئی۔ نیچے جھانکا، سبیکا اپنے روزمرہ کے کاموں میں مشغول تھی۔

Digitized by Google

"سبیکا اور طیب....." ذہن پھر پھوپو کی باتوں میں جا الجھا۔

"ہاں ہوسکتا ہے۔ کیا نہیں ہوسکتا۔ اتنا کچھ ہوگیا ہے تو یہ بھی سہی۔" وہ سبیکا کو غور سے دیکھنے لگی۔

سبیکا بہت خوب صورت لڑکی تھی۔ شاید کیلاشی تھی۔ نین نقش ان ہی سے ملتے تھے۔ دس بارہ سال پہلے جب وہ پندرہ سولہ سال کی تھی، پھوپا اس کو لے کر آئے تھے۔ کہا یہی تھا کہ وہ ان کے دوست کی بیٹی ہے۔ ایک حادثے میں دوست ہلاک ہوگیا تھا۔ ماں اس کی پیدائش کے وقت چل بسی تھی۔ اکیلی تھی اس لیے وہ لے آئے۔ پہلے پہل پھوپو سمیت سب نے یہی سمجھا کہ پھوپا کی خفیہ اولاد ہے۔ خفیہ شادی کے نتیجے میں ہونے والی لیکن کچھ عرصہ قبل جب پھوپا نے فائز کے لیے سبیکا کا نام تجویز کیا تو یہ غلط فہمی دور ہوگئی۔

فائز میاں کو اپنی کسی کولیگ سے شادی کرنا تھی اس لیے سبیکا پر ان کی نظر ہی نہ پڑی۔ پھوپو کے لیے تو یہ اطمینان ہی کافی تھا کہ وہ ان کے شوہر کی کچھ نہیں لگتی تھی۔ فائز اپنی کولیگ بیاہ لایا۔ سبیکا پہلے ہی سارے گھر کی ذمہ داری اٹھائے تھی۔ نازنخروں والی فریسہ کی خدمت میں بھی جت گئی۔ وہ سبیکا کی اصلیت سے آشنا تھی۔ اس لیے اکثر اس کے حوالے سے اپنے تحفظات کا اظہار کرتی رہتی۔ جسے کوئی اہمیت نہ دیتا۔ فائز کا ہر کام سبیکا کے ذمے پہلے بھی تھا اور اب بھی۔

فریسہ نے کوئی ذمہ داری اٹھانے کی کوشش نہیں کی تھی اور اسے سبیکا بھی برداشت نہ تھی۔ پھوپو سبیکا سے بیٹیوں کی طرح محبت کرتی تھیں اور فریسہ کو بارہا سمجھا چکی تھیں کہ ایسی کوئی بات نہیں لیکن اس کی خوب صورتی اسے شک کرنے سے باز نہیں رکھ سکتی تھی۔ شادی کے چار سال ان ہی لڑائی جھگڑوں میں گزر گئے تھے۔

پھوپو اور پھوپا کو اپنے اکلوتے بیٹے کی اولاد دیکھنے کی خواہش تھی اور فریسہ کو اپنے کیریئر اور فگر کی۔ فی الحال وہ بچوں کی ذمہ داری اٹھانے کو تیار نہ تھی۔ اب تو فائز کو بھی بچے کی کمی محسوس ہونے لگی تھی۔ وہ بھی اب دبے لفظوں میں فریسہ کو مجبور کرنے لگا تھا۔ جس کی وجہ سے ان کی لڑائیاں مزید شدت اختیار کر گئی تھیں۔ بہت سوں نے سمجھایا لیکن وہ سمجھنے کو تیار ہی نہ تھی۔

"بچہ..... میاں بیوی کے تعلق کو مضبوط کرتا ہے، عورت کے پاؤں مضبوطی سے جم جاتے ہیں، وہ گھر کی مالکن کا درجہ اختیار کر لیتی ہے۔" پھوپو نے ایک دن اسے سمجھانے کی ٹھان لی۔ فریسہ نے توبہ تمیزی میں پی ایچ ڈی کر رکھی تھی۔ تڑاخ سے بولی۔

"آپ مریں گی تو کوئی اور اس گھر کی مالکن کا درجہ اختیار کرے گی۔ آپ تو جانے کون سا آب حیات پیے بیٹھی ہیں۔ جگہ خالی کرنے کو تیار ہی نہیں۔ مجھے مت دکھائیں ایسے سبز باغ۔ غضب خدا کا۔ ساری عمر اپنے شوہر پر حکمرانی کی اب بیٹے پر کر رہی ہیں۔ کب مریں گی کب جان....." اس کی بات منہ میں ہی رہ گئی۔ فائز نے زور سے ایک تھپڑ فریسہ کے منہ پر مارا تھا۔ وہ اس کی ماں کے بارے میں ایسے خیالات رکھتی تھی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا اور فریسہ نے بھی کہاں سوچا تھا کہ اس کا محبت کرنے والا شوہر ماں کی محبت میں اس کے منہ پر طمانچہ دے مارے گا۔ اس نے آناً فاناً اپنا بیگ پیک کیا اور گھر سے باہر نکل گئی۔ پھوپو روکتی رہ گئیں، لیکن وہ انہیں بے نقط سناتی چلی گئی۔

وہ پشیمان سی اپنے کمرے میں آ گئیں۔ گھر میں سناٹا چھا گیا۔ سبیکا سب سنا ان سنا کر دینے کی عادی تھی۔ اس گھر میں اس کو پناہ ملی تھی۔ ماں باپ کا پیار ملا تھا۔ وہ کوئی بھی بات دل پر نہیں لیتی تھی۔ وہ ان کے احسانات کو کسی بھی رنجش سے آلودہ نہیں ہونے دیتی تھی۔ شام کو پھوپا کو پتا چلا تو انہوں نے سختی سے کہہ دیا کہ دوبارہ فریسہ اس گھر میں تب تک قدم نہ رکھے جب تک وہ پھوپو سے معافی نہ مانگ لے اور اپنا رویہ ٹھیک نہ کر لے۔ لیکن وہ بھی فریسہ تھی، آنے کا نام نہ لیا۔ بلکہ فائز سے علیحدہ گھر کا مطالبہ بھی کر دیا۔ جو کہ فائز نے رد کر دیا۔

پھر کچھ دن بعد ہی فریسہ نے فون کرکے ماں بننے کی خوشخبری فائز کو سنائی۔ اسے یقین نہیں آیا۔ لیکن خوشی میں دوڑا چلا گیا۔ وہ واقعی ماں بننے والی تھی۔ لیکن صرف اس صورت میں وہ دوبارہ گھر آنے کے لیے تیار تھی۔ جب فائز اسے علیحدہ گھر میں رکھنے کا بندوبست کرتا۔ اس کی شرط فائز اور اس کے گھر والوں کے لیے ناقابل قبول تھی۔ مسئلہ پھر وہیں اٹک گیا۔

فریسہ نے دھمکی دی کہ اگر فائز اس کی بات نہیں مانے گا تو وہ ابارشن کرادے گی۔ فائز ان دنوں کمپنی کی طرف سے دبئی گیا ہوا تھا۔ وہ گھبرا گیا۔ اس نے فریسہ کو یقین دہانی کروائی۔ اماں کو منایا۔ بابا کو راضی کیا کہ جیسے ہی ڈلیوری ہوجائے گی وہ دوبارہ فریسہ اور بچے کو اس گھر میں لے آئے گا اور یوں وہیں بیٹھے بیٹھے فائز نے اپنے ایک دوست کے ذریعے فریسہ کے لیے گھر کا انتظام کروایا۔ وہ وہاں شفٹ ہوگئی اور فائز بھی دبئی سے واپسی پر سیدھا اسی گھر گیا۔

فریسہ اپنی جیت پر بہت خوش تھی۔ اس نے ڈرنا سیکھا ہی نہ تھا۔ فریسہ نے فائز پر مکمل پابندی لگادی تھی کہ وہ اپنے ماں باپ کے گھر میں قدم بھی نہیں رکھے گا۔ اپنے سسرالیوں میں سب سے زیادہ اسے سبیکا ہی سے خار تھا۔ اور وہ خوش تھی کہ اپنے شوہر کو وہ اس خوب صورت بلا سے بچا کر لے آئی تھی۔ پھوپو اور پھوپا نے خاموشی اختیار کرلی تھی۔ وقت گزرا فریسہ نے ایک خوب صورت بیٹی کو جنم دیا اور ساتھ ہی ایک مطالبہ بھی پیش کردیا۔ فائز ہکا بکا رہ گیا۔ اس موقع پر یہ مطالبہ اور اب تو وہ اس کی ہر بات پر سر تسلیم خم کرنے لگا تھا۔

"فریسہ تم مذاق کررہی ہو؟" اس نے امید وبیم کی کیفیت میں مبتلا ہوکر کاٹ میں لیٹی چند گھنٹوں کی بچی کو دیکھا پھر بیوی کو جو کہ اب ماں جیسے معتبر رشتے پر فائز ہوگئی تھی لیکن وہ اس رشتے کی اہمیت سے یکسر نابلد تھی۔

"میں سیریس ہوں فائز۔ میرا دل اب اس رشتے کو مزید قبول کرنے کو تیار نہیں۔ میں اس بچے کو پیدا کرنے کے حق میں نہیں تھی لیکن تمہاری ضد اور رب کی مرضی کے آگے میں کچھ نہیں کرسکی۔ لیکن مزید میں کھلونا نہیں بنوں گی۔ تمہیں تمہاری اولاد مبارک۔ مجھے آزاد کردو....." وہ اتنی سفاکی سے یہ سب کہہ رہی تھی کہ فائز کو سکتہ ہوگیا۔

وہ کچھ بھی نہیں سوچ رہی تھی۔ نہ اپنے اور اس کے رشتے کے بارے میں نہ اس بچی سے اپنے تعلق کے بارے میں۔ کیسی ماں تھی اور کیسی عورت؟ جسے سوائے اپنے گھر کے سب کچھ عزیز تھا۔ اس نے تو یہ سب تب ہی پلان کرلیا تھا جب ہزار کوشش کے باوجود وہ اس بچے سے جان نہیں چھڑا سکی تھی اسے روایتی عورت نہیں بننا تھا۔

فائز نے بچی کا سامان اٹھایا اور اسے تین بار طلاق دے کر کمرے سے باہر نکل آیا۔ وہ بھی اس فسادی ذہنیت کی مالک عورت سے اب ایک لمحہ بھی تعلق نہیں رکھنا چاہتا تھا۔ عینا کو اس نے پھوپو کی گود میں ڈال دیا اور خود ایک روایتی مرد بن گیا۔ عورت کی بے وفائی کا بدلہ ہر دوسرے شخص سے لینے والا۔ اسے اب کوئی رشتہ بھی اچھا نہیں لگتا تھا۔

ابا کی وفات کے بعد جب پھوپو نے انہیں اپنے عالیشان گھر کا اوپری حصہ عنایت کیا تھا۔ تب وہ اور معیز بہت چھوٹے تھے۔ وہ چودہ پندرہ سال کی تھی اور معیز بارہ سال کا۔ سبیکا ان سے پہلے اس گھر میں آئی تھی۔ وہ ان دونوں سے بھی پیار کرتی تھی۔ کبھی کبھی اسے سبیکا پر ترس بھی آتا اور پھوپو کی خودغرضی پر غصہ بھی۔ اپنے آرام کی خاطر وہ اس کی شادی نہیں کرتی تھیں۔ کتنے ہی اچھے رشتوں کو وہ ٹھکرا چکی تھیں اور اب نظر انتخاب پڑی بھی تو کس پر.....؟

سبیکا اب گیلے کپڑے الگنی پر پھیلا رہی تھی۔ وہ اسے دیکھ چکی تھی اور اب چائے کی دعوت دے رہی تھی۔ ساتھ میں مونگ پھلیوں اور چلغوزوں کا لالچ بھی دیا لیکن اب اسے کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ وہ پیچھے ہٹ گئی۔ اماں پالک ابلنے رکھ کر گوشت بھون رہی تھیں۔ اسے پالک صرف گوشت میں ہی پسند تھا۔ ساتھ میں چپڑی روٹی۔

Digitized by Google

معیز حسبِ معمول ٹی وی دیکھنے کے ساتھ ساتھ چنے کی دال کا حلوہ کھانے میں مصروف تھا۔ ہمیشہ کی طرح اس نے معیز کو ٹوکا نہیں۔ خاموشی سے بیٹھ کر ٹی وی دیکھنے لگی۔

"نصیب دشمناں....." معیز نے چمچ بھر حلوہ نگلتے ہوئے روبینہ کی طرف تشویش سے دیکھا۔ "میری بہن کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟ آج کوئی حد مقرر نہیں ہوئی۔ اعتراض نہیں لگا۔" روبینہ نے پلٹ کر دیکھا اور بولی۔

"ہاں..... تم کون سا باز آجاؤ گے اس لیے میں نے ہی توبہ کرلی ہے۔"

"بہت اچھا فیصلہ ہے بہن جی آپ کا..... لیجیے اسی خوشی میں منہ میٹھا کیجیے قسم سے بہت مزے دار حلوہ ہے۔ پھوپو نے واقعی دل لگا کر بنایا ہے۔" معیز نے خوش ہو کر چمچ بھر کر اس کی طرف بڑھایا۔

"جی نہیں شکریہ۔" اس نے انکار کیا۔ "ایسی ثقیل چیزوں کے لیے آپ کا معدہ بنا ہے۔" معیز بنا اصرار کیے دوبارہ کھانے میں مشغول ہوگیا۔ وہ دیکھتی رہ گئی۔ اسی وقت اماں آگئیں۔

"معیز..... اگر آج فرصت مل جائے تو حمید بھائی سے کرائے کا پتا کرآنا' دس تاریخ ہوگئی ہے ان کو تو شرم ہی نہیں آتی جب تک دس بار کہلوائیں دینے کا نام نہیں لیتے۔ سو ضرورتیں ہیں۔ اب بابا صاحب کے بھجوائے پیسوں سے کہاں پورا پڑتا ہے۔" وہ دوپٹے سے ہاتھ صاف کرتیں دم لینے کو وہیں بیٹھ گئیں۔

"تو اماں آپ ان سے دکان خالی کیوں نہیں کروا لیتیں جس جگہ پر دکان ہے، پچاس ساٹھ ہزار کرایہ آسانی سے مل جائے گا اور آپ نے گزشتہ بیس سالوں سے پندرہ ہزار پر چڑھا رکھی ہے۔" روبینہ نے سر ہلا کر دس دفعہ کی کہی بات ایک بار پھر دہرائی اور اماں کا جواب بھی وہی پرانا تھا۔

"کیا کروں..... رشتہ داری کا معاملہ ہے۔ بھائی صاحب (پھوپا) کے بہنوئی ہیں' زیادہ تُو تکار بھی نہیں کرسکتے۔ انہوں نے بھی تو ہمیں اپنا گھر دے رکھا ہے۔" اماں نے نظریں چراتے ہوئے جواب دیا لیکن اس طرح وہ بڑھتے اخراجات سے نظریں نہیں چرا سکتی تھیں لیکن یہاں بھی بحث فضول ہی تھی۔ سو اس نے چپ سادھ لی تھی۔

❁.....❁.....❁

طیب ہمدانی سے بچنے کے لیے اسے زیادہ تگ و دو نہیں کرنا پڑی۔ وہ خود ہی اسے نظر انداز کررہا تھا۔ (اور یہ بات اسے بہت تکلیف دے رہی تھی) پہلے دن کے علاوہ اس نے نہ تو روبینہ حسن سے بات کرنے کی کوشش کی تھی اور نہ ہی یہ جتانے کی کہ اس کا اس سے کوئی رشتہ بھی ہے۔

وہ آرام سے اس کا لیکچر سنتی' پوائنٹس نوٹ کرتی' نوٹس بناتی۔ وہ پہلے بھی اچھی اسٹوڈنٹ تھی اور اب بھی اس نے یہ روایت برقرار رکھی تھی۔ فائزہ البتہ طیب کی پرسنالٹی سے دن بدن متاثر ہوتی جارہی تھی۔ وہ بہانے بہانے سے بات بھی کرنے کی کوشش کرتی لیکن طیب ہمدانی گرلز اسٹوڈنٹ سے کم ہی بات کرتے تھے۔ ہاں بوائز کو وہ خوب آڑے ہاتھوں لیتے تھے۔

پھوپو کا بھی شاید دوبارہ ہمایوں چچا کی طرف چکر نہیں لگا تھا' اس لیے ان سے بھی طیب کے بارے میں کوئی تازہ خبر نہیں ملی تھی۔

شزا اور حماد کی لڑائی ہورہی تھی۔ سارا ڈپارٹمنٹ تماشا دیکھ رہا تھا اور یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ مہینہ میں دو بار تو یہ تماشا لگتا ہی تھا۔ وہ خامشی سے لائبریری میں چلی آئی کچھ اسٹوڈنٹس موجود تھے اور ساتھ میں طیب ہمدانی بھی۔

وہ پیچھے سے ہوتی ہوئی آخری میز پر جا بیٹھی۔ طیب ہمدانی کی آواز یہاں بھی پہنچ رہی تھی۔ وہ سومنات کے مندر کی تاریخ بیان کررہا تھا۔ ان چند سالوں نے تو اسے واقعی بدل دیا تھا۔ وہ مکمل عبور رکھتا تھا۔ تاریخ کا کوئی واقعہ ہوتا' اس کا انداز اتنا فصیح و بلیغ ہوتا کہ سننے والے کو کتابیں چھاننے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی تھی۔ وہ چند ہی دنوں میں یونیورسٹی کا ہر دلعزیز پروفیسر بن گیا تھا۔ اسٹوڈنٹس تو اس کے دیوانے ہورہے تھے' تمام اساتذہ بھی اسے پسند کرنے لگے تھے۔ وہ سینئرز کا احترام اور جونیئرز کی عزت

Digitized by Google

کرنے میں سب سے آگے ہوتا اور ایسا وہ شروع سے تھا۔ بڑے صاحب (بابا صاحب) اسے ان ہی خوبیوں کی بنا پر بہت زیادہ پسند کرتے تھے۔ وہ کتاب کے صفحے الٹ پلٹ کرنے کے علاوہ اور کچھ نہ کرسکی۔ پورا دھیان طیب کی طرف تھا اور اسے پتا بھی نہیں چلا وہ کب اس کے سامنے آ کر بیٹھ گیا تھا۔ وہ کسی غیر مرئی نقطے پر نظریں جمائے بس صفحے پلٹ رہی تھی۔

"کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تو میں سمجھا دوں؟" طیب ہمدانی کی شرارت سے بھرپور آواز اسے حواسوں میں کھینچ لائی۔ اس نے بے ساختہ کتاب بند کردی۔

"نہیں..... میری سمجھ میں سب آجاتا ہے۔" وہ اُٹھنے کے لیے پَر تولنے لگی۔

"اچھا.....!" وہ بے اختیار ہنس دیا۔ "مثلاً؟ کیا کیا سمجھ آگیا ہے آپ کو؟" لہجہ ذومعنی ہوا۔

"وہ سب جو آپ نے پڑھایا ہے سر....." اس نے سر پر خاصا زور دیا۔ وہ جان گیا تھا' اس لیے کچھ دیر خاموشی سے اسے تکتا رہا۔ رومینہ نروس ہونے لگی۔

"میں چلوں۔" اس نے خود کلامی کے سے انداز میں کہا اور اپنی چیزیں سمیٹنے لگی اور طیب ہمدانی نے بے اختیار اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ رومینہ نے بجلی کی سی سرعت سے اپنا ہاتھ کھینچا۔

"کچھ دیر رکو روم..... میں تم سے باتیں کرنا چاہتا ہوں۔" اس نے گمبھیر لہجے میں کہا۔ رومینہ کو اپنا دل بند ہوتا محسوس ہوا۔

"نہیں، مجھے کچھ نہیں سننا۔" ہمیشہ کی طرح اس نے دل کی آواز پر لات ماری۔

"آج پلیز..... کچھ لمحے کچھ وقت۔"

"برائے مہربانی سر..... اس مقدس ادارے کا تقدس ملحوظ خاطر رکھیے۔ اپنے اور میرے رُتبے کو پامال کرنے کی کوشش نہ ہی کریں تو بہتر ہے۔" وہ سختی سے کہتی ہوئی وہاں سے اُٹھ گئی۔

طیب ہمدانی نے اس پتھر کے بُت کو دیکھا۔ وہ آج بھی اتنی ہی اکھڑ' ضدی اور بد دماغ تھی۔ ہمیشہ کی طرح اس کی بات سننے کو تیار نہیں تھی اور اس کے لیے کوئی جذبہ اپنے دل میں نہ دیکھتی تھی اور وہ..... اس نے سر جھٹکا اور اس کے پیچھے پیچھے لائبریری سے باہر نکل آیا۔ جانے یہ لڑکی اس سے کیا چاہتی تھی' نہ وہ پہلے سمجھ سکا تھا اور نہ ہی اب اس کی سمجھ میں آرہا تھا۔

❁.....❁.....❁

چھت پر مکئی کے دانے بکھرے تھے۔ ذرا دور نصیبن خالہ کیریوں میں اچار کا مسالہ لگا رہی تھیں۔ ہاشم ابھی ابھی کولہو سے سرسوں کا تیل نکلوا کر لایا تھا۔ اماں بی ہمیشہ کولہو کا نکلا تازہ تیل اچار میں ڈلواتی تھیں۔ پورا سال اچار تازہ رہتا۔ ہاشم نے بوتل اماں بی کے آگے رکھی اور بتانے لگا۔

"لیں بی بی..... کھڑے ہو کر اپنے سامنے نکلوایا ہے۔ ایک پل کو نظر نہیں چوکی۔ میں نے کہہ دیا' اگر ہیک آئی تو واپس' ایک ٹکا نہیں دوں گا۔"

"ہاں پچھلی بار تو بہت ہیک والا تھا۔" اماں بی نے ڈھکن کھول کر سونگھا' پھر سر ہلا کر گویا ہاشم کی بات کی تصدیق کی۔ ہاشم خوش ہو کر واپس پلٹ گیا۔

نصیبن خالہ اپنا کام مکمل کر چکی تھیں اور اب اچار میں تیل مکس کرنے کے لیے انہیں کم از کم تین' چار دن انتظار کرنا تھا۔ جب تک کیریوں کا پانی سوکھ نہ جاتا' وہ اس میں تیل شامل نہیں کرتی تھیں۔ ہر سال چار' پانچ قسم کے مختلف اچار تیار کرنا نصیبن خالہ کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔

ہاشم نے کسی مہمان کے آنے کی اطلاع دی تو اماں بی اُٹھ کر نیچے چلی گئیں۔ نصیبن خالہ اس گھر کی پرانی خدمت گزار تھیں اور اب تو وہ گھر کے فرد کی حیثیت رکھتی تھیں۔ اس گھر کی کوئی بات ان سے ڈھکی چھپی نہ تھی اور وہ بھی جی جان سے اپنی وفاداری نبھاتی تھیں۔ انہوں نے ہاشم کو بلا بھیجا تاکہ وہ مرتبانوں کو اندر رکھوا دے۔ صبح دھوپ نکلتے ہی پھر نکلوانا تھا۔ ہاشم آیا تو کچھ بڑبڑا رہا تھا۔

"کیا ہوا؟ ہر وقت بڑبڑ نہ کیا کر۔" خالہ نے مرتبانوں

Digitized by Google

کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ہاشم کو ٹوکا۔

"خالہ..... وقار بھائی اپنی دلہن لے آئے ہیں، وہ بھی دو بچوں والی۔" ہاشم نے رازداری سے بتایا۔ نصیبن خالہ جہاں تھیں، وہیں رُک گئیں۔ انہوں نے بے یقینی سے ہاشم کو دیکھا۔

"کیا کہہ رہے ہو ہاشم.....؟" وہ ہول کر بولیں۔

"سچ کہہ رہا ہوں خالہ۔ آپ چل کر دیکھ لیں۔ بی بی چپ ہیں اور بڑے بابا صاحب خوب گرج برس رہے ہیں۔" ہاشم نے آخری مرتبان اندر پہنچایا۔ مکی کے دانے اکٹھے کر کے ان پر تر پال ڈالی اور خالہ کی طرف دیکھنے لگا۔

"یہ کیا کیا وقار میاں نے؟" وہ سچ مچ پریشان ہوگئیں۔ مرے قدموں سے نیچے آئیں۔ نیچے تماشا جاری تھا۔ بڑے صاحب بہت ہی غصے میں تھے۔ وہ دبکی کھڑی رہیں۔ ذرا فاصلے پر وقار میاں اپنی دلہن اور دو بچوں کے ہمراہ خاموشی سے سب سن رہے تھے۔ بڑے صاحب نے انہیں "خاندانی روایات" کے مطابق عاق کرنے اور گھر سے نکل جانے کا حکم دے دیا تھا۔

"مجھے بے گھر مت کیجیے، میرا اس دُنیا میں کوئی نہیں۔ سر چھپانے کا آسرا بھی نہیں۔ آپ یہیں، کسی کونے میں مجھے پڑا رہنے دیں۔ میرے بچے اور میں تمام عمر آپ کی خدمت کریں گے لیکن اللہ کے لیے ہمیں نکالیں مت۔" اس سے پہلے کہ وقار کچھ کہتے نئی دلہن رو رو کر التجا کرنے لگیں۔

کسی کو ان سے یہ توقع ہرگز نہ تھی۔ وہاں موجود ہر بندہ گنگ ہوگیا۔ وقار میاں اپنی دلہن کو یوں گڑگڑاتے دیکھ کر تڑپ گئے۔ انہوں نے بڑھ کر دلہن کو اُٹھانا چاہا لیکن وہ بابا صاحب کی ٹانگیں پکڑ کر التجا کر رہی تھیں۔ بابا صاحب اس افتاد پر گھبرا سے گئے۔

"ہٹو پیچھے....." انہوں نے اسے جھڑکا۔

"جب تک آپ اجازت نہیں دیں گے، میں اسی طرح آپ کے قدموں میں بیٹھی رہوں گی۔" دلہن کی گرفت اور مضبوط ہوگئی۔

"کیا مصیبت ہے؟" وہ جھنجھلا گئے۔ "اٹھاؤ وقار اسے یہاں سے۔" انہوں نے وقار میاں کو خونخوار نظروں سے دیکھا۔ اس وقت انہیں اپنے اس ناخلف بیٹے پر بے تحاشا غصہ آرہا تھا جو ایک راہ چلتی عورت کو اپنی بیوی بنا کر گھر لے آیا تھا اور حویلی کے سارے قوانین کو توڑ کر کھونٹی پر لٹکا دیا تھا۔

وقار میاں کے چہرے پر شرمندگی کے آثار نہ تھے۔ وہ اپنے فیصلے پر مطمئن تھے اور یہی بات بابا صاحب کو غصہ دلا رہی تھی۔

"آؤ بیگم..... ہم چلتے ہیں۔" انہوں نے جھک کر نیلم کا بازو پکڑا۔ "سمجھو اس بہت بڑی حویلی کے مالکوں کے دل بہت چھوٹے ہیں۔ تمہیں پناہ نہیں دے سکیں گے۔" نیلم کی گرفت ڈھیلی پڑی۔

انہوں نے نمناک نگاہوں سے اپنے دونوں بچوں کو دیکھا۔ پھر سامنے ساکت کھڑی اس عورت کو دیکھا جو گم صم کھڑی کبھی وقار کو تک رہی تھی تو کبھی اسے اور اس کے معصوم بچوں کو۔ وہ وقار کی گرفت سے اپنا بازو چھڑاتے ہوئے اس عورت کے قدموں میں جا گری۔

"میں واقعی ایک بے سہارا عورت ہوں۔ رشتوں کے نام پر میرے پاس صرف یہ دو بچے ہیں۔ آپ مجھے بے شک بہو کا درجہ نہ دیں۔ میں تمام عمر نوکرانی بن کر آپ سب کی خدمت کروں گی۔ کبھی وقار پر اپنا حق نہیں جتاؤں گی، بس اس کا نام میرے ساتھ جڑا رہنے دیں۔ اللہ کا واسطہ ہے مجھے گھر سے مت نکالیں۔" وہ التجا کر رہی تھی۔ اماں بی نے بابا صاحب کی طرف دیکھا، پھر وقار کی طرف۔

"ایک شرط پر تم اس گھر میں رہ سکتی ہو۔" نیلم نے سر اُٹھایا۔

"تم وقار سے کوئی تعلق نہیں رکھو گی۔ ہم وقار کی دوسری شادی کر دیں گے۔ تمہیں اس گھر میں ایک کمرہ مل جائے گا لیکن تمہاری اور تمہارے بچوں کی حیثیت ایک ملازم کی سی ہوگی۔ کہو وقار.....؟" روئے سخن بیٹے کی طرف کیا۔

Digitized by Google

"آپ کیسی باتیں کررہے ہیں بابا صاحب۔ وہ میری منکوحہ ہے۔ آپ اس قدر ذلت والا سلوک تو نہ کریں اس کے ساتھ، بیاہ کر لایا ہوں، عزت دار لڑکی ہے۔ میں اسے ساتھ لے کر جارہا ہوں۔ ہم رہ لیں گے کہیں نہ کہیں۔" انہوں نے نیلم کا بازو پکڑا، نیلم نے فوراً اپنا بازو چھڑا لیا۔

"کہاں جائیں گے وقار؟ کون سی جگہ ہے آپ کے پاس جہاں آپ مجھے رکھیں گے۔ میں نے آپ سے شادی آپ کے گھر کے لیے کی ہے، ایک سائبان چاہیے مجھے۔ در در کی ٹھوکریں کھانا مجھے منظور نہیں۔ بابا صاحب مجھے آپ کا فیصلہ منظور ہے۔ یہ بچے آپ کے خدمت گار ہیں، چوں نہیں کریں گے۔ دو وقت کی روٹی اور چھت بس۔" نیلم کی آنکھیں دریا بہا رہی تھیں۔

"پاگل مت بنو نیلم۔" نیلم کا دماغ اس وقت کیا سوچ رہا تھا، وقار سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

"مجھے میرے کمرے کا بتا دیں بابا صاحب۔ مم..... میرا مطلب ہے رہائش کہاں ہوگی میری؟ میں اپنا سامان رکھ آؤں۔" نیلم تو حد سے زیادہ بے تاب ہو رہی تھی۔ وقار غصے سے پاؤں پٹختا باہر نکل گیا۔ نیلم جن حالات سے گزری تھی وہ جانتے تھے اور انہیں اپنانے کا فیصلہ انہوں نے بڑے حوصلے کے ساتھ کیا تھا لیکن جس طرح اس نے ایک چھت کے لیے اپنے شوہر کو بھی نظر انداز کر دیا تھا وہ ان کے لیے ناقابل قبول تھا۔ وہ گھنٹوں بائیک پر شہر کی سڑکیں ناپتے رہے، انہیں دوسری بار عورت کے ہاتھوں شرمندگی اٹھانا پڑی تھی۔

پہلی عورت، جو ماں باپ کی پسند تھی، اسے ان کے ساتھ رہنا منظور نہ تھا اور دوسری عورت جسے وہ خود پسند کر کے لائے تھے، وہ بیوی کے بجائے نوکرانی بن کے رہنے کو تیار تھی۔ جب آدھی رات کو گھر آئے تو نیلم سرونٹ کوارٹر میں منتقل ہو گئی تھی اور ان کے وہاں نہ جانے کے آرڈر آچکے تھے۔

"اماں بی، یہ کیسے ممکن ہے، میں اپنی بیوی کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں۔" وہ ماں کا گھٹنا پکڑ کر بیٹھ گئے۔

"میں بے بس ہوں۔" وہ خود بھی دل ہی دل میں نیلم کے اس رویے پر حیران تھیں۔

"آپ سمجھائیں بابا کو..... بابا صاحب نے ہمیشہ اپنے فیصلے ہم پر مسلط کیے ہیں پہلے بھی اور آج بھی، میرا گھر بس جانے دیں۔ وہ دکھوں کی ماری لڑکی ہے، اسے میری ضرورت ہے، اس طرح اس پر ظلم نہ کریں۔" وہ سسک اٹھے۔

"اسے تمہاری نہیں، ایک چھت کی ضرورت ہے اور اس کا انتخاب وہ کر چکی ہے۔" انہوں نے اپنا لہجہ حتی المقدور خشک ہی رکھا۔ "رہی بات گھر بسانے کی تو وہ ہماری ذمہ داری ہے۔ میں نے لڑکی دیکھ لی ہے۔ جلد ہی بات طے ہو جائے گی اور امید کرتی ہوں کہ اب تم مزید کوئی حماقت نہیں کرو گے۔ ورنہ تمہارے بابا صاحب اس لڑکی کو گھر سے نکال دیں گے۔" ان کے لہجے میں دھمکی تھی۔

"وہ بے وقوف لڑکی ہے۔ اسے نہیں پتا وہ کیا کرنے جارہی ہے۔ میں اسے دو وقت کی روٹی عزت سے کھلا سکتا ہوں۔"

"اسے جو چاہیے تھا اس نے لے لیا۔ اگر وہ تمہارے ساتھ مخلص ہوتی تو تمہارے ساتھ اس گھر سے چلی جاتی۔ لیکن اس نے چھت کا انتخاب کیا تمہیں سمجھ لینا چاہیے اور اسے بھلا دینا چاہیے۔ اس کی جو جگہ اور اوقات تھی وہ وہیں پہنچ گئی، تم بھی نئی زندگی کی ابتدا کرو۔ میں کل جارہی ہوں سلیمان بھائی کے گھر۔ کوشش کروں گی ہفتے دو ہفتے کے اندر تمہارا بیاہ ہو جائے۔" بی اماں کٹھور پن کی انتہا پر تھیں۔ وقار کچھ نہیں بولے۔ خاموشی سے اٹھ گئے تھے۔

❁.....❁.....❁

کھانا اچھا تھا، بہت دن بعد ایسا کھانا نصیب ہوا تھا۔ نیلم نے پیٹ بھر کر کھایا اور بچوں کو بھی کھلایا۔ اس کے اندر اطمینان تھا۔ وہ جانتی تھی وہ جب تک ملازمہ بنی رہے گی، تب تک یہ چھت اس کے سر پر قائم رہے گی۔ اسے ایک چھت ہی درکار تھی۔ وہ در بدر کی ٹھوکریں کھا کھا کر تھک چکی تھی۔ بچے کھانا کھا کر لیٹ گئے تھے۔ وہ برتن رکھنے

Digitized by Google

کچن کی طرف آ گئی۔ گھر میں خاموشی تھی' سب اپنے اپنے کمروں میں دُبکے تھے۔ اس نے سارے دھونے والے برتن اکٹھے کیے اور انہیں دھونے لگی۔

"نیلم..... تم نے اچھا نہیں کیا۔" وقار کی آواز پر وہ خیالوں سے چونکی تھی مگر پلٹی نہیں تھی۔

"آپ نے بے سائبانی کا دُکھ سہا نہیں وقار' میں نے جھیلا ہے اور کب سے جھیلتی آ رہی ہوں۔ کبھی مالک مکان سامان اُٹھا کر باہر پھینک دیتا ہے اور کبھی کوئی عزیز' رشتہ دار دھکے مار کر گھر سے نکال دیتا ہے۔ عزت تو جیسے میرے ہاتھوں کی لکیروں میں ہے ہی نہیں۔ میں نے کھلے آسمان تلے سردی سے ٹھٹھرتے اور گرمی سے جھلستے رات دن بتائے ہیں وقار..... اب حوصلہ نہیں رہا۔ آپ شادی کر لیں' اپنا گھر ماں باپ کی مرضی سے بسا لیں' میں آپ کے نام کے ساتھ ساری عمر گزار دوں گی' کبھی کچھ نہیں مانگوں گی لیکن کبھی اپنا نام مجھ سے مت چھینیے گا۔ التجا سمجھ لیں۔" اس نے ہاتھ جوڑے تھے۔ وہ اس کا مسیحا تھا اور اس نے اسی کو سب سے زیادہ دکھ دیا تھا۔

"تم بہت غلط کر رہی ہو نیلم۔" وقار اس کے سامنے آ کھڑے ہوئے۔ "یہ ذلت بھری زندگی کیوں منتخب کی تم نے جبکہ میں تمہیں عزت سے اپنے ساتھ لے جا رہا تھا۔ چھت تو مل ہی جاتی تھی ناں تمہیں۔"

"نہیں وقار' مجھے چند دنوں والی چھت نہیں چاہیے تھی۔" اس نے قدرے توقف کیا۔ مجھے پتا ہے چند دنوں بعد ماں باپ کو چھوڑ دینے کا فیصلہ آپ کے لیے احساس جرم بن جاتا اور آپ مجھے چھوڑ کر چلے جاتے۔ بس میں نے اپنے لیے یہی فیصلہ کیا ہے۔" نیلم برتن دھو کر فارغ ہو چکی تھی۔ گیلے ہاتھ دوپٹے سے پونچھتی کچن سے باہر نکل گئی۔ اس نے تمام عمر خسارے کے سودے ہی کیے تھے۔ ایک یہ ہی سودا سود مند تھا۔

میاں کے مرنے کے بعد زہرہ پر زندگی تنگ ہو گئی تھی۔ مالک مکان نے گھر سے نکال دیا تھا اور کوئی رشتے دار سر چھپانے کا آسرا دینا تو درکنار دو میٹھے بول بولنے کا روادار نہ تھا۔ گلی میں بے سروسامانی کے عالم میں بیٹھی زہرہ کی ملاقات اپنی پرانی مالکن مسز مرزا انعم سے ہو گئی۔ جو اسے اپنے گھر لے آئیں۔ ابھی انہیں یہاں آئے زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ انہوں نے زہرہ کی بارہ سالہ بیٹی نیلم کو اسلام آباد اپنی بیٹی رابعہ کے گھر بھیج دیا تھا۔ نیلم بہت روئی چلائی' لیکن زہرہ بوجھ کم ہو جانے کی خوشی میں مبتلا تھی۔ نیلم اسلام آباد آ گئی۔ رابعہ باجی تو اچھی تھیں' اس کا خیال بھی رکھتی تھیں لیکن رابعہ باجی کے شوہر اسے عجیب سے لگے۔ ہر وقت اسے عجیب نظروں سے دیکھتے رہتے' وہ بچی تھی' ناسمجھ تھی لیکن پھر بھی اسے غلط محسوس ہوتا تھا۔ اس دوران وہ چار بار رابعہ کے ساتھ ہی اپنی ماں اور بہن بھائیوں سے بھی مل آئی۔ زندگی ایک ڈگر پر چل رہی تھی کہ وہ حادثہ ہو گیا۔ رابعہ کا شوہر بالآخر اپنے مذموم مقاصد میں کامیاب ہو گیا تھا۔

اسی شام رابعہ نے نیلم کو واپس ماں کے پاس بھیج دیا تھا۔ ماں ڈری سہمی نیلم کو دیکھ کر کچھ سمجھی اور کچھ نہیں اور جو سمجھی وہ بھی اس نے ان دیکھا کر دیا۔ اس کے بعد نیلم کو چپ لگ گئی۔ رابعہ نے شاید ماں کو سب بتا دیا تھا' تب ہی وہ کافی دن سے چپ چپ تھیں۔ ایک دن زہرہ سے کہا کہ وہ نیلم کی شادی کر کے اسے رخصت کر دے۔ زہرہ سناٹے میں رہ گئی۔

"چھوٹی بچی ہے بیگم صاحبہ۔" اس نے احتجاجاً کہا تھا۔

"بن باپ کی بچی ہے' ہر کسی کی نظر میں آئے گی' نکاح پڑھوا کر رخصت کروا دے۔ خود تو بے آسرا ہو ہی' اسے تو کوئی محفوظ سہارا دے دو۔" بیگم صاحبہ نے سمجھایا۔ وہ ٹھیک کہہ رہی تھیں۔ سو ماں کو ایک ہی مضبوط سہارا نظر آیا' شرفو کباڑیا' سو ماں نے اسے شرفو کباڑیے کے ساتھ بیاہ دیا۔ وہ میلا کچیلا شرفو' جس کے پاس وہ کبھی ردی بیچنے نہیں جاتی تھی' اسی کے پاس ماں نے ہمیشہ رہنے کے لیے بھیج دیا تھا۔

صبح دم ہی وہ اس کھولی کو چھوڑ کر واپس آ گئی تھی۔ ماں

Digitized by Google

نے اسے سانجھ سویرے دروازے پر دیکھا تو ماتھا پیٹ لیا۔

"مجھے وہاں نہیں رہنا' وہ بہت گندی جگہ ہے۔" اماں نے گھسیٹ کر اس کا بازو شرفو کو تھمایا اور وہ اسے گھسیٹتا رکشے میں جا گھسا۔ لیکن اب کہ اس کی منزل وہ کھولی نہیں تھی۔ وہ کسی اور ہی مکان کے سامنے جا رکا تھا۔

تیرہ سالہ نیلم عجیب وسوسوں میں گھری کبھی اس شخص کو اور کبھی اس گھر کو دیکھ رہی تھی۔ کافی دیر گھنٹی بجنے کے بعد دروازہ ایک موٹی عورت نے کھولا تھا۔ اسے لگا شرفو اس کے ساتھ کچھ غلط کرنے لگا ہے۔ وہ عورت اور اس کا حلیہ' وہ اتنی ناسمجھ بھی نہیں تھی۔ ایسے لوگوں کی نظروں کی پہچان ہوگئی تھی۔ اس نے گردن گھما کر دائیں بائیں دیکھا تھا' صرف ایک لمحہ تھا اس کے پاس اور اس نے اس لمحہ سے فائدہ اٹھانے کا سوچا اور سوچ کو عملی جامہ پہنانے میں اس نے دیر نہیں لگائی تھی۔ وہ ایک جھٹکے سے اپنا بازو چھڑا کر بھاگی تھی۔ اس نے شرفو کو پیچھے آتا دیکھا تو گلیوں میں گھس کر بھاگتے بھاگتے تھک گئی تھی۔ شرفو نہ جانے کہاں رہ گیا تھا۔ نہیں جانتی تھی کہ اسے اب کہاں جانا تھا۔ اماں کے پاس جاتی تو اسے پھر شرفو کے حوالے کر دیا جاتا اور اسے یوں لگ رہا تھا جیسے چاروں طرف بھیڑیے تھے اور اس کی طرف بڑھے چلے آ رہے تھے۔ وہ جانے کب تلک چلتی رہی تھی' سڑکیں' گلیاں' محلے' خالی پیٹ' پیاس سے اس کے حلق میں کانٹے پڑ رہے تھے اور یہ غالباً کوئی پارک تھا' اُجڑا اُجڑا سا' ٹنڈ منڈ درخت' سوکھی گھاس' ٹوٹے پھوٹے سے بنچ اور ایک طرف کو لگے ٹوٹے جھولے اور وہیں اسے وہ جھولا نظر آیا تھا اور اس پر ایک چٹ بھی لگی تھی' جو اس نے پڑھ لی تھی۔ پانچ جماعتیں کام آئی تھیں۔

❁.....❁.....❁

یہ ایک فلاحی ادارہ تھا۔ وہ سر چھپانے یہاں چلی آئی تھی۔ اس نے کچھ نہیں چھپایا تھا' سب سچ بتا دیا تھا اور پھر اسے یہاں رہتے سات برس بیت گئے تھے۔ جب وہ اس ادارے میں آئی تھی تو جو لوگ اس کے بتائے گئے کوائف کنفرم کرنے گئے تھے' شرفو سے اس کی طلاق لکھوا لائے تھے۔ وہ پلٹ کر ماں کے پاس بھی نہیں گئی' اس کا دل ہی نہیں کیا کہ واپس جائے۔ پھر اس کی شادی ہوگئی۔ امیر ہمدانی ایک اچھا آدمی ثابت ہوا۔ کسی امیر آدمی کا منیجر تھا۔ ادارے کو ڈونیشن وغیرہ دینے آتا تھا' وہیں نیلم پر نظر پڑ گئی۔ میڈم کو پیغام دیا' انہوں نے بنا پوچھے رضامندی دے دی اور نیلم کو علم ہوا بھی تو کچھ نہیں بولی۔ وہ ساری عمر یہاں گزارنے کا ارادہ نہیں رکھتی تھی لیکن ایک ڈر بھی تھا کہ اگر یہ بھی شرفو جیسا ثابت ہوا تو۔

لیکن اس کے سارے ڈر' واہمے ہوا میں تحلیل ہوگئے۔ امیر ہمدانی واقعی بہت خیال رکھنے والا تھا اور اس نے واقعی اس کا خوب خیال رکھا۔ تنخواہ اچھی اور معقول تھی' گھر کرائے کا تھا لیکن اچھا سیٹ کیا ہوا تھا۔ اس کی زندگی میں سکون آنے لگا تھا۔ یکے بعد دیگرے طیب اور لبنیٰ اس کی گود میں آئے تو وہ پچھلے غم بھول گئی۔ زندگی مکمل ہوگئی تھی اور خوب صورت بھی۔

❁.....❁.....❁

اور اس خوب صورت زندگی میں دراڑ اس وقت پڑی' جب ایک روز امیر ہمدانی کی پہلی بیوی چلی آئی تھی۔

امیر ہمدانی نے اسے بتایا تھا کہ وہ پہلے سے شادی شدہ ہے لیکن بیوی سے ان بن ہے اور وہ عرصہ دراز سے میکے بیٹھی ہوئی ہے لیکن ہمدانی کی دوسری شادی کا سن کر ایک روز وہ بھولی بسری بیوی ان کی چھوٹی سی جنت کو روندنے چلی آئی۔ امیر گھر پر نہیں تھا' وہ بچوں کے ساتھ اکیلی تھی۔ عارفہ اپنے ساتھ بدمعاش لے کر آئی تھی۔ انہوں نے اسے بچوں سمیت گھر سے باہر نکالا۔ وہ روتی تڑپتی رہ گئی لیکن قسمت سے نہ لڑ سکی تھی۔ ہر بیٹی اپنی ماں جیسی قسمت لکھوا کر لاتی ہے۔ اس کی قسمت بھی اپنی ماں سے مختلف نہ تھی۔ عارفہ نے اس سے اس کا موبائل چھین کر دیوار پر دے مارا تھا اور اسے دھمکی دی تھی آئندہ امیر ہمدانی سے کوئی تعلق نہ رکھنے کی۔

اپنے بچوں کو لے کر وہ قریبی پارک چلی گئی کہ عارفہ

Digitized by Google

نے گھر کے باہر تالا لگا دیا تھا۔ لوگ اب بھی ویسے کے ویسے ہی بے حس تھے۔ جیسے کہ سالوں پہلے تھے۔ وہ امیر کے لوٹنے کا انتظار کر رہی تھی۔ لیکن دوپہر سے شام اور پھر شام سے رات ہوگئی' امیر ہمدانی کا کچھ پتا نہ تھا۔ وہ خالہ الماس کی طرف آئی۔ خالہ الماس کے پاس اس کی کمیٹی تھی۔ اس نے سارا ماجرہ ان سے کہا۔

انہوں نے تسلی دی اور رات گزارنے کے لیے چھت بھی..... وہ خاموشی سے اپنے بچوں کو لے کر نکل آئی۔ اگلی صبح اس کا رخ امیر ہمدانی کے آفس کی طرف تھا۔ لیکن وہاں آ کر اسے ایک اور دھچکا لگا۔ امیر ہمدانی پچھلے پندرہ دن سے غیر حاضر تھا اور وہ کسی سے رابطے میں نہیں تھا۔ اب تو اسے یقین ہوگیا تھا کہ عارفہ اسے لے گئی۔ امیر ہمدانی نے اسے طلاق بھجوادی تھی اور خالہ نے اسے مزید اپنے ہاں رکنے سے معذوری ظاہر کردی تھی۔ ذہن بالکل خالی تھا۔ بے بسی' دکھ' بچوں کی بھوک اور بیماری' سب نے اس کو جکڑ رکھا تھا۔

وہ سڑک پر چلی جارہی تھی' طیب کو گھسیٹتی اور تبھی مخالف سمت سے آتی گاڑی اس سے آن ٹکرائی۔ بے ہوش ہونے سے پہلے اس نے لبنیٰ کو اپنے ساتھ بھینچا تھا جبکہ طیب اُڑ کر دُور جا گرا تھا۔

❁.....❁.....❁

اس نے روشن دان سے اندر آتی سورج کی کرنوں کو دیکھا اور اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اس گھر میں یہ اس کا چونسٹھواں دن تھا اور ان چونسٹھ دنوں میں وقار احمد نے کس کس طرح اسے اذیت نہیں پہنچائی تھی لیکن ایک چھت کے لیے وہ سب کچھ چپ چاپ سہہ رہی تھی۔ اس گھر کی بہو ہوتے ہوئے بھی وہ ملازمہ بن گئی تھی۔ طیب اسکول جانے کی عمر میں تھا۔ اس نے بی جان سے بات کر کے اسے اسکول میں داخل کروا دیا تھا۔ گھر میں اور بھی بچے تھے لیکن ان دونوں بچوں کو ان کے ساتھ کھیلنے یا گھلنے ملنے کی اجازت نہ تھی۔ اگر اس روز وقار کی گاڑی سے اس کا ایکسیڈنٹ نہ ہوا ہوتا تو شاید آج اس کی زندگی میں یہ دَور نہ آتا۔ وقار کو جب نیلم کے حالات کا علم ہوا تو اس کے دل میں ہمدردی اور محبت کے جذبات ایک ساتھ پیدا ہوئے تھے۔

طیب کو بہت زیادہ چوٹیں آئی تھیں۔ وہ حد درجہ نادم تھے اور بار بار نیلم سے معافی مانگتا رہا تھا۔ انہوں نے طیب کو اچھے پرائیوٹ اسپتال میں داخل کروایا تھا۔ ڈسچارج ہونے سے چند دن پہلے وقار احمد نے اسے پرپوز کیا تو وہ ششدر سی اس کی شکل دیکھتی رہ گئی۔

''زبردستی نہیں ہے۔ یونہی میرے دل میں ایک خواہش اُبھری تو میں نے اظہار کردیا۔ ویسے ڈسچارج ہونے کے بعد آپ کہاں جائیں گی؟'' وہ پوچھ رہا تھا اور اس کا ذہن سائیں سائیں کر رہا تھا۔ وہ اس سوال کا جواب دینے سے قاصر تھی۔ سو نظریں چرا گئی۔

''پھر مس نیلم آپ کو میرے پروپوزل پر غور کرنا چاہیے' میں آپ کو' آپ کے بچوں سمیت اپناؤں گا' گھر دوں گا' میری فیملی ہے' آپ کو مان' عزت سب کچھ دے گی۔'' وہ جانے کس بھول میں تھا۔ اپنی مرضی سے بیاہ کر آئی لڑکیوں کو کون عزت دیتا ہے اور وہ تو یوں بھی بے نام تھی۔ نہ خاندان' نہ جائیداد و دولت' دو راتیں اس نے اپنی پچھلی زندگی کے متعلق سوچتے گزار دی تھیں۔ آگے بھی سیاہ رات ہی تھی اور وقار اسے اس سیاہ رات میں نظر آنے والا ستارہ ہی لگا۔ اس نے وقار کو رضامندی دے دی اور یوں اسپتال سے ڈسچارج ہونے کے بعد وقار سیدھا اسے کورٹ لے گیا' جہاں پر دونوں ایک بندھن میں بندھ گئے۔

وہ قطعاً یہ نہیں سوچ رہی تھی کہ سسرال میں اسے ہاتھوں ہاتھ لیا جائے گا لیکن پھر بھی جب بابا صاحب نے انہیں گھر سے نکل جانے کا کہا تو اسے دربدری کے دُکھ یاد آنے لگے۔ وہ ایک بار پھر سے دربدر ہونا نہیں چاہتی تھی۔ سو اس نے ایک سودا کرلیا۔ گو اسے اس وقت خود سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ یہ فیصلہ کیوں کر رہی ہے' بیوی کا درجہ چھوڑ کر ملازم کا درجہ کیوں لے رہی ہے لیکن سر دست اسے نام سے زیادہ چھت کی ضرورت تھی' بھلے ملازمہ بن کر ہی ملتی تو

Digitized by Google

اس نے ملازمہ بننے کو ترجیح دی اور اس کے بچے ملازمہ کے بچے کہلائے۔ وقار صاحب نے بابا جان کی پسند سے فاخرہ سے شادی کرلی تھی۔ گزرے ماہ وسال میں فاخرہ کی محبت میں ڈوب کر وقار بھول ہی گئے تھے کہ نیلم نام کی ان کی کوئی بیوی بھی ہے۔

لبنیٰ تو میٹرک سے آگے پڑھ نہ پائی لیکن طیب بہت محنتی اور لائق لڑکا تھا۔ ہر سال ٹاپ کرنے والا طیب اپنی اوقات نہیں بھولا تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ بابا صاحب کی ضرورت بن چکا تھا اور انہوں نے اسے ملازم سے کچھ اوپر کا درجہ دے رکھا تھا۔ وہ دل ہی دل میں اس کی ذہانت کے معترف تھے۔ برملا اظہار نہ کرتے لیکن یہ بھی تھا کہ وہ طیب کے سوا کسی پر اعتماد بھی نہ کرتے تھے۔ بینک سے لے کر کاروبار تک وہ ہر معاملے میں اس پر بھروسہ کرنے لگے تھے۔ بی جان بوڑھی ہوگئی تھیں اور سب بچے جوان' لیکن بچوں کے دل میں ان کے ماں باپ نے جو فرق کا بیج شروع دن سے بویا تھا' وہ اب تناور درخت کی صورت اختیار کرچکا تھا۔

طیب اور لبنیٰ ان کے لیے ملازم تھے اور بس' بڑے بھیا کے بیٹے کی شادی کا موقع تھا۔ بڑے عرصے بعد گھر میں کوئی شادی تھی۔ بی جان کے بڑے پوتے کی۔ حویلی میں بہت رونق اُتری تھی۔ طیب ہمدانی کی مانگ میں اور اضافہ ہوگیا تھا۔ لڑکیوں کو بازار لانے لے جانے کی ذمہ داری بھی اس کو سونپ دی گئی تھی اور وہ پوری جانفشانی سے اسے نبھا رہا تھا۔ قطع نظر اس کے کہ اس کے فائنل ایگزامز شروع ہوچکے تھے۔

رات بارہ ایک بجے اس کی جان چھوٹتی تو وہ کتابیں لے کر بیٹھ جاتا اور صبح تک پڑھتا رہتا۔ دو گھنٹے کی نیند لے کر وہ پھر سے تازم دم ہوجاتا۔ بابا صاحب کے چھوٹے موٹے کئی کام نپٹا کر وہ پیپر دینے جاتا اور واپس آکر پھر کام میں جت جاتا۔ اس روز بھی مہندی کے فنکشن کے بعد وہ کتابیں لے کر بیٹھا تھا۔ مسلسل کئی دن کے رت جگے سے اس کا سر بھاری ہو رہا تھا۔ نیلم اور لبنیٰ ابھی اندر ہی تھیں۔ اس نے سوچا وہ نیلم سے کہہ کر ایک کپ چائے بنوالے تاکہ سر درد کچھ تو کم ہو۔ وہ کنپٹیاں دباتا کچن کی طرف آ گیا۔

"لبنیٰ پلیز ایک اسٹرونگ سی چائے پلا دو میرا سر پھٹ رہا ہے درد سے۔" وہ لبنیٰ سے کہتے ہوئے وہیں کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

"چائے۔" کپ اس کے آگے رکھ دیا گیا تھا۔ لبنیٰ نے عقل مندی کرتے ہوئے پین کلر بھی دے دی تھی۔ اس نے ممنون ہوتے ہوئے سر اُٹھا کر سامنے دیکھا تو چائے کا گھونٹ گویا اس کے حلق میں ہی پھنس گیا۔ وہ یک دم بیٹھے سے کھڑا ہوگیا۔

"آپ.....!" اس کا سارا وجود کانپ اُٹھا تھا۔ اس نے ہاتھ میں پکڑا کپ ٹیبل پر رکھا اور جلدی سے باہر نکل گیا اور رات بھر اسے کتاب کے صفحوں پر وہ بڑی بڑی آنکھیں ہی نظر آتی رہی تھیں۔

❁.....❁.....❁

اس نے بڑی مشکل سے بابا صاحب سے دو گھنٹے کی چھٹی لی تھی۔ پیپر دے کر وہ سیدھا ریلوے اسٹیشن پہنچا اور یہ سن کر اس کا دماغ بھک سے اُڑ گیا' ٹرین دو گھنٹہ لیٹ تھی۔ اس نے رسٹ واچ پر نظر ڈالی۔ ایک ایک لمحہ قیمتی تھا۔ اس نے گھر فون کرکے بابا صاحب کو اطلاع دی اور خود وہیں بیٹھ کر انتظار کرنے لگا۔ مارے کوفت کے اس کا برا حال تھا۔ اس کا شدت سے جی چاہ رہا تھا کہ کچھ دیر آنکھیں بند کرکے لیٹ جائے لیکن وہ ایسا نہ کرسکا۔ خوامخواہ ہی رات والی دو آنکھیں روشن ہوگئی تھیں۔

"دل آرا۔" اس نے زیر لب دہرایا۔ جو کسی کو پتا چل جائے کہ دل آرا نے اس کے لیے چائے بنائی بلکہ یہ کہ اس نے دل آرا سے کہہ کر چائے بنوائی تو بابا صاحب تو کھڑے کھڑے اس کی گردن کٹوا دیں لیکن دل آرا نے اس کے لیے چائے کیوں بنائی' یہ معمہ لاینحل تھا۔ فرق کا جو بیج تناور درخت بن چکا تھا' وہاں سے ایک دم سرخ پھولوں کی خوشبو کیوں آنے لگی تھی' وہ سمجھ رہا تھا مگر انجان

Digitized by Google

بنے رہنا زیادہ ضروری تھا۔

آنے والے مہمان بی جان کی بہن کے بچے تھے۔ بہن تو عرصہ ہوا اللہ کو پیاری ہوگئی تھیں ان کی بیٹی اور داماد اور دو بچے تھے۔ بی جان نے بصد اصرار انہیں بلوایا تھا۔ طیب نے سامان رکھتے ہوئے آنے والوں کا جائزہ لیا تھا۔ گول مٹول سالڑکا عمر شاید دس بارہ سال ہوگی اور ایک لڑکی پندرہ سولہ سال کی حلیہ چھوٹے گھر کے متوسط طبقے جیسا تھا۔

احساس کمتری کی وجہ سے، ڈرے سہمے لوگ۔ بابا صاحب کے خاندان سے ذرا بھی میل نہ کھاتے تھے۔ اسے اپنی ماں اور ان دو بچوں کی ماں میں ذرا بھی فرق محسوس نہ ہوا۔ حالات کے ستائے مدقوق چہرے پریشان حال۔

"تم بڑے بھیا کے بیٹے ہو؟" عورت نے آرام سے بیٹھنے کے بعد پوچھا تھا۔

"جی نہیں۔ میں ڈرائیور ہوں ان کا۔" اس نے ذرا سا مسکرا کر کہا تھا۔

اور نئے نئے خوابوں کے جہاں میں قدم رکھتی روبینہ کے دل کو جھٹکا سا لگا تھا۔ ڈرائیور بھی ایسے خوش شکل اور تمیز دار ہوسکتے ہیں۔ اس نے کن اکھیوں سے کئی بار بیک مرر سے جھانکتی اس کی آنکھوں کو دیکھا تھا۔ حویلی پہنچ کر گاڑی سے اترتے ہوئے وہ جان گئی تھی کہ اپنا دل پچھلی سیٹ پر بھول آئی ہے۔ پھر شادی کے ہنگاموں میں اپنے کم قیمت ملبوسات کو چھپاتی پھرتی وہ کئی بار ڈرائیور کو دیکھنے ادھر ادھر منڈلاتی پھری تھی اور طیب ہمدانی اس سے لاعلم نہیں رہا تھا۔

لاعلم تو وہ ان دو نہ کسی آنکھوں سے بھی نہیں تھا جو ہر لمحہ اس پر نظر رکھے ہوئے تھیں اور اس کی ریڑھ کی ہڈی کو سنسنا رہی تھیں۔ وہ اس گھر سے نکلنا نہیں چاہتا تھا۔ ماں کے اندر کا خوف اس کے اندر بھی تھا۔ اسے بچپن کے دھکے یاد تھے اور اپنی ماں کی بے بسی بھی اس حویلی میں ان کا آنا بھی لیکن یہ سب مبہم تھا۔ وہ کیوں اور کس کے ساتھ آیا تھا اسے قطعاً یاد نہیں تھا۔ بس ماں کا چھت کے لیے بلکنا یاد تھا۔

شادی کا ہنگامہ ختم ہوا مگر بی جان کے خاص مہمان گئے نہیں تھے۔ روبینہ تو لبنیٰ کے ساتھ کچن میں ہاتھ بٹانے لگی تھی کہ اسی بہانے طیب کو دیکھنے کا موقع مل جاتا تھا کیونکہ دن میں کئی بار طیب کو کچن میں آنا پڑتا تھا۔ کبھی چائے شربت کے لیے یا کبھی کھانے کے لیے۔ وہ بظاہر مصروف تو لبنیٰ کے ساتھ ہوتی مگر کن اکھیوں سے طیب کو دیکھتی رہتی۔ اس عمر کی محبت میں عجیب سا سرور ہوتا ہے۔ رگ رگ میں نشہ سا بھر دیتا ہے۔ سو روبینہ پہلی نظر کی پہلی محبت پر سر دھن رہی تھی لیکن طیب ہمدانی نے اس کی محبت کو درخور اعتنا ہی نہ جانا۔ وہ اپنا کام کرنے میں کوئی کوتاہی نہ برتتا اور کسی طرف اس کا دھیان ہی نہ تھا۔

وہ رات اس گھر میں اس کی آخری رات تھی۔ چھت پر بچھی چارپائیوں میں سے سب سے آخری چارپائی پر وہ لیٹی تھی۔ وہ رات اس نے سوتے جاگتے گزاری تھی۔ کبھی طیب ہمدانی اس کی ملکیت ہوتا اور کبھی دسترس سے دور۔ اسی آنکھ مچولی میں صبح ہوگئی تھی۔ اس نے کروٹ بدل کر دیکھا ساتھ والی چارپائیوں پر اماں اور بابا لیٹے ہوئے تھے اور معیز بھی۔ وہ اٹھی اور سیڑھیوں سے نیچے اتر آئی اور اسی لمحے وہ بیرونی گیٹ کی جانب بڑھتا دکھائی دیا تھا۔ دل کی دھڑکن ایک لمحے کو تھمی تھی اور وہ بے خودی سی اس کی سمت بڑھی تھی۔

"طیب....." اس نے رُک کر پلٹ کر پیچھے دیکھا۔ اس کی نظر رف حلیے میں کھڑی اس مہمان لڑکی پر پڑی اور ساتھ ہی کچن کی کھڑکی سے جھانکتی ان دو آنکھوں پر۔ وہ جلدی سے دروازے کی اوٹ میں ہوگیا۔

صبح کے سات بجے حویلی کے مکینوں میں سے کوئی بھی جاگتا نہ تھا۔ اسے علی الصباح ڈیرے کا چکر لگانے نکلنا ہوتا تھا اس لیے وہ اور نیلم جلدی جاگ جاتے تھے۔ روبینہ سمجھی وہ اس کے لیے رکا ہے۔ دل خوش کن ساز پر تھرکنے لگا۔ طیب نے ایک لمبی سانس کھینچ کر اسے

Digitized by Google

دیکھا۔

"جارہی ہیں آج آپ؟" اس نے خود ہی بات کا آغاز کیا۔ خود پر جمی دو ساحر آنکھیں اس کے کانوں کی لوئیں سرخ کررہی تھیں۔

روبینہ نے سر ہلایا۔ سارے لفظ گونگے ہوگئے۔ چہرے کا رنگ دل کا حال بیان کررہا تھا۔ طیب نے بڑی دلچسپی سے اسے دیکھا۔ بری نہیں تھی اور شاید اس کے دل میں کوئی جگہ بھی بنائے بیٹھی تھی۔ دونوں طرف خطرے کی گھنٹی تھی۔ اس کی چھٹی حس نے خبردار کیا۔

"مت جائیں۔" طیب نے قدرے اونچی آواز میں کہا اور ایک نظر پیچھے کھڑکی کی طرف ڈالی، آنکھیں جھپاک سے غائب ہوگئی تھیں۔

طیب نے سکون کا سانس لیا۔ روبینہ ابھی تک اس کے الفاظ کے سحر میں اُلجھی تھی۔ "نہ جائیں' نہ جائیں!" نظر اُٹھائی تو وہ وہاں نہیں تھا اور اسی دوپہر بی جان کے سر میں تیل ڈالتے ہوئے وہ بہت لگاوٹ سے کہہ رہی تھی۔

"یہاں بہت مزا آتا ہے نانو..... ہمارے گھر میں تو زندگی بہت بور ہے۔"

"صدقے جاؤں، زہرہ سے کہو تمہیں چھوڑ جائے، کچھ دن رہو میرے پاس۔" انہیں فوراً اس پر پیار آیا تھا۔

"امی نہیں مانیں گی۔ وہ بھی تو اکیلی ہوتی ہیں ناں۔" اب وہ ان کے کندھے دبا رہی تھی۔

"کیسے نہیں مانے گی۔ تمہارا اسکول تو ابھی بند ہے ناں؟"

"جی پیپر دیے ہیں، ابھی رزلٹ آنے میں کچھ دیر ہے۔" وہ خوش ہوتے ہوئے بولی۔ اُمید جو بندھ گئی تھی اور پھر بی جان نے خود ہی امی کو منالیا۔ انہوں نے اسے کچھ دن بعد بھیجنے کا وعدہ کرلیا تھا۔

امی اسے سو نصیحتیں کرتی رخصت ہوگئیں۔ دل تو ان کا رضامند نہیں تھا لیکن خالہ کو انکار بھی نہیں کرسکتی تھیں۔

محبت کتنی چھوٹی چھوٹی باتوں پر خوش ہوجاتی ہے۔ وہ بی جان کے کمرے میں ہی آ گئی۔ گو طیب ہمدانی سارا دن کم ہی دکھائی دیتا تھا' پھر بھی رات کو اور صبح جاتے ہوئے وہ ایک نظر ڈال ہی لیتی تھی۔ طیب نے بھی اس دن کے بعد کوئی بات نہیں کی تھی۔ ہاں اس کی وارفتگی کے جواب میں اس کے چہرے پر ایک مسکراہٹ سی ضرور آجاتی تھی اور یہ اگلی دوپہر کی بات تھی جب وہ کچن میں بی جان کے لیے شربت لینے آئی تو دل آرا نے روک لیا۔ دل آرا بڑے ماموں کی سب سے چھوٹی بیٹی تھی۔ تھوڑی اکھڑ اور بدمزاج۔

"تمہارا ڈرائیور سے کوئی چکر چل رہا ہے؟" چھوٹتے ہی جن الفاظ میں دل آرا نے کہا۔ اس کے دل پر گویا آرا ہی چل گیا۔

"نہیں تو....." اس نے نفی میں سر ہلایا۔ نظریں جھک گئی تھیں۔ وہ ہنسی۔

"اس نے تمہیں روکا اور تم رُک بھی گئیں۔ کیا بھائی بہن کا رشتہ ہے تم دونوں کا؟" اس کا لہجہ طنز سے بھرپور تھا۔ وہ شربت بنا چکی تھی اور دل آرا کی کسی بات کا جواب اگر اس کے پاس تھا بھی تو اس نے دینا مناسب نہیں سمجھا۔ جگ اور گلاس ٹرے میں رکھ کر وہ خاموشی سے باہر نکل آئی تھی۔

وہ ابھی کمرے میں آئی ہی تھی کہ بی اماں نے بتایا' ابا کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے اور وہ کل سے ہاسپٹل میں ہیں۔ اس کا دل بند ہونے لگا تھا۔ وہ اپنے گھر کس طرح پہنچی' اسے کچھ ہوش نہیں تھا۔ تمام راستے وہ ابا کی صحت کی دعائیں مانگتی آئی تھی لیکن گھر کے باہر لگے ٹینٹ اور لوگوں کو جمع دیکھ کر وہ جان گئی' اس کی دعائیں قبول نہیں ہوئی تھیں۔

❁.....❁.....❁

بی اماں' بڑی مامی اور ڈرائیور ساتھ آئے تھے۔ قل کے بعد واپس گئے تھے۔ پھر رفتہ رفتہ مہمانوں سے خالی ہوا تو ایک بھیانک خاموشی گھر کے در و دیوار سے چمٹ گئی۔ تینوں میں سے کوئی بھی ایک دوسرے سے بات نہ کرتا۔ موت ایک کو ساتھ لے گئی تو باقیوں پر اپنا سایہ ڈال گئی تھی۔ مشکل سے پندرہ دن گزرے ہوں گے کہ ایک دن

Digitized by Google

وہ آ گیا۔ اب کی بار اکیلا تھا۔ اماں کے پاس بیٹھا رہا۔ اماں پھپک پھپک کر روئیں' جیسے کوئی بہت ہی اپنا ہو۔ وہ بس چائے دینے آئی اور واپس چلی گئی کہ خاندان کی کچھ اور خواتین بھی آئی ہوئی تھیں۔ وہ تھوڑی دیر بیٹھا اور چلا گیا۔ اماں کے پاس ایک بہت بڑا بیگ چھوڑ گیا تھا' جس میں پتا نہیں کیا تھا۔

''ارے رومینہ' یہ کون تھا؟'' صداقت خالہ کی بیٹی فوراً اس کے پاس آئی تھی اور اس کے کچھ بولنے سے قبل ہی خود ہی بتانے لگی۔

''بڑی حویلی سے آیا تھا ناں' ڈرائیور ہے ناں ان کا' لگتا نہیں ہے۔'' وہ چپ چاپ سنتی رہی۔

''بھائی سے بڑی دوستی ہے اس کی۔ اکثر آتا ہے ہمارے ہاں۔'' رومینہ اتنی تفصیل کی وجہ نہیں جان پا رہی تھی۔ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا تو وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

''ہم سب سے ہی دوستی ہے اس کی' گپ شپ ہوتی رہتی ہے ہماری۔ بڑے قصے ہوتے ہیں اس کے پاس۔ ابھی کچھ دن پہلے ہمارے پاس آیا تو بتانے لگا کہ بیک وقت دو لڑکیاں اس پر مرنے لگی ہیں۔ اتنی اچھی ایکٹنگ کرتا ہے' ہنس ہنس کر ہمارا پیٹ دکھنے لگتا ہے۔'' گو وہ بہت آہستہ بات کر رہی تھی' پھر بھی وہاں بیٹھی خواتین ان کی طرف متوجہ ہو رہی تھیں اور جویریہ تو شاید ان ہی کو سنانے کے لیے شروع ہوئی تھی۔ اس کے دل کو کچھ ہونے لگا تھا۔

''اٹھو یہاں سے۔'' وہ اس کو زبردستی وہاں سے اٹھا لائی تھی۔

''ہاں اب بولو۔'' باہر لا کر اس نے جویریہ کا بازو چھوڑا۔

''تو میں کہہ رہی تھی اس نے بتایا کہ دو دو لڑکیاں مرنے لگی ہیں اس پر' لیکن بہت میسنا ہے ایک کا نام بتا دیا' ایک کا چھپا گیا۔'' اس کا دل دھک سے رہ گیا تھا۔

''کک..... کیا نام.....؟'' مارے گھبراہٹ کے وہ ہکلانے لگی۔

''چھوڑو' تمہیں کیا لینا۔ تم تو یوں گھبرا رہی ہو جیسے.....'' وہ بات ادھوری چھوڑ کر معنی خیز انداز میں مسکرانے لگی۔

''نہیں..... میں تو ایسے ہی پوچھ رہی تھی۔'' اس نے فوراً خود کو سنبھالا تھا۔

امی عدت میں تھیں۔ حویلی سے ہر دوسرے تیسرے دن بی جان کا فون آ جاتا تھا۔ ابا جس فیکٹری میں ملازم تھے' وہاں سے انہیں اچھی خاصی رقم ملی تھی اور یہ گھر' جس کی کچھ اقساط ان کے ذمہ واجب الادا تھیں' کمپنی کی طرف سے وہ بھی معاف ہونے کے بعد ان کو الاٹ ہو گیا تھا مگر گزر بسر کے لیے اب ان کے پاس کچھ نہ تھا۔ گھر بھی ایسا نہیں تھا کہ ایک حصہ کرایے پر چڑھا دیا جاتا۔ سنگل اسٹوری تھا' پرانا تھا۔

روزمرہ کا کھانا پینا ایسے میں پھوپو آگے بڑھیں اور انہوں نے مشورہ دیا کہ یہ والا گھر کرایے پر چڑھا دیا جائے اور وہ تینوں ان کے گھر کے اوپر والے پورشن میں آ جائیں۔ یہاں سے ملنے والے کرایے سے وہ اپنا گزارہ کریں۔ مشورہ برا نہیں تھا۔ بس اماں عدت یہیں پوری کرنا چاہ رہی تھیں۔ پھوپو مان گئیں۔ انہوں نے اپنا اوپر والا پورشن مرمت کروایا اور یوں عدت پوری ہونے کے بعد وہ پھوپو کے گھر آ بسے تھے۔

پھوپو جس علاقے میں رہتی تھیں' وہاں کچھ فاصلے پر دور پار کے سب ہی رشتے دار موجود تھے اور ان میں سے بیشتر حویلی کے نمک خواروں میں سے تھے اور یہیں آ کر اسے پتا چلا کہ طیب کا ان گھروں میں خوب آنا جانا ہے۔ اماں گو ان رشتے داروں کے کبھی گھر نہیں گئی تھیں لیکن پھوپو کا ملنا ملانا تھا' سو اب جب بھی وہ جاتیں' اسے ہمراہ لے جاتیں۔ اس کا سال تو ضائع ہو ہی گیا تھا۔ وہ داخلہ نہیں لے سکی تھی۔ ایک تو نمبر کم آئے تھے' دوسرا اماں کی عدت کی وجہ سے۔ سو اس نے نئے سرے سے داخلے کا سوچا تھا لیکن اس کے لیے بھی اس کا دماغ آمادہ نہیں ہو

Digitized by Google

پار ہا تھا۔ وہ زیادہ وقت سبیکا کے ساتھ گزارتی۔ فائز بھائی بہت غصے والے معلوم ہوتے تھے اسے۔ اس لیے ان سے سوائے سلام دعا کے اور کوئی بات نہ ہوتی تھی۔ پھوپا بھی اچھی نیچر کے مالک تھے۔

اماں نے الگ سمجھایا' پھوپو نے الگ اور ہر سال اگلی بار کا وعدہ کرتے اس نے تین سال گزار دیے اور کالج میں ایڈمیشن نہ لیا۔ اس دوران فائز بھائی کی شادی اور طلاق بھی ہوئی۔ سبیکا بھی شادی کے قابل ہوگئی لیکن اس کے ساتھ وہ ہوا جو اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔ حویلی سے جب طیب ہمدانی آتا تو ان کے گھر بھی چکر لگاتا کہ بی جان اپنی بھانجی کو نہیں بھولتی تھیں۔ کبھی رقم' کبھی کپڑے' کبھی اناج وہ پہنچا ہی دیا کرتیں۔ ایسے میں وہ اگر کھلم کھلا طیب سے بات نہ کرسکتی تو اسے دیکھ لیتی۔ مسکراہٹوں کا تبادلہ بھی ہوجاتا اور بس یہی کافی ہوتا' اس کے لیے' طیب کا کوئی ایک آدھ معنی خیز جملہ دنوں اسے سرشار رکھتا۔

ان ہی دنوں جب خاندان میں ایک شادی تھی اور سب لوگ وہاں اکٹھے تھے' حویلی سے بھی لوگ آئے تھے۔ بی جان خاص خاص ملازم اور بڑی دونوں بہوؤں کے ساتھ شرکت کے لیے پہنچی تھیں۔ مہندی کا فنکشن اختتام کو پہنچا تو بی جان باقی سب کے ساتھ تایا احمد کے گھر چلی گئیں۔ ان کے ٹھہرنے کا انتظام ادھر ہی تھا۔ اماں نے اصرار کیا کہ وہ ان کے ہاں چل کر رہیں مگر انہوں نے سہولت سے منع کردیا تھا۔ خاص ملازم البتہ لڑکوں کے ساتھ ادھر ہی ٹھہر گیا تھا اور وہ اس خاص ملازم کو اپنی جھلک دکھلانے کو بے چین تھی۔ لیکن وہ اندر آیا ہی نہ تھا۔ چھپتے چھپاتے وہ باہر آ گئی تھی کہ قناتوں میں سے لڑکوں کے ہنسنے کی آوازیں آرہی تھیں' وہ ایک طرف سے جھری سے لگ کر کھڑی ہوگئی۔ سب گھر کے ہی لڑکے تھے اور انہی میں وہ خاص ملازم بھی تھا۔ سامنے رکھی کرسی پر ٹانگیں پسارے قل قل کرتا۔ وہ اپنے آپ میں مگن اس پر نظریں ٹکائے کھڑی تھی۔ اچانک زوردار قہقہے سے چونکی۔

"ارے مجھ پر بھی مرتی ہیں دو لڑکیاں اکٹھی۔" ملازم بولا تھا۔ اس کا رواں رواں سماعت ہوگیا۔ "ایک تو....." وہ بولتے بولتے چپ ہوا۔ "دوسری اپنے برابر کی ہے بلکہ کچھ پتا نہیں' ادھر ہی کہیں چھپ چھپ کر دیکھ رہی ہو مجھے۔"

"ٹوناں..... قسم سے بہت چھوڑتا ہے۔" سب کے قہقہے بلند ہوئے تھے۔

اور روبینہ کو لگا تھا کسی نے کیچڑ اُٹھا کر اس کے چہرے پر مل دی ہو اور وہ یک لخت سب کی نظروں کا مرکز بن گئی ہو۔ وہ ٹوٹے دل سے واپس چلی آئی تھی۔

اگلے دن اس نے شادی پر جانے سے انکار کردیا تھا۔

اماں نے بڑی کوشش کی۔ اصل میں ہر ماں کی طرح ان کے اندر بھی یہ خواہش دبی تھی کہ کوئی ان کی بیٹی کو پسند کرے' اس لیے وہ فنکشنز میں ضرور رومی کو ساتھ رکھتی تھیں۔ لیکن روبینہ کے دل پر تو بوجھ آ پڑا تھا۔ وہ جی بھر کے رونا چاہتی تھی۔ اماں' پھوپو اور سبیکا کے ساتھ چلی گئیں۔ معیز بھی ہمراہ تھا۔ وہ تنہا رہ گئی تھی۔ اس نے اسے سرعام موضوع بنایا تھا۔ اس کی محبت کو مذاق سمجھتا تھا۔ تھا ناں ڈرائیور' محبت کو سڑکوں پر رول دینے والا۔ وہ وہیں گھٹنوں میں سر دیئے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

گیٹ زور زور سے بج رہا تھا۔ ساتھ ساتھ دروازے کی گھنٹی بھی بج رہی تھی۔ اس نے آنسو پونچھے' سر پر دوپٹا اوڑھا۔ پھوپو' فائز کے آنے کا کہہ گئی تھیں۔ بنا پوچھے گیٹ کھول دیا اور بنا دیکھے مڑ گئی۔

"واہ..... اور جو کوئی پیچھے سے آ کر تمہیں دبوچ لے تو؟" کوئی اس کے بے حد قریب آ کر بولا تو وہ دہل کر پیچھے ہٹی تھی اور اسے یہاں دیکھ کر گویا اس کا دل بند ہونے والا ہوگیا تھا۔

"ساری شادی بے رونق سی لگ رہی تھی۔ میں تمہیں لینے چلا آیا۔" اس نے کہا تھا۔ اس نے چند لمحوں میں خود کو سمیٹ لیا تھا۔

"کیوں' رونق یا بے رونقی کا مجھ سے کیا تعلق؟" بہت مضبوطی سے اس نے پوچھا تھا۔

Digitized by Google

"تو پھر کس سے ہوگا' آنے سے اس کے آئے بہار' جانے سے اس کے جائے بہار..... بڑی مستانی ہے میری محبوبہ....." وہ گانے لگا تھا۔

"اس دوسری کا نام سب کو بتاؤ اور مزے لو۔ آئندہ میرا نام مت لینا۔ مجھے تم میں کوئی انٹرسٹ نہیں۔ ڈرائیو ہو یا ملازم' جو بھی....." وہ اطمینان سے کہتی سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی تھی اور وہ حیران سا اسے دیکھ رہا تھا۔ اسے توقع ہی نہیں تھی کہ وہ اس طرح پیش آئے گی۔

"اور ہاں....." جاتے جاتے اس نے مڑ کر دیکھا تھا۔

"گیٹ اچھی طرح بند کر جانا۔ اچھی طرح۔" اس نے "اچھی طرح" پر خاص زور دیا اور سیڑھیاں چڑھ گئی۔ وہ تب تک کھڑا رہا' جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہیں ہوئی۔ گیٹ اس نے اچھی طرح ہی بند کیا تھا' پھر بھی اس کی ایک جھری بیچ میں رہ ہی گئی تھی۔

❁.....❁.....❁

فائز اونچا اونچا بول رہا تھا۔ جانے اسے کیا ہو گیا تھا۔ ہر وقت غصے میں ہی رہتا تھا۔ پھوپو بے چاری الگ پریشان۔ سہمی ہوئی عینا البتہ اب سمجھدار ہونے لگی تھی تو باپ کے رویے کی بنا پر پاس بھی نہیں پھٹکتی تھی۔ سارا دن وہ دادی اور سمیکا کے ساتھ رہتی اور رات کو دادا سے لاڈ اٹھواتی۔ وہ ان دنوں فرسٹ سیمسٹر کی تیاری کر رہی تھی' جب آمنہ کی امی اپنے بھائی کا رشتہ لے کر چلی آئی تھیں۔

اسے آمنہ پر بے پناہ غصہ آیا۔ جب اس نے منع کر دیا تھا تو پھر کیوں آئیں۔ رومینہ کی امی نے آمنہ کی امی سے سوچنے کے لیے وقت مانگ لیا تھا۔ رشتہ اچھا تھا۔ اکیلا' کھاتا پیتا لڑکا (مرد) تھا۔ سارے پلس پوائنٹس' نہ سسرال کا جھنجھٹ' اپنا گھر' گاڑی' امی تو ننانوے فیصد اس رشتے پر راضی ہو ہی چلی تھیں' جب پھوپو نے ٹانگ اڑائی۔

"تم اس کی دولت پر مرمٹی ہو' لوگ کیا کہیں گے کہ رومینہ کا آنا جانا تھا' خود ہی پسند کر لیا' بن باپ کی بچی ہے' سوچ سمجھ کر چلنا۔" امی کی سوچوں کو بریک لگی' لیکن وہ دل میں پھوپو کی باتوں سے متفق نہیں تھیں۔ ایک ایسی بات کو بنیاد بنا کر رشتہ مسترد نہیں کیا جا سکتا تھا۔ حالانکہ ایک مسئلہ اس کی عمر بھی تھی۔ پورے دس سال بڑا تھا وہ لیکن امی کا اس مقولے پر جی جان سے اعتقاد تھا کہ مرد کی عمر نہیں دیکھی جاتی اور یہی جواب جب انہوں نے پھوپو کو دیا تو جو کچھ انہوں نے کہا' امی کی تو بولتی ہی بند ہو گئی تھی۔ رومینہ نے سنا تو اچھل پڑی۔

"یہ کہا پھوپو نے.....؟" وہ تن فن کرتی پھوپو کے پاس جا چیخی۔ امی روکتی رہ گئیں۔

"آپ نے سوچا بھی کیسے پھوپو یہ؟" اس نے کڑے تیوروں سے پوچھا۔ پھوپو کو امید نہیں تھی اتنی "خودسری" کی۔ وہ اس کا منہ دیکھتی رہ گئیں۔

"بتائیں ناں مجھے' آپ کے ذہن میں یہ بات ڈالی کس نے ہے؟" اس کی آواز بلند ہوئی' سمیکا کچن کے دروازے میں ہکا بکا کھڑی تھی۔

"جس نے بھی ڈالی ہو' برائی کیا ہے؟" فائز نے پیچھے سے آ کر کہا تو وہ تلملا کر مڑی۔

اسے یہ ساری خرافات پھوپو کے دماغ کی پیداوار لگی تھیں لیکن فائز کو یوں بولتے دیکھ کر سراسر اس کا منصوبہ لگا۔ وہ حیران ہوئی۔

"فائز بھائی..... آپ جانتے ہیں آپ نے کیا کہا ہے؟" اسے یقین نہیں آیا' فائز نے کندھے پر پڑا تولیہ ہاتھ میں پکڑا۔

"ہاں' سو فیصد پروپوز کیا ہے تمہیں اور میں اس میں کوئی برائی نہیں سمجھتا۔" وہ اس کے تلملاتے چہرے پر نظریں گاڑے کھڑا تھا اور اس ڈھٹائی کا اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

کچن میں کچھ ٹوٹا تھا۔ شاید سمیکا کا دل' کرچیاں دُور دُور بکھری تھیں۔ رومینہ بھاگ کر کچن میں آئی لیکن وہ وہاں نہیں تھی۔ اس نے خونخوار نظروں سے فائز کو دیکھا تھا۔

پھوپو پھر سے سبزی کاٹنے میں مصروف ہو گئی تھیں۔

Digitized by Google

وہ دھپ دھپ کرتی اوپر چڑھ آئی۔ دونوں رشتوں نے اس کا دماغ منتشر کردیا تھا اور وہ ساری رات ٹھیک سے سو نہیں سکی تھی۔ اس کا یونیورسٹی جانے کا موڈ نہیں تھا لیکن اسائنمنٹ جمع کروانے کے لیے اسے جانا ہی تھا۔ اسے تیار ہوتے دیکھ کر امی ناشتہ بنانے لگیں تو اس نے منع کردیا۔ چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے اس نے امی کی طرف دیکھا۔ وہ اس پر نظریں جمائے ہوئے تھیں۔ اس نے چائے کا خالی کپ رکھا اور ان کی طرف دیکھے بغیر خاموشی سے سیڑھیاں اتر گئی۔

اسائنمنٹ جمع کروا کر نکلی تو فروا نظر آ گئی۔ دونوں کینٹین میں آ گئیں اور جب وہ سموسے اور جوس لے کر آئی تو علینہ کے ساتھ طیب بھی تھا۔

"ارے تم نے بتایا نہیں' سر طیب تمہارے کزن ہیں؟" وہ بہت پرجوش ہو رہی تھی۔

"اچھا.....!" اس نے ٹرے ٹیبل پر رکھی اور ایک نظر طیب پر ڈال کر ہنس کر بولی۔

"مجھے بھی ابھی ابھی پتا چلا ہے کہ یہ میرے کزن ہیں' بائی دا وے تمہیں کس نے بتایا؟"

"رومی....." علینہ نے تنبیہی نظروں سے اسے گھورا جبکہ طیب نہایت اطمینان سے ہتھیلی پر چہرہ ٹکائے اسے دیکھ رہا تھا۔

"اچھا سنو' تمہیں بریکنگ نیوز تو دی نہیں میں نے۔" وہ جوس کا گھونٹ بھرتی ہوئے بولی۔ وہ طیب کو مکمل اگنور کر رہی تھی جبکہ علینہ اس وقت سر کے سامنے بڑی مہذب بنی بیٹھی تھی۔

"فائز بھائی نے مجھے پرپوز کیا ہے اور ساتھ میں آمنہ کے ماموں نے بھی' میں تو حیران ہی رہ گئی' فائز بھائی کو کیا ہوا؟" اب وہ ہنس ہنس کر بتا رہی تھی۔ طیب اس کو گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا جبکہ علینہ کے لیے یہ واقعی بریکنگ نیوز ہی تھی۔

"ارے واہ..... پھر تم نے کیا کہا؟" اس نے دلچسپی سے پوچھا۔

"میں نے کیا کہنا تھا۔" اس نے سموسے کو دانتوں سے کاٹتے ہوئے بے نیازی دکھائی۔ "امی جو کریں گی' بیسٹ ہی کریں گی اور ویسے بھی میرا کون سا کسی کے ساتھ چکر چل رہا ہے جو میں انکار کروں گی۔" سموسوں میں آج بہت تیز مرچیں تھیں۔ اس کی آنکھوں میں پانی آ گیا۔ طیب تب سے اب تک ایک لفظ نہیں بولا تھا۔ خاموشی سے بیٹھا تھا علینہ نے پلیٹ اس کے آگے کی۔

"سر لیں ناں آپ بھی؟" اخلاقیات بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔

"نو تھینکس۔" اس نے سر ہلا کر انکار کیا۔

"اور مس روبینہ حسن' اس لسٹ میں ایک اور نام کا اضافہ بھی کر لیجیے..... طیب ہمدانی۔" وہ کہہ کر رکا نہیں اٹھا اور چل دیا۔ روبینہ اور علینہ دونوں ساکت رہ گئیں۔ یہ وہ کیا کہہ گیا تھا۔ روبینہ کو غصہ آنے لگا۔ یہ ذرا بھی نہیں بدلا۔ اسی طرح لوگوں میں سرعام اپنے احساسات بیان کرنے والا۔

"رومی' بات یہاں تک پہنچ چکی؟" علینہ حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔ "آج تو شاکس پہ شاکس لگ رہے ہیں۔"

"تم پلیز اپنا منہ بند رکھنا' ان مردوں کی عادت ہوتی ہے ہر جگہ اپنی محبت کا بگل بجانے کی۔ ایسا کچھ نہیں۔" روبینہ نے اسے منع کیا اور جواباً اس نے صرف آنکھیں ہی گھمائی تھیں۔

❁.....❁.....❁

نیلم کی ہٹ دھرمی کا انہیں آج بھی دکھ تھا۔ وہ ان کی چاہت تھی' بہت ارمانوں سے بیاہ کر لائے تھے اسے اور اس نے ایک چھت کے لیے انہیں دھتکار دیا تھا۔ اس نے ان کی مردانگی کو ٹھیس پہنچائی تھی۔ ان کے زور بازو پر بھروسہ نہیں کیا تھا۔ وہ اسے ایک چھت بھی دے سکتے تھے اور ایک اچھی زندگی بھی۔ وہ ایک بار بھروسہ تو کرتی لیکن اس کے اندر کے خوف نے اسے ان سے دور کردیا تھا اور جواباً انہوں نے اسے زچ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی

Digitized by Google

تھی۔

فاخرہ سے نکاح اور جھوٹی محبت کے مظاہرے نباہتے آج کتنے برس بیت گئے تھے۔ نہ اس نے دوبارہ ان کی طرف دیکھا اور نہ حرفِ شکایت زبان پر لائی تھی۔ جو عہد اس نے بابا صاحب سے کیا تھا' تمام عمر نبھایا تھا۔ بابا صاحب اب نہ رہے تھے' پھر بھی اس نے سر نہیں اٹھایا تھا۔ سر جھکائے جوانی بتادی تھی اور وہ بھی ایسے کٹھور نے تھے کہ دوبارہ پلٹ کر اس کی طرف دیکھا ہی نہ تھا اور حویلی میں بھی اب ایسا کوئی بندہ رہ نہیں گیا تھا جو ان کے نیلم سے ملنے پر اعتراض کرتا' لیکن پھر بھی انہوں نے کبھی نیلم کی طرف توجہ نہیں دی تھی۔ وہ اس سے بھرپور بدلہ لے رہے تھے اور شاید حویلی کے باقی لوگوں کی یادداشت سے بھی نیلم اور وقار کا رشتہ محو ہوگیا تھا۔ وہ ایک کاغذی رشتہ کہیں کاغذوں میں ہی پڑا رہ گیا تھا اور وہ جو نیلم کو سکھ دینے کا سوچ کر اپنا کر اس حویلی میں لائے تھے پلٹ کر دیکھا ہی نہیں تھا کہ اس نے کن کانٹوں پر چلتے چلتے زندگی گزاردی ہے۔

"کیا دیکھ رہے ہیں وقار؟" فاخرہ جانے کب ان کے پیچھے آ کھڑی ہوئی تھی۔

"زندگی کیسے مٹی ہے..... دیکھ رہا ہوں۔" وہ ہولے سے بڑبڑائے۔ نیلم ایک دم ہی اُٹھ کر اندر چلی گئی تھی۔ فاخرہ نے وقار کے کھوئے ہوئے لہجے پر ان کی نظروں کے تعاقب میں باہر جھانکا۔ چمکتی دھوپ کے سوا وہاں کچھ نہیں تھا۔ وقار پلٹ آئے۔ فاخرہ سے ان کی اچھی نبھ گئی تھی۔ ان کے مزاج میں تجسس نہیں تھا۔ سو کیا' کیوں اور کیسے کے چکروں میں کبھی پڑی ہی نہیں تھیں۔

"نیلم' لبنیٰ کی شادی کرنا چاہ رہی ہے۔" فاخرہ نے بیڈ کے کنارے پر ٹکتے ہوئے کہا۔ ایزی چیئر پر دراز وقار نے ایک دم سے آنکھیں کھول کر بیوی کو دیکھا۔ وہ اپنے دھیان میں کہہ رہی تھیں۔

"بی جان نے سب سے کہا ہے کہ لبنیٰ کے لیے کوئی مناسب رشتہ تلاش کیا جائے تاکہ وہ جلد از جلد اپنے فرض سے فارغ ہو سکے۔"

"اور طیب..... طیب کی شادی نہیں کرے گی وہ؟" بے ارادہ ہی ان کی زبان سے پھسلا۔

"کرے گی پر..... لبنیٰ لڑکی ہے تو ظاہر ہے، پہلے اسی کا سوچ گی' چائے پئیں گے آپ؟ لبنیٰ سے کہہ دوں؟" فاخرہ نے اُٹھتے ہوئے پوچھا۔ وقار نے اثبات میں سر ہلایا اور اس سے پہلے کہ وہ باہر نکلتی' دروازے پر دستک ہوئی۔

"آجاؤ لبنیٰ..... میں ابھی تمہارے پاس ہی آرہی تھی۔" فاخرہ نے وہیں سے آواز لگائی۔ چند ساعت کے وقفے سے نیلم ٹرے تھامے اندر داخل ہوئی۔

"لبنیٰ کی طبیعت ٹھیک نہیں بیگم صاحبہ' اس لیے چائے میں لے آئی۔" نیلم نے ٹرے تپائی پر رکھی اور جانے لگی کہ نظر سامنے ایزی چیئر پر جا ٹھہری۔ وہ بے خبر تھی کہ وقار کمرے میں موجود تھے۔ ٹرے میں چائے کا ایک ہی کپ تھا' فاخرہ کے لیے۔ وقار نے نیلم کو دیکھا' بڑے دنوں بعد اس نظر سے' جس پر برسوں پہلے پابندی لگ گئی تھی۔

"مجھے پتا نہیں تھا صاحب جی بھی ہیں' میں ابھی اور چائے لاتی ہوں۔" وہ دوپٹے سے ہاتھ پونچھتی تیزی سے باہر نکل گئی۔ آنکھوں کی نمی وقار سے چھپی نہیں رہی تھی۔

❁.....❁.....❁

"وہ تمہارا باپ ہے طیب۔" نیلم کے لہجے میں صدیوں کی تھکن تھی۔

"وہ باپ جس نے ہمیں سڑک پر رُلنے کے لیے چھوڑ دیا تھا؟" وہ زہر خند ہوا۔

"حقیقت سے فرار ممکن نہیں۔ یہ رشتہ کبھی نہیں ٹوٹتا۔"

"اور آپ کا اور ان کا رشتہ؟" وہ تڑخ کر گویا ہوا۔ "جس رشتے کی وجہ سے اولاد کا مضبوط رشتہ وجود میں آتا ہے' وہ رشتہ خود اتنا کمزور کیوں امی کہ ایک جھٹکے سے ٹوٹ جائے۔" نیلم چپ رہی۔ اس کے پاس کہنے کو بہت کچھ تھا لیکن وہ ہمت کھو چکی تھی۔ حالات کے تھپیڑوں نے اس کی ساری حسیات منجمد کردی تھیں۔ اسے اب کچھ محسوس

Digitized by Google

ہونا ہی نہ تھا۔

"میں نہیں جانتا امی کہ اس حویلی میں ہم کیسے پہنچے لیکن اس حویلی سے پہلے کی زندگی کی جھلک میری یادداشت میں اب بھی محفوظ ہے۔ وہ رات جو ہم نے سڑک پر گزاری' وہ دھکے جو ہم نے کھائے' کیا امیر ہمدانی اتنے سالوں کے دُکھوں کا مداوا کرسکتا ہے؟ اب تو ہم اپنے پیروں پر کھڑے ہو چکے۔ ایک امیر باپ کے ہوتے ہوئے میں نے اور میری بہن نے نوکروں والی زندگی گزار دی۔ ماتھے پر لگا ڈرائیور کا یہ ٹھپہ' نیلم کام والی آپا' لتی خادمہ..... بابا صاحب کی نظروں کی تحقیر' ہم بچا کھچا کھانے والے..... کسی امیر باپ کے خاندان میں سروائیو کیسے کر پائیں گے؟ دھتکارے ہوئے لوگ جھونپڑیوں میں ہی اچھے لگتے ہیں میری ماں۔ آج امیر ہمدانی کو میری یاد آ گئی۔ اتنے برس کہاں تھا وہ؟ اور آپ کیوں فیور کر رہی ہیں اس کی؟ جو شخص اپنی بیوی بچوں کی حفاظت نہ کر سکے' اسے کوئی حق نہیں شادی کرنے کا۔ اولاد کو دُنیا میں لانے کا۔" نیلم چپ چاپ اس آگ بگولہ لڑکے کو دیکھتی رہی۔ اس کی ساری باتیں سچ تھیں لیکن ابھی وہ مصلحت آشنا نہیں تھا۔

وہ چاہتی تھی کہ قسمت اگر اسے اس زندگی سے نکلنے کا موقع دے رہی ہے تو اسے گنوانا نہیں چاہیے۔ باپ کے پاس چلے جانا چاہیے۔ دیر سے سہی' اس کے دل میں اولاد کی محبت جاگی تو تھی۔

"اور انہیں میرے کالج کا ایڈریس کس نے دیا؟ وہاں پہنچ گئے دندناتے ہوئے اور یوں پیار جتا رہے تھے جیسے ہم کبھی جدا ہوئے ہی نہ ہوں۔" وہ کلس رہا تھا۔ اسے امیر ہمدانی کا اپنی زندگی میں لوٹ کر آنا اچھا نہیں لگا تھا۔ نیلم خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔

"چلو بس کرو۔ ہاتھ منہ دھولو میں کھانا گرم کر کے لاتی ہوں بلکہ لتی آتی ہی ہوگی لے کر۔ چلو شاباش' غصہ نہ کرو۔" نیلم نے اسے پچکارا۔ وہ باہر نکل گیا۔

نیلم آج پھر اُدھڑے زخموں کو سینے کی کوشش میں تھی۔

امیر ہمدانی کا لوٹ آنا اتنا حیران کن نہیں تھا' جتنا اپنے دل کا بے سکون ہونا۔ جانے کیوں برسوں پہلے کا جمود ٹوٹنے لگا تھا۔ ایک حسرت' ایک پچھتاوا دروازہ کھول کر اندر گھس آیا تھا۔

ہم کہ اِک عمر رہے
جس سے گریزاں' وہ دل!
آج چونکا ہے تو اک شور مچا رکھا ہے
نہ سہی وعدہ وصل ہجر کا صحرا ہی سہی!
ہاں مگر
اِک نظر دیدۂ ترکانی ہے
کہ میں ہوں پیاس کا دریا کوئی
اور تُو ہے وہی
ابرِ نیساں جاناں!

اس نے سر جھکائے عمر بتا دی تھی۔ اسے اپنے فیصلے پر کوئی ندامت بھی محسوس نہیں ہوتی تھی۔ وہ اپنی اوقات میں رہی۔ اس نے سہاگ کی قربانی دے کر بچوں کے سر کی چھت بچالی تھی۔ بابا صاحب سے کیا گیا وعدہ اس نے کبھی توڑنے کی کوشش ہی نہیں کی تھی۔ وہ جانتی تھی اس کے پاس سر چھپانے کو کوئی دوسرا ٹھکانہ نہیں۔ اسے اپنی عمر یونہی سر جھکائے بتانا تھی اور وہ بتا رہی تھی مگر امیر ہمدانی کے بچوں کی واپسی کے مطالبے نے اسے یک دم ہی دست ہونے کا احساس اس قدر شدت سے دلایا تھا کہ برسوں پرانے آبلے پھوٹ پڑے تھے اور وہ درد کی شدت سے بے حال ہونے لگی تھی۔

❁.....❁.....❁

سیپ کانے کئی سال ایک پتھر سے محبت کرتے گزار دیے تھے اور اس کی ہلکی سی آنچ بھی اس تک نہیں پہنچی تھی۔ اس پتھر نے کبھی کوشش ہی نہیں کی تھی کہ اس کی محبت کو سمجھے' اس کی طرف دیکھے بلکہ وہ تو کسی کی طرف دیکھتا ہی نہیں تھا سوائے اپنے آپ کے۔ اسے تو اپنی بیٹی سے بھی محبت نہیں تھی۔ نرگسیت کا شکار وہ پتھر دل انسان اس کے سینے میں دل کی طرح دھڑکتا تھا۔ اس کی ہر بے اعتنائی کو وہ

ہنس کر جھیلتی تھی اور ہر نماز میں اس پتھر کے موم ہونے کی دعا کرتی تھی لیکن جیسے جیسے وقت گزرتا تھا' وہ ایک سخت اور تکلیف دینے والا بنتا جارہا تھا۔ اس نے کبھی اس کے لیے برا نہیں سوچا تھا۔ جب اس نے اپنی مرضی سے شادی کی' دونوں کی نہ بنی' علیحدگی ہوگئی پھر بھی سبیکا کی آنکھیں اس کے دُکھ پر اشکبار ہوئیں۔ اس نے ہمیشہ اس کے سکون کے لیے دعائیں مانگیں' اس کے سارے کام پہلے بھی اس کے ذمے تھے اب بھی لیکن اس پتھر نے کبھی اسے درخورِ اعتنا نہ جانا تھا بلکہ اس پر اگر کبھی ناداستگی میں نظر پڑ جاتی تو چلانے لگتا۔ وہ کوشش کرتی اس کے سامنے کم سے کم جائے لیکن دل مجبوراً اسے لے ہی جاتا تھا۔

مگر رومینہ کو جانے کیسے خبر تھی اس کے دل کی اس راز کی اور آج..... آج جب فائز نے رومینہ کو پرپوز کیا تو اس کی ساری اُمیدیں دَم توڑ گئی تھیں' کچھ خوشیاں کبھی ہاتھ نہیں آتیں۔ کچھ زخم کبھی نہیں بھرتے۔ اس کے کمرے میں ٹوٹی چیزوں کا ایک ڈھیر تھا' جنہیں وہ جوڑتی آئی تھی۔ دراڑوں سے بھرے ڈیکوریشن پیسز' برتن اور وہیں کہیں مینٹل پیس پر پڑی اس کی لہولہو آنکھیں اور کونے میں دھرا اس کا ٹکڑے ٹکڑے دل۔ اس نے سب کچھ اٹھایا اور کوڑے دان میں ڈال آئی۔ اسے اب ان سے وحشت ہورہی تھی۔ اس کے ہاتھ زخمی تھے اور روح تکلیف میں۔ رومینہ نے ٹیرس سے اسے دیکھا اور اس کا درد جان گئی تھی۔

وہ جانتی تھی سبیکا بھلے سب کچھ پھینک دے' مگر وہ اس محبت کو ہرگز دل سے نہیں نکال سکتی تھی جو اس نے فائز سے کئی سال چپکے چپکے کی تھی۔ غصہ اسے فائز پر بھی تھا اور اس سے کہیں زیادہ پھوپو پر جو روز امی کے پاس بیٹھ کر انہیں منانے کی کوشش میں لگی رہتی تھیں اور رومینہ جانتی تھی امی بالآخر مان ہی جائیں گی کیونکہ وہ زیادہ دیر پھوپو کے آگے ٹھہر ہی نہیں سکتی تھیں۔ آگے کیا ہونے والا تھا' اس کا دماغ اس سچ پر سوچنے سے قاصر تھا۔ اس نے سوچ لیا تھا خود انکار کردے گی۔ فائز جیسے جنگلی انسان کے ساتھ شادی کرنے سے بہتر تھا کہ وہ کنوئیں میں کود جاتی۔ وہ یونیورسٹی جانے کے لیے نیچے اتری تو خلافِ توقع فائز کو اپنا منتظر پایا۔

"آؤ میں چھوڑ دوں۔" رسٹ واچ باندھتے ہوئے اس نے یوں کہا جیسے ان کے درمیان بہت اچھے تعلقات رہ چکے ہوں اور وہ اکثر و بیشتر اسے یہ شرف بخشتی رہی ہو۔

"شکریہ فائز بھائی..... میں پوائنٹ سے چلی جاؤں گی۔" وہ آگے بڑھنے کو تھی کہ فائز سامنے آگیا۔ اس کا جی چاہا ہاتھ میں پکڑی فائل اس مجنوں کے سر پر دے مارے کہ پھوپو پر نظر پڑ گئی۔ پیچھے سبیکا بھی تھی۔ بظاہر نظریں جھکائے انجان لیکن ہمہ تن گوش۔

"پھوپو فائز بھائی سے کہیں میں اکیلی جانے کی عادی ہوں اور اکیلی ہی جاؤں گی خوامخواہ تردد نہ کریں۔" اس نے پھوپو کو سنایا۔

فائز نے گھور کر اسے دیکھا اور پاؤں پٹختا باہر نکل گیا۔ سبیکا اب ہاتھ میں پکڑا کچرا پھینکنے سیڑھیوں کے پاس آگئی تھی۔ وہ مکمل شکست خوردہ لگ رہی تھی۔ رومینہ دو قدم پیچھے ہٹی' اب وہ سبیکا کے برابر تھی۔

"اس بار فائز کہیں نہیں جائے گا۔ بھروسہ رکھو اسے تمہاری محبت کو اپنانا ہی ہوگا۔ ورنہ تم اس کی عینا اس کے منہ پر مار دینا۔" اگلی بات اس نے شرارتاً کہی اور تیزی سے آگے بڑھ گئی۔ سبیکا کتنی دیر وہیں کھڑی اس کی بازگشت میں کھوئی رہی تھی۔

❁.....❁.....❁

"میں طیب ہمدانی سے محبت کرتی ہوں۔" بے حد آہستگی سے کہا تھا۔ شائستہ نے آگے بڑھ کر تیزی سے بیٹی کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا تھا' جسے اس نے اسی طرح جھٹک دیا۔

"میرا منہ بند کرنے سے کچھ نہیں ہوگا امی۔" بغاوت سے بھرپور لہجے میں اس نے کہا۔ "میں سچ کہہ رہی ہوں۔ میں اس سے محبت کرتی ہوں اور شادی بھی....." اب کے شائستہ کا اُٹھا ہاتھ اسے چپ کرا گیا۔

"تمہیں کچھ شرم حیا ہے کہ نہیں۔ تم ماں کے سامنے

Digitized by Google

کھڑی ہو کر کس بے حیائی سے اس کا نام لے رہی ہو' جانتی ہو کون ہے وہ؟ وہ ہمارا ہم پلہ ہو بھی تو بھی تمہیں یوں برملا اس کا نام لینے کی اجازت نہیں' کجا تم ایک کمی کمین کے لیے یہ جذبات رکھتی ہو۔" وہ کوشش کے باوجود اپنی آواز دھیمی نہیں رکھ پا رہی تھیں۔

"کس نے بنایا اسے کمی کمین' وہ اس خاندان' اونچے خاندان کے ہر لڑکے سے زیادہ پڑھا لکھا اور باشعور ہے' یہیں پلا بڑھا ہے' نیک ہونے کے لیے کیا ضروری ہے آپ کے لیے؟" دل آرا مکمل دلیلوں کے ساتھ اپنا مقدمہ لڑ رہی تھی۔ محبت بے خوف کر دیتی ہے۔

"تم اپنی آنکھوں سے اس کی محبت کی پٹی اُتار کر دیکھو' خود میں اور اس میں فرق معلوم ہو جائے گا۔" شائستہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اس کے سینے سے دل ہی کھینچ لیں' جس میں ایک کم رتبہ' نیچ خاندان کے لڑکے کی محبت سما گئی تھی۔

"امی آپ کچھ بھی کہہ لیں' میں طیب سے محبت کرتی ہوں اور یہ بات سب کے سامنے کہنے کو تیار ہوں۔" دل آرا نے ماں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا تو اندر داخل ہوتے مجاہد میاں تو جیسے سناٹے میں رہ گئے۔ بیٹی کے منہ سے اقرار اور وہ بھی اس نوعیت کا۔ انہوں نے کہا کچھ نہیں' واپس پلٹے۔ شائستہ پیچھے بھاگیں۔ وہ ان کا ارادہ بھانپ گئی تھیں۔ مجاہد کا رُخ سرونٹ کوارٹر کی طرف تھا۔

"رک جائیں مجاہد' کیا کرنے جا رہے ہیں' کیوں تماشا لگوا رہے ہیں خود ہی تحمل سے معاملہ نمٹائیں۔" شائستہ نے ان کے ہم قدم ہوتے ہوئے سمجھانا چاہا لیکن وہ کچھ بھی سننے کے موڈ میں نہیں تھے۔ وہ سرونٹ کوارٹر کے دروازے پر پہنچ کر رک گئے۔ شائستہ نے منت بھری نظروں سے انہیں دیکھا۔

"واپس چلیں پلیز۔" مجاہد نے بیوی کے جڑے ہاتھ دیکھے اور پھر بند دروازہ اور اگلے ہی لمحے وہ دروازہ پیٹ رہے تھے۔

نیلم سو چکی تھی جبکہ لبنیٰ برتن سمیٹ رہی تھی۔ طیب ابھی ابھی بستر پر لیٹا ہی تھا کہ دروازہ پیٹے جانے پر ہڑبڑا کر اُٹھا۔

"اللہ خیر....." وہ دروازہ کھولنے چلا آیا۔ جیسے ہی اس نے دروازہ کھولا' مجاہد نے اسے گریبان سے پکڑ کر باہر گھسیٹ لیا۔ وہ اس اچانک افتاد کے لیے قطعی تیار نہیں تھا۔ بوکھلا گیا۔

مجاہد نے طیب پر تھپڑوں کی بارش کر دی اور منہ میں جو آیا' کہہ ڈالا۔ طیب خاموشی سے پٹتا رہا۔ اپنا بچاؤ نہیں کیا۔ شور کی آواز سن کر لبنیٰ اور اس کی ماں باہر آ گئی تھیں اور دونوں گنگ کھڑی اسے پٹتے دیکھ رہی تھیں۔

"کیا کر رہے ہیں مجاہد بھائی؟" پیچھے سے وقار کی آواز آئی' شائستہ بھاگ کر وقار کے پاس آئیں۔

"اللہ کے لیے روکیں انہیں' مار ڈالیں گے یہ اسے۔" وقار نے آگے بڑھ کر بھائی کا ہاتھ تھاما۔

"بس کریں بھائی صاحب۔" مجاہد کا غصہ قابو میں ہی نہ آ رہا تھا۔

"اسے کہو نکلے یہاں سے' ابھی..... اسی وقت..... پھینکو اس کا سامان باہر۔ جلدی کرو۔" انہوں نے طیب کو ٹھوکر رسید کرتے ہوئے دروازے میں کھڑی نیلم پر قہر آلود نظر ڈالی۔ وہ کھلے دروازے کے پٹ تھامے تھر تھر کانپ رہی تھی۔ اس کے بیٹے سے کیا گناہ سرزد ہوا تھا کہ اسے گھر سے نکل جانے کا حکم ملا تھا۔

"چلو نکلو....." وہ چلایا۔ طیب نے ہونٹوں سے رستے خون کو صاف کیا' لڑکھڑاتا ہوا اُٹھا اور اندر چلا گیا۔ لبنیٰ پیچھے گئی اور نیلم وہیں بُت بنی کھڑی رہی۔ وقار نے ایک بار بھی اس درماندہ پر نظر نہیں ڈالی تھی۔ مجاہد کا ہاتھ پکڑا اور اندر کی طرف کھینچ لے گیا۔

"کیا کیا ہے؟" نیلم اس کے زخموں کو صاف کرتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔ وہ خاموش تھا' نہیں جانتا تھا کہ یہ عزت افزائی کیوں ہوئی۔ وہ رات تینوں نے آنکھوں میں کاٹی' صبح ہوتے ہی بی جان نے نیلم اور طیب کو اندر

Digitized by Google

بلایا۔ وہ دونوں اب بھی اپنے جرم سے ناواقف تھے۔ سب ہی موجود تھے جیسے عدالت لگی ہو۔ وہ دونوں سر جھکائے کھڑے تھے۔

"تم لوگ ابھی اور اسی وقت یہ گھر خالی کردو۔" بی جان کی آواز گونجی۔ نیلم نے چونک کر سر اُٹھایا تھا۔

❁.....❁.....❁

پتا نہیں کیا ہوا، ایک دم سے پھوپو کو دل کا دورہ پڑا اور ہاسپٹل جاتے جاتے راستے میں ہی دم توڑ دیا۔ آناً فاناً گھر ماتم کدہ بن گیا۔ سارا گھر ہی بکھر گیا تھا۔ فائز تو صدمے میں تھا ہی سبیکا کو بھی چپ لگ گئی تھی۔ پھوپو اس کی غمگسار تھیں۔ اس کے سر پر سایہ تھیں۔ ان ہی کی وجہ سے یہ پناہ میسر تھی۔ وہ نہیں رہی تھیں تو اس گھر میں اس کا رہنا مشکل تھا۔ دوسروں کے ساتھ وہ اکیلی رہ ہی نہ سکتی تھی کہ ان سے اس کا خون کا رشتہ نہ تھا۔ کچھ دن تک تو گھر میں آنا جانا لگا رہا، پھر رفتہ رفتہ آمد و رفت کم ہوتے ہوتے ختم ہوگئی۔

روبینہ زیادہ وقت نہ گزارنے لگی کہ فائز تو صبح کا گیا رات گئے لوٹتا تھا یا پھر آتا ہی نہیں تھا۔ پھوپو سر شام آ کر کھانا کھا کر سو جاتے۔ رات کو وہ سبیکا کو لے کر اوپر آجاتی۔ عینا اور وہ دونوں اس کے ساتھ کمرے میں سونے لگی تھیں۔ ساری ترتیب اُلٹ پلٹ ہوگئی تھی۔ حویلی سے کوئی بھی نہیں آیا تھا۔ لاشعوری طور پر وہ ہمیشہ کی طرح خوشی غمی میں شریک ہونے والے ڈرائیور کی منتظر رہی تھی لیکن وہ نہیں آیا۔ آیا تو بس بی جان کا تعزیتی فون اور معذرت کہ دل آرا کی شادی کی مصروفیت کی وجہ سے وہ گھر سے نکل نہیں سکتی تھیں۔

❁.....❁.....❁

وہ کافی دنوں بعد یونیورسٹی آئی تھی۔ ہسٹری کے پروفیسر اس دن بھی غائب تھے۔ شاید شادی کی مصروفیت میں لگے ہوں گے۔ اس نے خود کو دلاسا دیا۔ وہ گھر واپس آئی تو فائز کو اماں کے پاس بیٹھا پایا۔ وہ سلام کر کے اندر جانے کو تھی کہ فائز نے روک لیا۔

"اِدھر آؤ، ضروری بات کرنی ہے تم سے۔"

"سبیکا کہاں ہے اماں؟" اس نے رکتے ہوئے ماں سے استفسار کیا۔

"کچن میں۔ عینا نوڈلز کھانے کی ضد کر رہی تھی، اسی کی فرمائش پوری کر رہی ہے، تم کھانا کھاؤ گے فائز؟" انہوں نے اُٹھتے ہوئے پوچھا۔ وہ جان گئی امی دانستہ اُٹھ کر جا رہی تھیں۔

"نہیں مامی..... آفس سے کھا کر آیا ہوں۔" اس نے انکار کیا پھر روبینہ پر نظریں جمادیں، جو اس کے سامنے مونڈھے پر آ کر بیٹھ گئی تھی۔

"فائز بھائی۔" اس نے اُکتا کر کہا تو وہ چونکا۔

"امی کی جو خواہش تھی تمہیں پتا ہے ناں....." اس نے بلا تمہید کہنا شروع کیا۔ "میں اور ابا جی چاہتے ہیں کہ....." وہ رُکا۔ پیچھے سبیکا آ کھڑی ہوئی تھی ہاتھ میں نوڈلز کا پیالہ تھامے عینا اس کے پیچھے تھی۔

"ایک منٹ فائز بھائی..... مجھے بھی آپ سے کچھ کہنا ہے۔" اس نے اس کے توقف کا فائدہ اُٹھایا اور شروع ہوگئی۔

"ایک لڑکی جو عرصے سے آپ کے گھر میں رہ رہی ہے اس کے بارے میں آپ لوگوں نے کیا سوچا ہے؟"

"کیا مطلب..... ہم..... ہم نے کیا سوچنا ہے؟" فائز سے کوئی بات نہیں بن پائی۔

"میں آپ سے شادی کر لیتی ہوں۔" اس نے سکون سے کہا۔ سبیکا رُکی نہیں، عینا کو لیے کمرے میں چلی گئی۔ فائز کی آنکھوں میں تشکر اُمڈ آیا۔

"لیکن..... سبیکا کا کیا ہوگا؟ کیا وہ اسی گھر میں رہے گی؟" اس نے پتا پھینکا۔ فائز نے جواب دینے میں جلدی کی۔

"ہاں تو پڑی رہے گی، اسے تو عادت ہے ایسے ہی رہنے کی، بے ضرری ہے، دو وقت کا کھانا اور چند کپڑے۔ بدلے میں وہ عینا کو بھی سنبھال لے گی اور گھر بھی۔" وہ سمجھا شاید اسے سبیکا کے اس گھر میں رہنے پر اعتراض

Digitized by Google

ہے۔

"بہت خوب فائز بھائی۔" اس کے لہجے میں تاسف بھر آیا۔ "ایک لڑکی جو پچھلے کئی سالوں سے آپ کی خدمت کر رہی ہے' بغیر کسی لالچ کے' اس کے لیے آپ کی نیک خواہشات جان کر مجھے خوشی ہوئی۔ آپ نے کبھی بحیثیت انسان' اس کے بارے میں سوچا؟ کبھی اس کی آنکھوں میں جھانکنے کی کوشش کی؟ کبھی اس کے لرزتے' کانپتے ہاتھوں کی وجہ جاننے کی ضرورت سمجھی؟ کبھی اس محبت کو سمجھنے کی کوشش کی جو پچھلے کئی سالوں سے وہ آپ جیسے بے حس انسان سے کرتی آ رہی ہے اور صلہ تک نہیں چاہ رہی؟" آج اس نے فیصلہ کر لیا تھا اس لڑکی کے لیے لڑنے کا' جو اپنے حق کے لیے کبھی آواز نہیں اُٹھا سکتی تھی۔

"کیسی عجیب باتیں کر رہی ہو تم۔" فائز نظریں چرا گیا۔ رومی مسکرا دی۔ اسے اس کے سوالوں کا جواب مل گیا تھا۔ وہ سبیکا کی خاموش محبت سے بے خبر نہیں تھا لیکن انجان بن رہا تھا۔ لوہا گرم تھا' اس نے اگلی ضرب کے لیے الفاظ مجتمع کیے۔ اندر سے چھناکے کی آواز آئی تھی۔ شاید عینا نے پھر کچھ توڑ دیا تھا۔ فائز نے دروازے کی سمت دیکھا اور شرمندگی سے بولا۔

"بہت نقصان کرتی ہے یہ لڑکی' ہر وقت کچھ نہ کچھ توڑتی رہتی ہے۔"

"باپ پر گئی ہے۔" وہ تڑخ کر بولی۔

"اب ایسا بھی نہیں۔ میں تو چیزوں کا بھرپور خیال رکھتا ہوں۔ آخر کو پیسے خرچ کیے ہوتے ہیں۔" رومینہ ہنس دی۔

"کچھ چیزوں پر پیسے خرچ نہیں ہوتے لیکن وہ بہت قیمتی ہوتی ہیں اور آپ نے ہمیشہ چیزوں کی پروا کی' انسانوں کی نہیں۔ بہرحال میں آپ کو صاف صاف بتا دینا چاہتی ہوں اول تو ایک بچی کے باپ کے ساتھ میں شادی نہیں کروں گی اور جب کہ مجھے پتا بھی ہو کہ آپ اپنی پہلی بیوی سے کس قدر محبت کرتے تھے' آپ کا کوئی پلس پوائنٹ نہیں ہے میری نظر میں۔" وہ بولتے ہوئے رُکی' فائز اس بدتمیزی اور صاف گوئی پر تلملا ہی تو گیا۔

"ایک منٹ میری بات مکمل ہونے دیجیے فائز بھائی۔" رومینہ نے ہاتھ اُٹھا کر اسے کچھ بولنے سے روکا۔

"میں نے کہا میرے لیے پلس پوائنٹ نہیں' لیکن ہو سکتا ہے کوئی اور آپ سے بہت محبت کرتا ہو اور اس کے لیے یہ سب مائنس ہو۔" اس نے فائز پر نظریں جمائیں۔

سبیکا دوبارہ دروازے کے بیچ آ کھڑی ہوئی تھی۔ اس کے ہاتھ میں ٹوٹے گلاس کے ٹکڑے تھے لیکن چہرہ پر جو تکلیف تھی' محسوس ہوتا تھا وہ اپنے ٹکڑے اُٹھائے کھڑی ہے۔

"ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔" فائز سختی سے کہتا نیچے کی طرف بڑھ گیا۔ رومینہ نے سبیکا کی طرف دیکھا۔

"ہاں ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔" اس نے مٹھی بھینچ لی اور اس کی ہتھیلی سے گرتا خون فرش لہولہان کرنے لگا تھا۔ رومینہ نے خود کو بے بسی کی انتہا پر محسوس کیا تھا۔

❁.....❁.....❁

"لیکن کیوں..... ہمارا جرم کیا ہے بی جان؟" نیلم نے برسوں بعد زبان کھولی تھی۔ بی جان کو یہ بات ہضم نہیں ہوئی' اس لیے تڑخ کر بولیں۔

"تم نہیں جانتی ہو کیا؟ تمہارے بیٹے نے جس تھالی میں کھایا' اسی میں چھید کیا' میں نے برسوں گزار دیئے تم لوگوں پر اعتماد کرتے اور تم لوگوں نے میری ہی پیٹھ پر چھرا گھونپ دیا۔" وہ غیض و غضب کی تصویر بنی بیٹھی تھیں۔

"ہم نے ایسا کچھ نہیں کیا بی جان۔" طیب نے اپنی زخمی کہنی سہلاتے ہوئے کہا۔ "ہم آج بھی آپ کے وفادار ہیں۔"

"تمہیں شرم نہیں آئی' اس گھر کی بیٹی کو ورغلاتے ہوئے۔" وہ غرائیں۔ بات تو سرعام کرنے والی نہیں تھی مگر کرنا ضروری تھی۔ وہ ان نمک حراموں کو ذلیل کر کے یہاں سے نکالنا چاہتی تھیں۔ برسوں پہلے کی خواہش پوری ہونے کا موقع قدرت نے انہیں آج فراہم کر دیا تھا۔

"اللہ گواہ ہے بی جان' میں نے اس گھر کی بیٹیوں پر نہ

تو کبھی غلط نظر ڈالی اور نہ ہی کوئی برا خیال دل میں لایا۔"
اس سے اب کھڑے ہونا محال تھا لیکن وہ بیٹھنے کی جرأت نہیں رکھتا تھا۔

"بی جان! آپ کو ضرور کسی نے غلط بتایا ہے۔" نیلم ان کے قدموں میں جھکی۔

"تم اپنا بوریا بستر سمیٹو اور نکلو یہاں سے۔" انہوں نے حکم صادر کیا' نیلم کانپ رہی تھی۔ طیب سر جھکائے کھڑا تھا۔ سب لوگوں کی نظریں اس پر جمی تھیں۔

اس نے آگے بڑھ کر فرش پر دوزانو بیٹھی ماں کو اُٹھایا اور باہر نکل آیا۔ آخری سیڑھی پر قدم رکھتے ہی رُک جانا پڑا۔ وہ چاقو لیے کھڑی تھی۔

"اگر تم نے میری محبت سے انکار کیا تو میں خود کو ختم کرلوں گی۔" دل آرا بے خوف لہجے میں بولی، نیلم لرزنے لگی اور طیب نے پیچھے مڑ کر مجاہد اور وقار کو باہر آتے دیکھا۔ اس پر سب کچھ واضح ہوگیا تھا۔ اس نے نیلم کا ہاتھ پکڑا اور کوارٹر کی طرف بڑھا۔ مجاہد نے اسے قابو کرلیا تھا اور اب گھسیٹتے ہوئے اندر لے جارہا تھا۔ وہ اپنے کوارٹر میں آئے اور اپنا سامان سمیٹنے لگے' استعمال کے کپڑے اور کتابوں کا ٹرنک' یہی کل اثاثہ تھا۔

"ہم جائیں گے کہاں؟" لبنیٰ نے بالآخر زبان کھولی۔

"چلے جائیں گے کہیں نہ کہیں۔" طیب خود خالی الذہن تھا۔

اس نے ایک دو پراپرٹی ڈیلرز سے بات کی اور بالآخر شام تک انہیں ایک دو کمروں والا کوارٹر مل گیا' جو رہنے کے قابل تو نہیں تھا لیکن فوری طور پر سر چھپانے کے لیے کافی تھا۔

❁.....❁.....❁

فائزہ' عینا کو لے کر کہیں چلا گیا تھا بتا نہ ائے۔ نیچے پھوپا اکیلے رہ گئے اور اوپر سبیکا۔ رویبنہ کے امتحانات شروع ہوگئے تھے اور وہ ادھر مصروف۔ اردگرد کیا ہورہا تھا' وہ بے خبر تھی۔

وہ آخری پیپر دے کر آئی تو ڈرائنگ روم میں کسی مہمان کو بیٹھا پایا۔ وہ حیران ہوئی۔ ان کے گھر آج تک کوئی مرد رشتہ دار نہیں آیا تھا۔ معیز باہر سے آیا تو کھانے پینے کے سامان سے لدا پھندا تھا۔

"کون آ گیا؟" اس نے معیز سے پوچھا تو اس نے کندھے اُچکائے۔ وہ تھکی ہوئی تھی' سیدھی کمرے میں چلی گئی۔ سبیکا شاید کچن میں تھی۔ وہ کپڑے تبدیل کیے بغیر ہی لیٹی اور سوگئی۔

عصر کے وقت اماں نے جگایا اور جیسے ہی وہ نماز پڑھ کر فارغ ہوئی' اماں نے بم پھوڑا۔ یہ کہہ کر کہ انہوں نے رشتہ پکا کردیا ہے۔ (سبیکا سر جھکائے بیٹھی تھی' اس نے دھیان ہی نہ دیا)

اور نہ صرف پکا بلکہ اگلے جمعہ کو نکاح کی تاریخ بھی دے دی ہے۔ وہ حیران پریشان دیکھتی رہ گئی۔ کہاں' کیوں' اسے کچھ کہنے سننے کا موقع ہی نہیں دیا کیونکہ اس کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر انہوں نے جو آدھے گھنٹے کی تقریر کی تھی' اس نے سارے حوصلے پست کردیے تھے۔

"کہیں آمنہ کے ماموں....." خیال روح فرسا تھا۔

اماں سے پوچھنے کی ہمت تو رہی نہیں تھی' لیکن وہ آمنہ سے تو پتا کرسکتی تھی۔

اگلے دن اماں اور سبیکا جیسے ہی بازار کے لیے نکلیں' وہ معیز کو بتا کر سیدھی آمنہ کے گھر جا پہنچی۔ وہ بیڈ پر زرق برق کپڑے پھیلائے بیٹھی تھی۔ اسے دیکھ کر خوش ہوگئی۔

"تم کیسے آ گئیں ادھر؟" اس نے کپڑوں کا ڈھیر اُٹھا کر صوفے پر منتقل کرتے ہوئے اس کے بیٹھنے کی جگہ بنائی۔

وہ کپڑوں کو دیکھ کر فکرمند ہوئی مگر آمنہ اس کی حالت سے بے خبر خوب چہک رہی تھی اور اپنے خدشے کے تحت وہ اس سے پوچھ بھی نہیں پارہی تھی۔ اس کی طبیعت میں عجیب بے چینی در آئی تھی۔ وہ زیادہ دیر نہ بیٹھ سکی۔

واپس آئی تو ادھر بھی ایسا ہی ماحول تھا۔ اماں بھی کچھ

Digitized by Google

زرق برق سامان خرید کر آئی تھیں۔ اس پر بے زاریت کا شدید ترین حملہ ہوا۔ وہ بنا کچھ دیکھے کمرے میں بند ہوگئی۔ اب ایسا بھی کیا کہ ایک باشعور لڑکی سے پوچھنا بھی گوارہ نہ کیا جائے۔ وہ بری طرح سے خفا ہوگئی تھی۔

❁.....❁.....❁

دل آرا کو تو مجاہد نے فاخرہ کے بھانجے کے ساتھ رخصت کر دیا لیکن وقار نے برسوں پرانی کہانی کو ورق ورق پلٹ ڈالا۔ نیلم کا یوں بے گھر کر دیا جانا انہیں گہرے دکھ میں مبتلا کر گیا تھا اور وہ اس بات کو برداشت نہیں کر پا رہے تھے اور شاید زندگی میں پہلی بار وہ ماں کے سامنے کھڑے ہوئے اور نیلم کے لیے لڑ رہے تھے اور بی جان کی آنکھوں میں حیرتیں سمٹ آئی تھیں۔

"تم اس عورت کے لیے آج ماں سے زبان درازی کر رہے ہو جس نے تمہارے بدلے اس چھت کو ترجیح دی تھی۔"

"اسی لیے بول رہا ہوں بی جان کہ جس چھت کے لیے اس نے میرے اور اپنے رشتے کی قربانی دی' آپ نے وہ چھت چھیننے میں ایک لمحہ بھی نہیں لگایا' اس کی بیس سال کی قربانی کو آپ نے لمحوں میں ملیامیٹ کر دیا..... کیا فائدہ ہوا اسے؟"

"بیٹا جوان ہے، ماں کو چھت نہیں دے سکتا؟" بی جان کے لہجے میں ذرا لچک نہیں تھی۔ "اور تم آج کیوں بول رہے ہو؟"

"جس وجہ سے یہ خاموشی تھی' آپ نے وہ عہد توڑ دیا اور بی جان' بیٹا ماں کو چھت دے سکے گا یا نہیں' لیکن اب کی بار ایک شوہر ضرور بیوی کو چھت کا تحفظ دینے کا حوصلہ رکھتا ہے اور اب کی بار میں رکوں گا نہیں' نیلم اس گھر میں واپس میری بیوی کی حیثیت سے آئے گی اور اسی حیثیت میں رہے گی اور اگر نہیں تو پھر میں اس گھر سے چلا جاؤں گا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے..... فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔"

وہ کہہ کر رُکے نہیں اور بی جان کو لگ رہا تھا کہ اس عمر میں بیٹا کھونا ان کے لیے ممکن نہ ہوگا۔

ساری رات انہوں نے سوچتے' نفع نقصان کا حساب کرتے گزار دی تھی۔ ایک ایسی عورت' جو کسی طرح بھی ان کے ہم پلہ نہیں تھی' سالہا سال اس نے ایک ملازمہ کے طور پر اس گھر میں گزار دی تھی' اس کو اپنے برابر بٹھانا مشکل سے بھی مشکل تھا لیکن مصیبت یہ تھی کہ اب ان کا بیٹا ڈٹ گیا تھا۔ نیلم گنگ تھی اور طیب اور لبنیٰ خفا۔ وقار جو کچھ کہہ رہے تھے' نیلم کے لیے نیا نہیں تھا مگر طیب اور لبنیٰ کے لیے صدمے کا باعث ضرور تھا۔

"میں تمہیں کیسے بے امان ہونے دے سکتا ہوں نیلم..... تم نے میرا بھروسہ نہیں کیا ورنہ آج سے بیس سال پہلے تم وہ جگہ حاصل کر لیتیں جو تمہاری اس گھر میں تھی۔ جس چھت کے لیے تم نے میرے ساتھ بندھے رشتے سے منکر ہو جانا گوارہ کر لیا' یہ کیسے ممکن ہے کہ تم سے وہ چھت چھین لی جائے۔" وقار کا لہجہ ہمیشہ کی طرح مضبوط تھا۔ بس نیلم سمجھ نہیں پائی تھی۔

اس کے اندر خوف کے اتنے سانپ پھن پھیلائے بیٹھے تھے کہ ان کے ڈس لینے کے ڈر نے اسے کبھی خوش ہونے ہی نہیں دیا تھا۔

"میں نے منا لیا بی جان کو' وہ تمہیں اس گھر میں بہو کا رُتبہ بھی دیں گی اور عزت بھی۔"

"اب تو عمر گزر گئی صاحب۔" نیلم نے ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑیں۔ "اب کیا فرق پڑتا ہے' میں کہیں بھی رہوں اور کسی بھی حیثیت میں۔" طیب کمرہ چھوڑ گیا تھا۔

وقار احمد سے اس کا کیا رشتہ تھا' یہ اس پر آج آشکار ہوا تھا لیکن وہ آج اس درد کو شدت سے محسوس کر رہا تھا جو ایک ہی گھر میں رہ کر نیلم نے وقار سے لاتعلقی کی صورت میں برداشت کیا تھا۔ محض اس لیے کہ ان کے سر پر چھت قائم رہے' خود کو بے سائبان کر کے اس نے اپنے بچوں کی چھت خرید لی تھی۔ سودا برا نہیں تھا لیکن ایک بار پھر بے آسرا ہوتے ہوئے نیلم کو بیس سالوں کا بوجھ بہت بری طرح محسوس ہوا تھا۔

"فرق پڑتا ہے' تم نے بھلے ان بیس سالوں میں مجھ

Digitized by Google

سے کوئی رشتہ نہیں رکھا لیکن تم میری آنکھوں کے سامنے تو رہی ہو ناں..... میں مانتا ہوں شروع کے چند دنوں میں' میں نے تمہیں جلانے کے لیے کئی ہتھکنڈے اپنائے مگر وہ اس لیے تھے کہ تم میری طرف پلٹ آؤ لیکن..... میں ایک پل بھی تمہاری طرف سے غافل نہیں رہا۔ ہاں گزرتے برسوں میں' میں کمزور ضرور ہوگیا۔ فاخرہ اور بچوں کی وجہ سے لیکن..... اب ایسا بھی نہیں کہ تمہیں اس عمر میں' بے سائبان ہونے دوں۔ میں تمہیں لینے آیا ہوں اور تمہیں میرے ساتھ جانا ہی ہوگا۔'' وقار نے دوٹوک انداز میں کہا لیکن نیلم نظریں جھکا گئی تھی۔

اس راز کا آشکار ہوجانا ہی اسے شرمندگی میں مبتلا کررہا تھا' کجا وہ وقار کے ساتھ چلی جائے۔ جہاں اتنی زندگی گزر گئی' باقی کی بھی گزر جانی تھی۔ اس نے وقار کا شکریہ ادا کیا اور معذرت کرنے ہی والی تھی کہ طیب اندر آ گیا۔

''انکل..... آپ امی کو لے جاسکتے ہیں۔'' اس کا کہنا اتنا غیر متوقع تھا کہ لبنیٰ اور نیلم نے بیک وقت چونک کر اسے دیکھا۔

''کیا کہہ رہے ہو طیب؟'' نیلم لپک کر اس کے پاس آئی۔

''ہمیشہ والدین بچوں کے لیے فیصلے کرتے ہیں امی' لیکن کبھی کبھار اولاد کو بھی والدین کے لیے فیصلہ کرنا پڑتا ہے۔''

''میں اور لبنیٰ تو ویسے بھی ابا کے پاس جارہے ہیں (یہ فیصلہ اس نے ابھی ابھی کیا تھا) تو لازمی طور پر آپ کو بھی اپنے شوہر کے ساتھ رہنا چاہیے۔'' وہ بہت مضبوط لہجے میں فیصلہ سنا رہا تھا۔

''طیب.....!'' نیلم نے اس کا بازو پکڑا لیکن اس نے ماں کی طرف نہیں دیکھا۔ وہ اس لمحے کسی کمزوری کو پھر سے ماں کا مقدر نہیں بنا سکتا تھا۔

''لبنیٰ' تم بھی تیار ہوجاؤ۔ ابا آتے ہوں گے۔'' سب کچھ آناً فاناً ہوا تھا۔

AANCHALPK.COM

تازہ شمارہ شائع ہوگیا ہے

ماہنامہ آنچل کراچی

ملک کی مشہور معروف قلم کاروں کے سلسلے وار ناول' ناولٹ اور افسانوں سے آراستہ ایک مکمل جریدہ گھر بھر کی دلچسپی صرف ایک ہی رسالے میں ہے جو آپ کی آسودگی کا باعث ہوسکتا ہے اور وہ ہے اور صرف آنچل۔ آج ہی اپنی کاپی بک کرالیں۔

ایکائی

عشنا کوثر سردار کا ایک لازاول ناول' ایک پڑھے لکھے گھرانے کا احوال جو لڑکیوں کی تعلیم کے خلاف تھا

تیری زلف کے سر ہونے تک

خاندانی اختلاف کے پس منظر میں لکھا گیا اقراء صغیر احمد کا بہترین ناول جو آپ کی سوچ کو ایک نیا رخ دیگا

AANCHALNOVEL.COM

پیپر نہ ملنے کی صورت میں ہوم ڈلیوری حاصل کریں (03008264242)

Digitized by Google

"شکریہ طیب بیٹا۔" وقار نے طیب کے ہاتھ تھامے۔ "اس دن مجاہد نے جو کچھ تمہارے ساتھ کیا میں شرمندہ ہوں۔" طیب خاموش رہا۔ کبھی کبھار الفاظ گونگے ہوجاتے ہیں۔ وقار نے نیلم کا ہاتھ تھاما تو اس بار وہ خاموشی سے اس کے ساتھ چل پڑی تھی۔

❁.....❁.....❁

دو دن رہ گئے تھے اور ابھی تک کسی نے اسے بتانا گوارہ نہیں کیا تھا کہ آخر اس کو جس کنویں میں دھکیلا جارہا ہے اس کا نام کیا ہے۔ سبیکا ہر وقت سر جھکائے کپڑوں کی سلائی میں مصروف رہتی۔ آمنہ دو بار آئی اور امی کے پاس بیٹھ کر چلی گئی۔ اسے یقین ہوگیا تھا کہ اس کی شادی یقیناً اس گنجو ماموں کے ساتھ ہی ہورہی تھی۔ امی نے یقیناً اس کے ساتھ اچھا نہیں کیا تھا اور وہ "ڈرائیور"..... اتنے دنوں میں پہلی بار اس کے دل میں ڈرائیور کا خیال آیا تھا۔

بندہ اپنی انا رکھنے کو انکار کررہی دیتا ہے۔ کیسے مجنوں ہوا جارہا تھا اس وقت اور اب ایسے غائب ہے جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔ وہ جھنجھلا رہی تھی۔

"ذرا یہ پہن کر دیکھو۔" سبیکا ایک فینسی سوٹ لے کر اندر آئی۔ اس نے دیکھا تک نہیں۔ آج کل سبیکا کچھ بدلی بدلی سی معلوم ہوتی تھی یا شاید ہر چیز ہی بدل گئی تھی۔

"دیکھ لو ناں اگر فٹنگ میں کوئی مسئلہ ہے تو میں ٹھیک کردیتی ہوں۔" اسے ٹس سے مس نہ ہوتے دیکھ کر وہ قمیص کو پھیلا کر دیکھنے لگی۔

"مجھے نہیں دیکھنا کچھ۔" اس نے کروٹ بدل لی۔

"میں تو سمجھی تھی کہ شاید اس دنیا میں واحد تم ہو جو میری خوشی کو دھوم دھام سے مناؤ گی۔" سبیکا نے اداسی سے کہا۔

"کون سی خوشی؟ فائز محترم کے ٹھکرانے کو تم خوشی سمجھ کر منا رہی ہو؟" وہ بھنا اٹھی۔

"تمہیں کس نے کہا خوشی صرف فائز کے نام سے جڑی ہے۔" وہ دھیرے سے مسکرائی۔ (اب فلسفہ شروع ہوگا رومینہ بدمزہ ہوئی تھی)

"تو آپ نے دل سے فائز محترم کا نام کھرچ ڈالا؟" وہ طنزیہ بولی۔

"ہاں اسی فیصد۔" وہ بلا مقصد ہاتھ میں پکڑی قمیص کو تہہ کرنے لگی۔ "کبھی کبھی ہماری لاکھ کوشش لاکھ منت کے باوجود ہمیں ہمارا من چاہا نہیں ملتا اور وہ مل جاتا ہے جس کی ہم نے تمنا نہیں کی ہوتی۔ تم یہ پہن کر دیکھ لو۔ شاید مامی بلا رہی ہیں مجھے۔" وہ سوٹ اس کے پاس رکھ کر باہر نکل گئی۔ سبیکا کی مبہم باتوں نے اس کے اُلجھے ذہن کو مزید اُلجھا دیا تھا۔

❁.....❁.....❁

اور یہ نکاح سے ایک دن پہلے کی بات تھی' ساتھ والوں کی حمیرا کو ن مہندی تھامے اندر داخل ہوئی۔

"لائیں سبیکا باجی ہاتھ' بہت خوب صورت مہندی لگاؤں گی آپ کے۔" چائے پیتی رومینہ نے حیرت سے دیکھا کہ سبیکا نے فوراً ہتھیلی اس کے آگے پھیلا دی تھی۔ حمیرا کو یقیناً امی بلا کر لائی ہوں گی اس کے لیے۔ اسے ماں پر غصہ آرہا تھا اور اس غصے کے اظہار کے لیے وہ ان سے بات بھی نہیں کررہی تھی پھر بھی اسے قابل توجہ نہیں سمجھا جارہا تھا۔

"میں تو نہیں لگاؤں گی۔" وہ احتجاجاً اُٹھ کر چل دی اور کسی نے اسے روکا بھی نہیں اور دوسرے کمرے میں جاتے ہوئے اس نے یونہی پلٹ کر دیکھا اور اس کے قدم من من بھر کے ہوگئے تھے۔

❁.....❁.....❁

اس کی ایک عادت تھی کوئی بھی بات سن لیتی تو سوچ سوچ کر پاگل ہوجاتی' خود ہی منصف بن جاتی اور خود ہی فیصلہ بھی سنا کر مظلوم بھی بن جاتی اور اسی عادت کے ہاتھوں اس نے بڑے نقصان اُٹھائے تھے۔ نکاح والے روز جب بڑی دیر تک اس نے خود کو احتجاجاً کمرے میں بند رکھا اور کوئی اسے بلانے نہیں آیا تو کسی معجزے کی آس میں وہ خود ہی باہر چلی آئی تھی۔ سارے گھر کی خاموشی ڈرائنگ روم میں ایک خوشگوار سی رونق بن کر سمٹی ہوئی تھی۔

Digitized by Google

وہ سیڑھیاں اُتر آئی۔ سبیکا، معیز اور امی، تینوں یقیناً وہیں تھے۔ کل رات "ڈرائیور" کو دیکھ کر ایک لمحے کے لیے اس ملکے دل میں کسی معجزے کا یقین جاگا تھا لیکن ڈرائنگ روم کی رونق نے اس یقین کو ملیامیٹ کر دیا تھا۔ اس نے اَدھ کھلے دروازے کی جھری سے اندر جھانکنے کی کوشش کی۔ سامنے ہی "گنجو ماما" دولہا بنے طمطراق سے براجمان نظر آئے تھے۔ "بارات آ گئی۔" وہ بدبدائی۔

"مبارک۔ سلامت۔" ہلکی ہلکی آوازیں گونجیں۔

"ہیں.....!" اس کے دماغ کی کھڑکی پٹ سے کھلی تھی۔ وہ تو ادھر تھی، پھر مبارک بادیوں کا شور؟ اس نے بے اختیار دھاڑ سے دروازہ کھولا تھا۔ سامنے ہی پھوپا کے ساتھ سبیکا۔

"سبیکا.....!" اس نے آنکھیں ملیں۔ "دُلہن....."

امی مٹھائی کا ڈبہ تھامے سبیکا اور گنجو ماما کا منہ میٹھا کروا رہی تھیں۔ پھوپا کے چند دوست اور پچھلے صوفے پر براجمان مسٹر ڈرائیور اور ڈرائیور سے غیر معمولی مشابہت رکھتا ایک ادھیڑ عمر آدمی۔ اس کے کانوں میں سبیکا سے ہونے والی گفتگو کی بازگشت گونجنے لگی۔

"تو.....!" اس نے ایک سکون بھری سانس لی۔ "یہ نکاح سبیکا کا تھا۔" اس سے سننے میں غلطی ہوئی تھی اور وہ پچھلے دس دن سے سولی پر لٹک رہی تھی۔ اسے اپنا آپ ایک دَم ہلکا پھلکا محسوس ہوا تھا۔

"بہن..... ہمارے لیے کیا حکم؟" ڈرائیور کے ساتھ بیٹھے شخص نے مٹھائی کا ٹکڑا منہ میں رکھتے ہوئے احتراماً پوچھا۔ امی کی مسکراتی نظریں اس پر اُٹھ گئیں۔

"آپ بسم اللہ کریں، رسم کریں۔" امی نے عندیہ دیا۔

"ہیں.....!" وہ وہیں کی وہیں کھڑی رہ گئی۔ معیز نے جلدی سے اسے پکڑ کر صوفے پر لا بٹھایا اور امیر ہمدانی نے ایک لمحے کی تاخیر کیے بنا اس کے بائیں ہاتھ کی انگلی میں انگوٹھی پہنا دی۔

"ڈرائیور....." اس کے ساتھ آ بیٹھا تھا۔ وہ مہر بہ لب تھی۔

"کچھ منہ زور انسانوں کو ایسے ہی قابو کیا جاتا ہے، جو دل کی آواز پر کان نہ دھریں۔" وہ سر جھکائے بہت آہستگی سے کہہ رہا تھا۔

"تو بہن..... اگلے ہفتے ہم اپنی بہو کو نکاح کر کے لے جائیں گے، تب تک طیب کی والدہ بھی واپس آ جائیں گی عمرے سے۔" امیر ہمدانی نے کہا۔

"اتنی جلدی بھائی..... ایک ہفتہ بہت کم ہے۔" امی معترض ہوئی تھیں، کن انکھیوں سے نندوئی کی طرف دیکھا۔

"جیسا آپ مناسب سمجھیں بھائی صاحب..... ہماری طرف سے کوئی دیر نہیں۔" پھوپا نے ان کی پریشانی بھانپ لی تھی، اس لیے تسلی آمیز لہجے میں کہا۔ طیب کے چہرے پر طمانیت پھیل گئی تھی۔ وہ اس "منہ زور" کو زیادہ دیر "کھلا" نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ کیا پتا یہ بدک کر اسے دولتی جھاڑ دے۔

خوشیاں ڈرائنگ روم میں اتر آئی تھیں۔ اس نے طیب کی طرف دیکھا، وہ سیلفی لے کر اب ماں کو بھیج رہا تھا اور وہ سوچ رہی تھی۔ دل کی آواز پر کان دھر لینا چاہیے ورنہ..... اس ورنہ سے آگے اس سے سوچا نہ گیا تھا۔

Digitized by Google

قسط نمبر 7

آشنائی

عشنا کوثر سردار

پھر سن رہا ہوں گزرے زمانے کی چاپ کو
بھولا ہوا تھا دیر سے میں اپنے آپ کو
رہتے ہیں کچھ ملول سے چہرے پڑوس میں
اتنا نہ تیز کیجیے ڈھولک کی تھاپ کو

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

تاج بیگم بیٹے کے فیصلے سے انتہائی دلبرداشتہ ہوجاتی ہیں اور خود کو الگ تھلگ کمرے میں مقید کرلیتی ہیں وہ کھانے پینے سے بھی انکاری ہوجاتی ہیں۔ ناظم الدین ماں کو سمجھانے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں اور ایک مجبور باپ کی کیفیت ان کے سامنے بیان کرتے ہیں لیکن وہ انا کا پرچم بلند کیے کسی کی بات کو اہمیت دینے پر آمادہ نظر نہیں آتیں۔ نواب زمان الحق ان سے ملنے کی خاطر آتے ہیں اور انہیں منانے کی سعی کرتے ہیں لیکن وہ سخت غصے میں انہیں بھی وہاں سے جانے کا کہتی ہیں سخاوت بیگم ان کے سامنے بے حد شرمندگی محسوس کررہی ہوتی ہیں۔ نواب وقار الحق جنت سے اپنی محبت کا اعتراف کرلیتے ہیں اور یہ بات سن کر فاطمہ شاکڈ رہ جاتی ہے۔ اسی لیے وہ اپنے رشتے کو بھی سب پر ظاہر کرنا نہیں چاہتے تاکہ جنت کی دل آزاری نہ ہو اور اس طرح فاطمہ کے دکھوں میں مزید اضافہ ہوجاتا ہے لیکن نواب صاحب کو ان کے دل تک بالکل رسائی نہیں ہوتی۔ رجت سنگھ حویلی کی نوکری ترک کرکے چھوٹے نواب سے نوکری کی درخواست کرتا ہے جبکہ وہ اس کے انداز پر ٹھٹک جاتے ہیں آخر کار فاطمہ کو درس گاہ لانے لے جانے کی ذمہ داری رجت سنگھ کو سونپ دی جاتی ہیں اور بطور ڈرائیور اسے رکھ لیتے ہیں۔ رجت سنگھ بھی اس نوکری سے بے حد خوش ہوتا ہے فاطمہ کا دکھ اسے بھی مضطرب کیے رکھتا ہے اور وہ فاطمہ کے لیے سچے دل سے دعا گو رہتا ہے کہ اس کی زندگی خوشیوں سے بھر جائے۔ توقیر صاحب کی اہلیہ رشتے سے انکار پر شدید برہم ہوتی ہیں اور جب ریحان میاں کو بھی اس بات کی خبر ملتی ہے تو وہ بھی بھڑک اٹھتے ہیں اور فاطمہ سے بدلہ لینے کی خاطر ہر اچھے برے کو نظر انداز کردینے کا عزم کرتے ہیں۔ نواب زمان الحق اپنے دوست انوار الحق سے ملتے ہیں تو وہ جلد جنت کے رشتہ طے کرنے کی بات کرتے ہیں لیکن نواب صاحب کے لیے اس موضوع پر بات کرنا بے حد مشکل ہوتا ہے جب ہی وہ خاموشی سے چلے آتے ہیں۔ نواب صاحب چھوٹے نواب کے ولیمہ کی تقریب کرنا چاہتے ہیں تاکہ سب کو فاطمہ اور چھوٹے نواب کے نکاح کا علم ہوسکے چھوٹے نواب بادل نخواستہ رضامندی دے دیتے ہیں۔ کرم دین رجت سنگھ کے رویے کے بدلاؤ پر حیران ہوتا ہے وہ اپنے اندر کے اضطراب سے خود بھی بے قرار ہوتا ہے ایسے میں کرم دین اسے مسلمان ہونے اور کلمہ پڑھنے کا کہتا ہے جس پر رجت سنگھ نا سمجھی میں انہیں دیکھتا رہ جاتا ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

Digitized by Google

یہ کون سا نقطہ تھا جس کی تلاش میں وہ دیوانہ ہو رہا تھا' کیا جستجو تھی اسے' کس بات کی تمنا تھی کرم دین سمجھ نہ پایا تھا یہ سودائی عجیب تھا۔

رجت سنگھ پُر اعتمادی سے چلتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا کرم دین اس کے قدموں کی مضبوطی سے اس کے ارادوں کو بھانپ گیا تھا۔

فاطمہ راہداری سے گزر رہی تھی جب سامنے سے وقار آتے دکھائی دیے تھے وہ اپنے ہی دھیان میں چل رہی تھی جب وقار پر نگاہ پڑی تو وہ قریب آ چکا تھا وہ راہ بدلنے کی کوشش کر چکی ہوتی اگر نظر پہلے پڑ جاتی مگر اسی اثنا میں وہ قریب آ چکا تھا اور اس سے قبل کہ وہ پلٹتی..... وقار نے ہاتھ تھام لیا اور فاطمہ حیرت زدہ سی انہیں دیکھنے لگی تھی وقار جانتا تھا کہ اس روز کے واقعے کے باعث یہ کشیدگی در آئی تھی مگر وہ فوری طور پر کچھ بولے نہ تھے۔

"ہم آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔" دھیمے لہجے میں مدعا بیان کیا تو فاطمہ نے نظریں پھیرتے ہوئے سر نفی میں ہلا دیا۔

"ہم کوئی بات بھی کرنا نہیں چاہتے۔" فاطمہ نے قطعی لہجے میں انکار کیا۔ وقار اس انداز پر دیکھ کر رہ گئے پھر جانے کا کیا ہوا تھا کہ ایک لمحے میں جھٹکے سے کھینچ کر فاطمہ کو قریب کیا اور اس کے اطراف بازوؤں کا گھیرا تنگ کرتے ہوئے مضبوط لہجے میں گویا ہوئے۔

"ہم صلح کے راستے ہموار کرنے کے خواہاں ہیں سمجھنے کی ضرورت آپ کو ہے فاطمہ؟" وہ چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے جتاتے ہوئے انداز میں بولے۔ فاطمہ نے اس قدر قریب ہونے کے باوجود ان کی سمت دیکھنے سے مکمل گریز کیا اگرچہ اس قربت پر ان کا حق تھا مگر وہ جس طرح کے حالات سے گزر رہی تھیں ایسے حق پر کوئی معرکہ آرائی کرنا نہیں چاہتی تھیں وہ پوری طرح دست بردار ہوتی دکھائی دے رہی تھیں سوان کے قریب آ جانے پر بھی کوئی ہلچل وجود کے اندر محسوس نہ ہوئی نہ ہی دل کی دھڑکنوں میں کوئی طلاطم بپا ہوا کوئی احساس جیسے رگ و پے میں جاگا ہی نہ تھا وہ آنکھیں وقار کی سمت اٹھی ضرور تھیں مگر ان آنکھوں میں بہت ویرانی تھی اور

HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com
Digitized by Google

وقار اس کیفیت پر ساکت رہ گئے تھے۔

"ویرانیوں میں گھر آباد نہیں ہوتے وقار الحق، آپ کوئی راہیں تلاش لینے کا مکمل حق ہے۔" وہ سرد لہجے میں گویا ہوئی تو وقار کو یہ بات جانے کیوں اپنی عزت نفس پر کسی تازیانے کی طرح لگی۔

"آپ اس طرح بات کیسے کرسکتی ہیں فاطمہ بی بی..... آپ ہمارے نکاح میں ہیں اور ہم مکمل اختیار رکھتے ہیں آپ پر۔" وہ جیسے جتاتے ہوئے اپنی انا کو تسکین دے رہے تھے مگر فاطمہ تلخی سے مسکرادیں۔

"فقط پرچم لگادینے سے علاقے مفتوح نہیں ہوجاتے نواب زادہ وقار الحق، روح فتح کرنے کے لیے دلوں کو فتح کرنا ضروری ہوا کرتا ہے۔" فاطمہ ان کو باور کراتی ہوئی اپنا وجود ان کی گرفت سے نکال کر دو قدم پیچھے ہٹی اور بغور ان کی سمت تکتے ہوئے بولیں۔

"محبت کے بنا کسی فتح کا کوئی وجود نہیں وقار الحق، محبت کے بنا کوئی حکومت رائج نہیں ہوسکتی۔ آپ اس تجربے سے گزرنا چاہتے ہیں تو بصد شوق گزریے مگر اس میں کامرانی مقدر نہیں بنے گی، ہمیں افسوس ہے نواب زادہ ہم آپ کو کوئی امید دلا نہیں سکیں گے مگر بہرکیف محبت اسی طور بسر ہوتی ہے اور اس کے سوا کوئی متبادل راہ نہیں ہے کیونکہ محبت کی کوئی متبادل راہ نہیں ہوتی محبت ہوتی ہے یا پھر نہیں ہوتی، آپ تو محبت سے گزر رہے ہیں خوب جانتے ہوں گے کہ کیا ممکن ہے اور کیا ناممکن؟" فاطمہ نے پُر اعتمادی سے جتایا، ان کی خود اعتمادی دیکھنے لائق تھی اور وقار الحق کے چہرے کی تاریکی صاف دکھائی دی تھی مگر فاطمہ ایسی بے حس ہوچکی تھیں کہ انہیں جیسے اس سے کوئی واسطہ نہ ہو، وہ پلٹ کر وہاں سے نکلتی چلی گئیں نواب زادہ وقار الحق اس صورت حال پر ششدر سے فاطمہ کو دیکھتے رہ گئے تھے۔

☯.....□.....☯

ناظم الدین کھانے کے دسترخوان پر آئے تو اشتہا انگیز خوشبوؤں نے استقبال کیا۔ میز کی سربراہی نشست پر اماں جان براجمان تھیں مگر وہ ناظم الدین کی آمد سے لاتعلق رہیں جیسے انہوں نے ان کی جانب سرے سے دیکھا ہی نہ ہو، ناظم الدین کا دل اس رویے پر کٹ کر رہ گیا مگر انہوں نے اماں جان کو آداب کرنا ضروری خیال کیا، چاہے اس کا کوئی جواب آئے یا نہیں، سخاوت بیگم جو ماں بیٹے میں ثالث کا کردار ادا کررہی تھیں اس کیفیت کو سمجھتے ہوئے مسکرا کر گویا ہوئیں۔

"آج کا کھانا بوجھیے تو کس نے پکایا؟" ناظم الدین اشتہا انگیز خوشبوؤں سے جان گئے تھے تب ہی نرمی سے بولے۔

"یہ طعام اماں جان کے علاوہ اور کون بنا سکتا ہے سخاوت بیگم..... ایسے لذیذ پکوان جو میلوں تک اپنی خوشبوؤں سے خود کو متعارف کرائیں فقط اماں جان کا ہی خاصہ ہوا کرتے ہیں۔" ناظم الدین نے اماں جان کی جانب عقیدت سے دیکھتے ہوئے کہا، سخاوت بیگم کھانا نکالنے لگیں اماں جان کوئی تاثر دیے بنا کھانا کھانے میں مصروف ہوگئی تھیں۔

"ہم سب سے پہلے یہ سویاں چکھنا چاہیں گے سخاوت بیگم..... اماں جان کے ہاتھ کی سویوں سے ہمارے بچپن کی کئی یادیں وابستہ ہیں ایک بار ہم نے اماں سے سویاں بنانے کی فرمائش کی اور پھر کھیل میں مشغول ہوکر ہم یکسر بھول گئے جب گھر لوٹے تو اماں جان ایسی برہم ہوئیں مگر انہوں نے ہماری پٹائی نہیں کی فقط دو دن تک ہم سے بات چیت مکمل بند رکھی اور ہم اپنی ماں کی اس چپ پر زار و قطار روئے کان پکڑ کر اماں جان سے معافی طلب کی، تب چونکہ ہم ناسمجھ تھے سو اس لیے اماں جان کی ناراضگی ایسی بھرپور نہ تھی مگر بالغ ہوکر سمجھ آیا کہ کچی عمر کی خطائیں جس قدر قابل معافی ہوتی ہیں پکی عمر کی نہیں۔" ناظم صاحب مدہم لہجے میں کہتے بہت افسردہ دکھائی دیے، اماں جان نے لمحہ بھر کو کھانے سے ہاتھ روکا مگر متوجہ تب بھی نہ ہوئیں سخاوت بیگم نے اماں جان کی طرف دیکھا تھا۔

"ناظم الدین صاحب ناسمجھی کی خطائیں قابل معافی اس لیے بھی ہوتی ہیں کہ وہ دل اس درجہ نہیں دکھاتیں مگر جب کوئی سمجھ بوجھ رکھتے ہوئے دل دکھاتا ہے تو زیادہ دکھ ہوتا ہے۔" سخاوت بیگم مدہم لہجے میں بولیں، اماں جان نے کوئی توجہ نہ دی اور کھانا ختم

Digitized by Google

کر کے اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئیں' ناظم صاحب کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی تھی سخاوت بیگم نے تسلی دینے کو ان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔

''اتنا بہت ہے کہ اماں جان ہم سب کے ساتھ بیٹھ کر طعام کرنے کے لیے رضامند ہوگئی ہیں۔ آپ حالات کو دیکھتے ہوئے رشتوں کو اپنی راہ ہموار کرنے کا وقت دیں۔'' سخاوت بیگم نے مدبر لہجے میں کہا مگر ناظم الدین ماں کی بے اعتنائی پر ایسے غمزدہ دکھائی دیے کہ دسترخوان سے اٹھ کر چل دیے' سخاوت بیگم دیکھتی ہی رہ گئی تھیں۔

○.....□.....○

آنسو آنکھوں سے بہہ رہے تھے جب فاطمہ کی نگاہ نے سامنے لگے آئینے میں اپنا عکس دیکھا..... چند لمحوں تک نگاہیں اپنے عکس کو خاموشی سے تکتی رہیں پھر جانے کیا ہوا کہ آنکھیں برگزدیں۔

''ہم ایسے کمزور نہیں پڑ سکتے..... ہم ایسے ناتواں نہیں کہ اپنے آپ کو ان آنسوؤں کے ریلے میں بہا دیں۔ ہم ہمت ہارنے والوں میں سے نہیں ہیں' ناامید وہ لوگ ہوتے ہیں جن کی زندگی کا مقصد ختم ہو جاتا ہے' جن کو زندگی گزارنے کا کوئی سبب دکھائی نہیں دیتا' ہم تو ایک مقصد رکھتے ہیں' ہم اس سب کو نظر انداز کیسے کر سکتے ہیں۔ نجی زندگی کی ناکامی ہمارے حوصلوں کو پسپا نہیں کر سکتی' ہم جو مقصد لے کر چلے تھے وہ ان معاملات سے کہیں بڑھ کر تھا پھر ہم ان معاملات میں الجھ کر خود کو ایسے بے وقعت کیوں کر جاننے لگے۔'' فاطمہ نے نئے سرے سے خود کو منظم کیا اور ایک نئی ہمت اپنے رگ و پے میں دوڑتی محسوس کی تھی۔

''زندگی میں ہم ہر مقام پر فاتح نہیں ٹھہر سکتے..... شاید یہ فتح ہمارے لیے نہیں ہے' ہم اپنی نجی زندگی کو ایک طرف رکھتے ہوئے خود کو یکسر نظر انداز کر دیں گے۔ ہم سوچیں گے تو صرف اپنی قوم کے متعلق جس طرح ہمارے رہنماؤں نے خود کی ذات کو نظر انداز کر کے صرف اپنی قوم کے بارے میں سوچا۔ ہم بھی وطن بنانے کی جدوجہد میں خود کو بھلا دیں گے۔'' ایک عزم سے فاطمہ نے سوچا اور خود کو نئی ہمت دلائی' وہ خود کو نئے حوصلوں سے روشناس کرانے میں کامیاب رہی تھیں۔ اپنی ذات کی نفی کرنا اگرچہ آسان نہیں ہوتا مگر فاطمہ نے ٹھان لی تھی کہ وہ اپنی نجی زندگی کی ناکامیوں پر کبھی خود ترسی میں مبتلا نہیں ہوں گی جب ہی اس شام جب وہ وقار الحق کے ہمراہ بیٹھیں قہوہ سے لطف اندوز ہو رہی تھیں تو انہوں نے خود اعتمادی سے کہا۔

''معذرت چاہتے ہیں' ہم نے ایسا رویہ روا رکھا مگر وہ ایک وقتی کیفیت سے زیادہ کچھ نہ تھا۔ ایسا انتشار اندر برپا ہونا کوئی عجب بات نہیں' ہماری کم فہمی اور ناسمجھی کی دلیل سمجھ لیجیے' ہم شرمندہ ہیں آپ کو اجازت ہے آپ اپنے ارمانوں کی زندگی جس طرح جینا چاہیں جی سکتے ہیں' ہم آپ کے راہ کی رکاوٹ نہ بنیں گے مگر شرط بس یہ ہوگی کہ آپ ہمیں اپنی زندگی سے خارج نہیں کریں گے اور ہماری زندگی کو اپنے معاملات سے اثر انداز نہیں ہونے دیں گے۔'' لاتعلق لہجہ اس بات کا غماز تھا کہ رشتے میں دراڑ آ چکی ہے۔ گویا وہ اپنے اس رشتے سے دستبردار ہو رہی تھیں۔ وقار الحق نے خاموشی سے انہیں دیکھا پھر جانے کیا سوچ کر ان کا ہاتھ تھام کر ان کو بٹھایا اور مدبر لہجے میں گویا ہوئے۔

''ہمیں علم ہے کہ ہمیں کیا کرنا ہے فاطمہ' ہم اپنے معاملات کی خبرداری رکھنا جانتے ہیں اس کے لیے اگر مشاورت درکار ہوئی تو آپ سے ضرور رجوع کریں گے۔ دوسری بات ہم اور آپ جس رشتے کے پابند ہو چکے ہیں اس سے انکار ممکن نہیں' ہم اس رشتے سے دستبردار ہونے کو کبھی تیار نہ ہوں گے یہ نواب خاندان کی روایت نہیں' آپ ہماری بیگم ہیں اور بیگم کا مرتبہ اور عزت ہمیشہ آپ کے پاس رہے گا' ہم اپنے حقوق کی ادائیگی میں کوئی غفلت نہ برتیں گے نہ اپنے فرائض سے کوتاہی کے مرتکب ہوں گے آپ ان سب باتوں کو از سر نو زیر غور لائیے' جو حقوق واجب الادا ہیں وہ ہر صورت ادا ہوں گے۔'' انہوں نے مضبوط لہجے میں کہا تو فاطمہ نے ان کی طرف دیکھنے کی غرض سے نگاہ اٹھائی اور نگاہ جھکتی چلی گئی' فطری احساس کے تحت عارض سرخ ہوئے تھے۔ جب وہ یک دم اٹھ کھڑی ہوئی اور سرعت سے وہاں سے نکل آئی' کمرے میں آ کر کئی لمحوں تک وہ اپنی کیفیت کو سنبھالنے میں لگی رہی تھیں۔

Digitized by Google

''ہم ان سے اس قدر الجھ کیوں رہے ہیں' اس کا سبب کیا ہے؟ یہ محض ہمارا رشتہ ہے یا اس سے بڑھ کر بھی کچھ اور ہے؟'' انہوں نے دل ہی دل میں خود سے پوچھا مگر جواب میں دھڑکنوں کے شور کے علاوہ کوئی واضح جواب سنائی نہیں دیا تھا۔

☯.....□.....☯

فاطمہ موٹر کار کا دروازہ کھول کر بیٹھی تو رجت سنگھ نے عقبی آئینے میں انہیں ایک نگاہ دیکھا' سیاہ چادر میں اپنا وجود اور چہرہ چھپائے وہ پُراعتماد دکھائی دی تھیں' رجت نے موٹر کار اسٹارٹ کرتے ہوئے روزمرہ کے معمول کے مطابق کالج کی راہ لی جب فاطمہ نے کہا۔

''ہمیں کالج نہیں جانا آپ موٹر کار رخ تاج محل کی طرف موڑ دیجیے۔'' فاطمہ کے کہنے پر رجت نے سر ہلاتے ہوئے موٹر کار رخ تاج محل کی طرف کر دیا تھا۔

''کرمدین چاچا سے ملاقات ہوئی تھی کل شب' خبر ہوئی ناظم الدین صاحب لکھنو روانہ ہوئے ہیں۔'' فاطمہ چونکیں۔

''ابا جان لکھنو گئے ہیں..... خیریت؟'' ان کا انداز خود کلامی کا سا تھا رجت سنگھ نے عقبی آئینے سے انہیں دیکھا۔

''یہ تو خبر نہیں بی بی صاحبہ مگر سنا ہے کہ کسی ضروری امور سے روانہ ہوئے ہیں۔'' رجت سنگھ نے کہا تو وہ خاموشی سادھ گئی' جب سے نکاح ہوا تھا وہ ایک بار بھی میکے نہ آئی تھیں اب ایک عجیب سا احساس بھی تھا کہ جانے دادی جان کیسا رویہ اختیار رکھیں جس طرح یہ نکاح وقوع پذیر ہوا تھا اس کے متعلق وہ آگاہ تھیں دادی جان کی خفگی اور غصے سے بھی وہ خوب واقف تھیں۔ ان کا مزاج جس طور برہم تھا' ان کے غصے کا شکار ہونے والا ہی جانتا تھا وہ عتاب روح فرسا ہوتا' ابا جان کی غیر موجودگی میں وہاں جانا گویا اپنی شامت کو آواز دینا تھا مگر وہ تاج محل کے قریب تھیں اور اب موٹر کار کا رخ مڑوانا مناسب نہ لگا وہ نہیں چاہتی تھیں کہ کوئی بدمزگی مزید ہو مگر اس طرح گھر کے قریب آ کر پلٹ جانا بھی مناسب نہ تھا سو وہ چپ سی بیٹھی رہیں' جب تک موٹر کار تاج محل کے سامنے رک گئی اور ان کے لیے اترنا ناگزیر ہو گیا تھا مگر کسی بھی ممکنہ صورت حال کے پیش نظر فاطمہ نے رجت سنگھ کو دیکھا۔

''آپ یہیں باہر موجود رہیے اور ہمارا انتظار کیجیے۔'' فاطمہ کہہ کر گھر کے دربان کے تعظیم بھرے سلام کا جواب دیتی محل کے داخلی دروازے سے اندر داخل ہو گئیں دھڑکنوں میں جو زیر و بم تھا وہ کس باعث تھا وہ جانتی تھیں۔ ٹانگیں کپکپا رہی تھیں' قدم جیسے راستوں پر چلنے کی سکت نہ رکھتے تھے۔ راہداری کے اختتام پر رک کر اس نے اماں جان کے کمرے کا رخ کیا مگر اس سے قبل کہ وہ دستک دیتی سخاوت بیگم نے ان کو متوجہ کر لیا۔

''فاطمہ آپ.....! آنے سے قبل کوئی اطلاع بھی نہ دی؟'' وہ مسکراتے ہوئے بیٹی کو ساتھ لگا کر پیار کرنے لگیں، فاطمہ نے ہلکی سی رسمی مسکراہٹ سے ان کی طرف دیکھا۔ سخاوت بیگم اس کا ہاتھ تھام کر فوراً اپنے کمرے کی طرف چل دیں' فاطمہ نے سر اثبات میں دادی جان کے کمرے کی طرف اشارہ کیا۔

''امی جان..... وہ دادی جان۔'' سخاوت بیگم نے بیٹی کے کہنے پر صرف سر ہلایا اور فاطمہ کو اپنے کمرے میں لا کر بٹھاتے ہوئے اس کا چہرہ محبت سے تھام کر پیشانی کو بوسا دیا۔

''میری بچی حالات کی نزاکت کو سمجھنا ضروری ہے آپ اپنی دادی جان سے ملاقات کا شرف حاصل کر سکتی ہیں مگر فی الحال آپ کے ابا جان گھر پر نہیں اور ان کی غیر موجودگی میں اماں جان سے ملاقات مناسب نہ ہوگی' آپ سمجھ رہی ہیں ناں فاطمہ وقار الحق؟'' امی جان نے اسے باور کرایا کہ وہ کن حالات میں اس گھر سے سسرال روانہ ہوئی تھیں۔ فاطمہ ان کی بات کا مطلب سمجھ گئیں مگر سسرال سے پہلی بار میکے آنا اور دادی جان سے ملے بغیر چلے جانا بھی یقیناً بڑی بے ادبی ہوتی اس لیے اس نے اماں جان کے کمرے کا رخ اختیار کیا تھا وہ محل کے تقاضوں سے باخبر تھیں۔ اماں جان اس گھر کی اہم ترین فرد اور سربراہ تھیں وہ اس گھر میں آ کر ایسی بے ادبی کی مرتکب نہیں ہو سکتی تھیں اسی باعث وہ دادی جان سے ملنا ضرور تصور کر رہی تھیں مگر سخاوت بیگم کا خدشہ بھی جائز تھا کہ وہ بھی ساس کے مزاج سے واقف تھیں۔

Digitized by Google

"آپ کے ابا جان کی غیر موجودگی میں اماں جان کے غصہ کو آواز دینا یقیناً کڑا تجربہ ہوگا آپ کو حکم دوں گی کہ یہیں سے واپس پلٹ جایئے، اس سے قبل کہ گھر کے ملازمین کو آپ کی آمد کا علم ہو اور کسی کے توسط سے اماں جان کو خبر ہو جائے..... آپ کا لوٹ جانا مناسب ہوگا۔" سخاوت بیگم جلدی سے بیٹی کا ہاتھ تھام کر کمرے سے باہر نکلیں، دھر اُدھر دیکھ کر تسلی کی اور پھر قدم تیزی سے آگے بڑھانے لگیں فاطمہ ان کے ساتھ کھنچتی چلی آرہی تھیں۔ کسی بیٹی کا اپنے میکے میں ایسا خیر مقدم شاید پہلی بار ہوا ہوگا۔ فاطمہ کا سانس رکا ہوا تھا جب امی جان نے دہلیز سے باہر قدم نکالا تھا۔

"آپ اس وقت تک اس گھر میں قدم نہیں رکھیں گی جب تک آپ کے ہمراہ نواب زادہ وقار الحق اور آپ کے والد محترم گھر میں موجود نہ ہوں۔" اماں جان نے کہہ کر فاطمہ کو موٹر کار میں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ مودب کھڑے رجت سنگھ نے موٹر کار کا دروازہ کھول دیا تھا۔

فاطمہ نے ایک نگاہ ماں کی طرف دیکھا..... نگاہ ڈبڈبائی مگر وہ فوراً موٹر کار میں بیٹھ گئیں۔ رجت نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہوئے فوراً گاڑی آگے بڑھادی تھی۔ فاطمہ چہرے کا رخ پھیر کر آنکھوں کی نمی کو اپنے اندر اتارنے لگی تھیں۔ رجت سنگھ نے عقبی آئینے میں سب کچھ دیکھا مگر وہ کچھ پوچھنے کی جسارت نہیں کر سکتا تھا۔

"پرندے بہت دقتوں سے گھونسہ بناتے ہیں اور وہ گھونسلہ گھر بنتا ہے جب چھوٹے چھوٹے بچے دنیا میں آنکھ کھولتے ہیں اس چھوٹے سے گھونسلے میں رونق سی ہو جاتی ہے مگر وہی بچے جب گھونسلے سے پرواز کر جاتے ہیں تو پھر گھونسلے میں سناٹا بھی چھا جاتا ہے اور وہ سناٹا بہت بھیانک ہوتا ہے ایسا روح فرسا کہ سارا وجود اس خاموشی کو سنتا ہے۔" سخاوت بیگم بہت افسردہ دکھائی دے رہی تھیں ناظم الدین صاحب ان کو دیکھ کر رہ گئے۔

"ہم اماں جان کے خوف میں کب تک اپنی خواہشوں کا گلہ گھونٹتے رہے ہیں گے یعنی اگر آپ گھر میں نہیں تو اس گھر پر ہمارا کوئی حق ہی نہیں' کیسے اس بچی کا ہاتھ پکڑ کر دہلیز پار چھوڑ آئے' ندامت اب تک دامن گیر ہے' ایسے چھوٹے اقدام پر خود کو اب تک کوس رہے ہیں ہم۔ ہماری فاطمہ نکاح کے بعد پہلی بار اس گھر میں آئی اور ہم نے اماں جان کے خوف سے انہیں پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ پینے دیا' چلتا کر دیا جیسا ہم نے کیا ویسا تو کوئی دشمن بھی نہیں کرتا ہوگا۔" سخاوت بیگم بہت غمگین دکھائی دے رہی تھیں۔

ان کے آنسو جھرنے کی مانند آنکھوں سے بہہ رہے تھے جنہیں وہ اپنے دوپٹے میں گاہے بگاہے سمیٹ رہی تھیں۔ سفید ساٹن کے غرارے کے ساتھ فیروزی کریپ کا دوپٹا وہ ایک نفیس خاتون تھیں پہناوے کا خاص دھیان رکھتی تھیں۔ اماں جان سے ایک بات سیکھی تھی موقع کوئی بھی ہو پہناوے میں نفاست اور وقار برقرار رکھو۔ سادگی میں بھی ایک خاص وصف دکھائی دینا چاہیے۔ اماں جان نے کئی اوصاف کی طرح یہ وصف بھی بہو میں خوب منتقل کی تھی۔

"دیکھیے سخاوت بیگم..... ہم اماں جان کے خلاف جا کر پہلے ہی خاصے شرمندہ ہیں' ہم آپ کا دکھ سمجھتے ہیں مگر اس معاملے میں ہم خاموش ہی رہیں تو بہتر ہوگا۔ فاطمہ ہماری بھی بیٹی ہیں ان کے ساتھ اس طرح روا رکھے جانے والے رویہ کا ہمیں بھی اندازہ ہے اور افسوس بھی ہے مگر ہم بے بس ہیں۔" ناظم الدین شرمندہ دکھائی دیے۔

"اگر فاطمہ بیٹی آنے سے قبل مطلع کر کے آتیں تو ہم لکھنو جانے کا منصوبہ بعد کے لیے اٹھا رکھتے مگر ہم آگاہ نہیں تھے۔ اگر آپ فاطمہ بیٹی کو روک لیتیں تو ایک نیا تنازع جنم لیتا اماں جان کے عتاب کا نشانہ ایک بار پھر فاطمہ بنتی اور یہ کسی بھی طور مناسب نہ ہوتا بہر حال اس بات کی امید ضروری ہے کہ اماں جان کے کانوں تک فاطمہ کی آمد کی خبر نہ پہنچے سو آپ بھی آنسو پونچھ لیجیے فاطمہ اپنے گھر کی ہوئی اور ان کا بر ہر لحاظ سے ایک معقول انسان ہے ہمیں اس بات پر شکرانہ ادا کرنا چاہیے۔" ناظم صاحب سمجھداری سے گویا تھے۔

"آنسو پونچھ لیجیے سخاوت بیگم آپ روتی ہوئی اچھی نہیں لگتیں۔" ناظم صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا اور سخاوت بیگم بھیگی

Digitized by Google

آنکھوں سے ناظم صاحب کو دیکھ کر رہ گئی تھیں۔

"مارچ کے مہینے میں لاہور میں ایک بڑی قرارداد منظور ہونے جارہی ہے ہم چاہتے ہیں کہ اس موقع پر آپ مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کریں اور آزادی کی جدوجہد میں حصہ لیں۔" نواب صاحب نے کہا تو خاموش بیٹھی فاطمہ نے سر ہلادیا۔

"37-1936 کی کانگریس کی کامیابی نے ثابت کردیا ہے کہ وہ مسلمانوں کے نمائندہ نہیں ہیں اور اقتدار پر فقط قابض ہونا چاہتے ہیں سو اب مسلمانوں کی جدوجہد مزید تیز ہونے لگی ہے ہم نے جان لیا ہے کہ اگر الگ وطن حاصل کرنا ہے تو اس کے لیے ہمیں خود اپنی اپنا نمائندہ بننا ہوگا۔ ہندو ہمارے نمائندہ قطعاً نہیں ہوسکتے یہ فقط 1906 سے جوں کا توں اسی طور اپنی دلالت کررہا ہے تب ہی 1937ء کے لکھنو سیشن کے بعد مسلم لیگ نے اپنی راہ متعین کی ورنہ ہم کانگریس پر ہی تکیہ کیے بیٹھے رہتے کانگریس نے جس طرح مسٹر جناح اور مسلم لیگ کو نظر انداز کیا ہے وہ ہندوؤں کی منفی سوچ کا عکاس ہے اور مسلمانوں کی آنکھیں کھولنے کے لیے کافی ہے کہ اب ہم ہندوؤں پر انحصار نہیں کرسکتے۔" نواب صاحب نے تفصیل سے سمجھایا اور فاطمہ نے سر ہلا کر تائید بھی کی۔

"ابا حضور ہم بھرپور شرکت اس جدوجہد آزادی میں کریں گے ان شاء اللہ ہم ایک الگ وطن لے کر رہیں گے جس میں مسلمانوں کی نمائندگی بھرپور انداز میں ہوتی دکھائی دے گی ہندوؤں کی ذہنیت اول دن جیسی ہے وہ بظاہر خود کو ہمارے نمائندہ ثابت کرنے پر تلے ہیں مگر سارے فوائد ان کے حصے میں آنا اس بات کی قلعی صاف کھولتا ہے۔ بہرحال مسلم لیگ پہلے سے زیادہ منظم ہے۔ گئے برسوں کی باتیں ایک طرف رکھ کر ہمیں اس وقت کے حالات پر غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے۔ اب جب کچھ ہی دنوں میں قرارداد منظور ہونے جارہی ہے تو مثبت سوچوں کو اکٹھا کرکے جدوجہد کو مزید تیز کرنے کی ضرورت ہے تاکہ ہم اپنے مقاصد حاصل کرسکیں۔ فرنگی ہمارے مدعے کو سمجھنے سے قاصر تھے کیونکہ ہم خود صورت حال کو سمجھنے میں دقت محسوس کررہے تھے یہ ایک بھیانک کھیل تھا جو کھل کر سامنے آگیا تب ہی تو سندھ، سرحد، مدراس اور مرکزی صوبوں کے مسلمانوں نے بھاری تعداد میں مسلم لیگ میں شامل ہوکر جماعت کو مضبوط کیا مسٹر جناح نے مسلم لیگ کو مزید منظم کیا ورنہ ہندوؤں نے تو اپنے طور پر سمجھ لیا تھا کہ "جناح کا خاتمہ ہوگیا ہے" اور قبول کرلیا تھا کہ "مسٹر جناح کا کوئی کردار نہیں" یہ تجزیہ جلتی کا کام کرگیا۔ مسٹر نہرو کا اندازہ تھا کہ کانگریس اور فرنگی ہی دو جماعتیں ہیں اور باقی دوسروں کو ان ہی کے ساتھ اپنی راہ متعین کرلینی چاہیے مگر جناح صاحب نے صاف جتادیا کہ وہ کانگریس کی پالیسی سے متفق نہیں کے صوبائی الیکشن کے دوران مسلم لیگ ایک کمزور جماعت ثابت ہوئی مگر اس کے بعد مسلم لیگ نے اپنی کمزوریوں کو جان لیا اور حقیقت سے روشناس ہوکر اس مقام تک پہنچے کہ اب قرارداد پیش کرنے کا وقت آگیا ہے۔ ہماری دعا ہے کہ یہ قرارداد منظور ہوجائے اور مسلمانوں کی جدوجہد رنگ لائے ہمیں خوشی ہوگی کہ ہم بھی اس عظیم جدوجہد کا حصہ بنے۔" فاطمہ نے سرفخر سے بلند کرکے کہا تو نواب صاحب نے مسکراتے ہوئے ان کے سر پر دست شفقت رکھ دیا تھا۔

نواب زادہ وقار الحق نے شدید غصے سے دیوار پر ہاتھ مارا تھا۔ ان دنوں وہ شدید ذہنی دباؤ کا شکار تھے افراتفری میں اپنا رشتہ فاطمہ سے جڑ جانے کے باعث ان کا جنت بی بی کے ساتھ رشتہ الجھتا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ سمجھ نہیں پارہے تھے کہ کس طرح اس رشتے کو قبول کریں اور کس طرح جنت بی بی کو اس سب سے آگاہ کریں جو بھی تھا ایک بات تو واضح تھی کہ ان کی انسیت اپنی جگہ مگر وہ فاطمہ کو قبول نہیں کرپارہے تھے۔ اگرچہ انہیں فاطمہ سے ہمدردی ضرور تھی مگر یہ ہمدردی شدید ذہنی کوفت میں تبدیل ہوجاتی تھی جب انہیں اندازہ ہوتا تھا کہ وہ عمر بھر کے لیے ان کے اوپر مسلط کردی گئی ہیں تو ان کا رویہ بجائے ہمدردی کے مزید غضب ناک ہوجاتا تھا وہ کچھ ذہنی کشمکش میں تھے اگرچہ اپنے رویے پر شرمندہ بھی تھے مگر الجھنیں بڑھتی جارہی تھیں۔

"ہم جنت سے دستبردار نہیں ہوسکتے اور فاطمہ کی ذمہ داری سے بھی چوکنا نہیں چاہتے مگر ان دونوں معاملوں میں جو انتشار

Digitized by Google

ہمارے ذہن میں برپا ہوتا ہے ہم اس سے متعلق کوئی تذکرہ کھل کر نہیں کرسکتے نا فاطمہ سے کہ وہ ابھی نا سمجھ اور کم سن ہیں اور نہ جنت سے کہ وہ پڑھی لکھی باشعور دوشیزہ ہیں مگر محبت کے معاملات عقل کے دروازے بند کرنے کو کافی ہیں۔ فاطمہ کی نا سمجھی ہمارے لیے معاملہ فہمی کا ادراک کرنے سے قاصر دکھائی دیتی ہے اور جنت کی سمجھداری ان معاملات کو عقل و خرد ایک طرف دیکھنے کی قائل دکھائی دیتی ہے۔ جنت کی محبت جنونی ہے اور کچھ دیکھنا اور سننا نہیں چاہتی اور فاطمہ جیسے بھی ہماری زندگی میں داخل ہوئی مگر حق زوجیت رکھتی ہیں اور ان سے انحراف ممکن نہیں۔ ہم کسی کو کسی پر مسلط کرنا نہیں چاہتے مگر ہم کسی ایک سے دستبردار بھی نہیں ہو پا رہے۔ ہم جس دوراہے پر کھڑے ہیں اور دو راستوں میں بٹ گئے ہیں کسی راہ کو چنیں اور کس کو مسترد جیسے کچھ بھی ہمارے اختیار میں نہیں رہا۔"

نواب زادہ عجیب کشمکش میں گھرے ہوئے تھے مگر سمجھ کچھ نہ آ رہا تھا۔ فاطمہ قہوے کا پیالہ دینے آئیں تو نواب زادہ وقار الحق نے دانستہ انہیں روک لیا۔

"کسی شے کی ضرورت ہے آپ کو دیگر لوازمات ہم ملازمہ کے ہاتھ بھجوا دیتے ہیں۔" فاطمہ اٹھنے لگی تب ہی نواب زادہ وقار الحق نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے ان کا ہاتھ تھام کر دوبارہ بٹھالیا۔

"ہم اپنے لہجے اور سخت رویے کے لیے شرمندہ ہیں بخدا ہمارا ایسا ارادہ نہیں تھا مگر....." وہ الجھ کر خاموش ہو گئے۔ فاطمہ نے الجھ کر ان کی سمت بغور دیکھا شاید وہ انہیں سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی اور ان کی الجھنوں کو سلجھانا چاہتی تھی۔

"آپ پریشان ہیں؟" فاطمہ نے دریافت کیا۔ وقار خاموشی سے نگاہ پھیر گئے۔

"ہم جس صورت حال سے الجھ رہے ہیں آپ کو کیا بتائیں اور آپ کس قدر نہ سمجھ اور کم سن ہیں شاید آپ صورت حال کو سمجھنے کی کوشش بھی نہ کریں۔" وقار الحق نے ان کی سمجھ بوجھ کو کم جانا تھا۔

"اور آپ کو جنت بی بی سے عشق ہے۔" وہ جو خاموشی سے دیکھ رہی تھی یک دم گویا ہوئی وقار الحق نے چونک کر دیکھا۔

"کیا یہ عشق ایسا شدید ہے کہ آپ جی نہیں پا رہے یا آپ کی زندگی میں ہمارے آجانے سے آپ خود کو غیر محفوظ محسوس کرنے لگے ہیں کیا آپ کا دل اور عشق اس قدر خوف زدہ ہے۔" فاطمہ کے پوچھنے پر وہ خاموش رہے جبکہ فاطمہ ان کو بغور دیکھتی رہیں۔

"عشق مکمل کرنے کا ارادہ ہے؟" تب فاطمہ نے جواب چاہا۔

"ہم جانتے ہیں یہ سب آپ کے لیے تکلیف دہ ہے۔" وقار الحق نے مدہم لہجے میں کہا۔

"مگر سچائی تو یہی ہے ناں؟" وہ ان کی آنکھوں میں جھانکتی ہوئی بولیں اور جواب میں وقار جیسے چاروں شانے چت دکھائی دیے۔

"عشق کو مکمل کرنا آسان نہیں..... یہ آگ کا دریا ہے اور ڈوب کے جانا ہے عشق میں ڈوبنے والے کنارے پر مشکل سے ہی لگتے ہیں۔" وقار الحق نے کہا تو فاطمہ خاموش ہو گئیں ان کی گہری آنکھوں کی چمک جیسے ماند ہونے لگی تھی۔

"ایسا عشق مکمل نہ ہو تو ناسور بن جاتا ہے ناں؟" وہ نا چاہتے ہوئے بھی پوچھ گئیں وقار الحق فوری طور پر کچھ نہ بول سکے تب ہی وہ کسی نتیجے پر پہنچتے ہوئے گویا ہوئیں۔

"اس عشق کو مکمل کرنا ضروری ہے تو کر ڈالیے۔" وہ بنا کچھ سوچے سمجھے بولیں۔

"ہم نہیں جانتے۔" وقار نے گہری سانس خارج کی۔

"یہ آسان نہیں؟" فاطمہ نے پوچھا انہوں نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"کیا آپ ایسا کرنا نہیں چاہتے؟" وقار الحق خاموش رہے وہ خاموشی سے ان کی طرف دیکھنے لگیں اور تب ہی وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"اگر آپ کو عشق کی تکمیل ضروری لگتی ہے تو کہانی کو مکمل کر دیجیے اس سے زیادہ ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔" وہ کہہ کر پلٹیں جب وقار

Digitized by Google

نے انہیں پکارا۔

"فاطمہ....." وہ رک گئی مگر پلٹ کر نہ دیکھا۔

"کہانی کو مکمل کرنا ایسا آسان ہوتا تو ہم مکمل کر دیتے، ہم کسی کو تکلیف دے کر کوئی خوشی نہیں حاصل کر سکتے۔ وہ خوشی جو کسی اور کو درد دینے سے جائز نہیں ہوتی۔" وقار الحق کی بھاری آواز پر فاطمہ نے پلٹ کر دیکھا دونوں کی نگاہیں خاموشی سے ملیں اور پھر فاطمہ نگاہ بدل گئی تھیں۔

"دوسروں کے لیے قربانی دینے والے کبھی خوش نہیں رہتے۔" فاطمہ بی بی کو کم سن جاننے والے وقار الحق قدرے حیران رہ گئے فاطمہ نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"ہم نہیں چاہیں گے کہ آپ کسی ایسی قربانی سے گزریں، آپ کو حق ہے کہ آپ اپنی مرضی کی زندگی جئیں۔" فاطمہ نے مدعا بیان کیا اور وقار الحق کے لبوں پر بہت دھیمی سی مسکراہٹ پھیلی اور وہ آہستگی سے گویا ہوئے۔

"فاطمہ کاش یہ اس قدر آسان ہوتا مگر ہم خود غرض نہیں بن سکتے۔" مدہم لہجہ ٹوٹا بکھرتا سا تھا فاطمہ خاموش ہو کر بغور دیکھنے لگیں۔

"آپ ایسا نہیں کر سکیں گے۔" وہ وثوق سے بولیں، وقار الحق چونک کر رہ گئے تب ہی بولے تو ان کے لہجے میں بھرپور حیرت تھی۔

"آپ کو کیسے علم ہے کہ ایسا نہیں ہو سکے گا؟" فاطمہ مسکرا دی تھیں۔

"کیونکہ آپ ایسا ہونے نہیں دیں گے۔" وہ بھرپور اعتماد سے بولیں اور پلٹ کر وہاں سے نکل گئیں۔ وقار الحق شدید حیرت میں گھرے دیکھتے رہ گئے تھے۔

23 مارچ کو لاہور کے منٹو پارک میں آل انڈیا مسلم لیگ کے تین روزہ سالانہ اجلاس کے اختتام پر وہ تاریخی قرارداد منظور کر لی گئی تھی اور فاطمہ اس بات پر اس لیے بھی زیادہ خوش تھی کہ اس نے مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کر لی تھی اور اب وہ باقاعدہ مسلم لیگ کا حصہ تھی۔ 23 مارچ کی قرارداد کی صورت میں مسلمانوں کی کوششوں کو منظوری مل گئی تھی۔ برصغیر میں مسلمانوں کے لیے علیحدہ وطن کے حصول کے لیے جو تحریک شروع ہوئی تھی سات برس بعد اپنا مطالبہ منظور کرانے میں کامیاب رہی تھی۔ جہاں فاطمہ خوش تھیں وہیں انوار صاحب کا ٹیلی فون بھی آ گیا تھا اور وہ اپنے قریبی رفیق کو مبارک باد دے رہے تھے۔

"مبارک ہو جناب، مسلمانوں کی کوششیں رنگ لائیں۔" انوار صاحب نے کہا تو نواب صاحب مسکرا دیے تھے۔

"یہ تو ہونا ہی تھا میاں..... برصغیر میں برطانوی راج کی طرف سے اقتدار عوام کو سونپنے کے عمل کے پہلے مرحلے میں 1936ء 1937ء میں جو پہلے عام انتخابات ہوئے تھے ان میں مسلم لیگ کی بری طرح ہزیمت کے بعد یہ تو طے تھا کہ اب مسلمان حقیقت سے روشناس ہو چکے ہیں اور مزید دھوکہ نہیں کھائیں گے اس وقت اگرچہ ایک بھرم ٹوٹ گیا تھا اور مسلمانوں کے اس دعویٰ کو شدید دھچکا لگا تھا کہ وہ برصغیر کی واحد نمائندہ جماعت ہیں اس وقت اگرچہ مسلمانوں کے حوصلے ٹوٹ گئے تھے مگر اس کا مثبت پہلو یہ نکلا کہ پھر مسلمانوں کو منظم ہونے کا خیال آیا۔" نواب صاحب نے تجزیہ پیش کیا تو انوار صاحب دوسری طرف مسکرا دیے تھے۔

"اس وقت بستر پر ہوں اٹھ کر آ نہیں سکتا ورنہ دو بدو بیٹھ کر گفتگو ہوتی تو آپ کے خیالات سے مزید مستفید ہوتا۔ آپ سے براہ راست بات کرنے کا لطف ہی کچھ اور ہے۔ نواب صاحب آپ کی بات سے صد فی صد متفق ہوں کانگریس کو مدراس، یو پی، سی پی بہار اور اڑیسہ میں واضح اکثریت حاصل ہوئی تھی سرحد اور بمبئی میں اس نے دوسری جماعتوں کے ساتھ مل کر مخلوط حکومت تشکیل دی تھی اور سندھ اور آسام میں بھی جہاں مسلمان حاوی تھے کانگریس کو نمایاں کامیابی ملی تھی یہ بات مسلمانوں کے حوصلے توڑنے کو کافی تھی ہندوستان کے 11 صوبوں میں سے کسی ایک صوبہ میں بھی مسلم لیگ اقتدار حاصل نہ کر سکا۔ ان حالات میں واقعی ایسا محسوس

Digitized by Google

ہوتا تھا کہ مسلم لیگ برصغیر کے سیاسی دھارے سے الگ ہوتی جارہی ہے۔ کانگریس اس وقت اقتدار کے نشے میں سرشار تھی مگر درحقیقت یہی نقطۂ آغاز تھا مسلم لیگ کی قیادت میں دو وجد اقوام کے احساس کی بیداری کا۔" انوار صاحب جوش سے بولے۔

"درست فرمایا انوار صاحب..... جنگ عظیم دوم بہت کارگر رہی کیونکہ دوسری جنگ عظیم کی حمایت کے عوض اقتدار کی مکمل منتقلی کے مسئلے پر برطانوی راج اور کانگریس کے درمیان منافقہ نہ ہوتا تو کانگریس اقتدار سے کبھی الگ نہ ہوتی، یہ غیب کی مدد تھی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد فرمائی۔ کانگریس کے اقتدار سے الگ ہونے کے بعد مسلم لیگ کے لیے امید کے دروازے کھلتے دکھائی دیے اور اسی پس منظر میں لاہور کا تاریخی اجلاس بھی ہوا اگر وہ ہزیمت نہ سہنا پڑتی تو شاید یہ تاریخ ساز کامیابی بھی ہاتھ نہ لگتی۔" نواب صاحب نے کہا۔

"بجا فرمایا نواب صاحب اللہ کرے آگے بھی سب اچھا ہو..... ہم نے ایک کامیابی پائی ہے مگر مزید کامیابیوں کے تمنائی ہیں۔ آپ سے گفتگو کا لطف آجاتا ہے نواب صاحب پھر بھی ایک قلق سا ہے اگرچہ ٹیلی فون پر گفتگو کو آدھی ملاقات بھی کہا جاتا ہے مگر کم بخت نیت ہے کہ سیر نہیں ہوتی اور طبیعت ذرا سی بھی سنبھلی ہوتی تو آپ کے حضور حاضر ہوتا اور ہم ایک طویل نشست میں قہوے سے لطف اندوز ہوتے ہوئے گفتگو کا لطف لیتے۔" انوار صاحب نے کہا۔

"فکر مت کیجیے اللہ آپ کو شفائے کاملہ عطا فرمائے آپ جلد صحت یاب ہوں گے اور ہم دوبارہ چسکیوں کے ساتھ حالات حاضرہ پر بھرپور تجزیہ و تبصرہ کیا کریں گے جلد ہی ہم وقت نکال کر آپ کی طرف چکر لگائیں گے۔ معمولی باتوں کو دل پر مت لیا کریں۔" نواب صاحب مسکرائے۔

"بس دل پر بوجھ سا ہے نواب صاحب ایک بڑی ذمہ داری ہے وہ پوری ہوجاتی تو ہم بھی دل کڑا کیے ملک عدم سدھار جاتے مگر بیٹی کی ذمہ داری بہت بڑی ذمہ داری ہے آپ سمجھ رہے ہیں ناں نواب صاحب؟" انوار صاحب نے پوچھا تو نواب صاحب کی خاموشی بلاجواز نہ تھی وہ کسی قدر نادم دکھائی دیے اور الفاظ جیسے کہیں کھو گئے تھے۔

"ہم آپ سے ایک بات پوچھنا چاہتے تھے بی بی صاحب۔" موٹر کار چلاتے ہوئے رجت سنگھ نے کہا۔

"کہیے۔" کچھ سوچ کر فاطمہ نے اجازت دی۔

"روشنی کی تلاش کیسے ممکن ہے؟" رجت سنگھ کا سوال غیر متوقع تھا وہ ایسے عامل فاضل سوال کی توقع نہیں کررہی تھیں۔ اُن کے علم میں نہیں تھا کہ رجت سنگھ ایک پڑھا لکھا معقول شخص ہے تب ہی وہ چونکتے ہوئے بولیں۔

"اس سوال کی وجہ جان سکتے ہیں ہم؟" فاطمہ نے دریافت کیا۔

"علم نہیں بی بی صاحبہ مگر ہم اکثر اپنے اندر ایک غیب کی آواز سنتے ہیں جیسے کوئی آواز ہمیں بلا رہی ہو جھنجوڑ رہی ہو، بیدار کررہی ہو اور ہم گہری نیند سے جاگنے کی تمنا رکھتے ہوئے بھی اٹھ نہ پارہے، جیسے گہری غنودگی ہم پر طاری ہو۔" رجت سنگھ نے اپنی کیفیت بیان کی تو فاطمہ خاموشی سے اسے دیکھنے لگیں۔

"آپ کو اپنے اندر کی آواز کو سننا چاہیے رجت سنگھ ایسی پکار بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتی ہے۔" اس نے مدھم آواز میں کہا۔ رجت سنگھ نے عقبی آئینے میں ایک نگاہ فاطمہ بی بی کو دیکھا۔

"آپ جانتی ہیں روشنی کا حوالہ کیا معنی رکھتا ہے؟" رجت سنگھ نے پوچھا وہ لمحہ بھر کو خاموش رہیں پھر آہستگی سے کہا۔

"آپ خوش نصیب ہیں محترم روشنی آپ کی تلاش میں سرگرداں ہے اس سے زیادہ ہم کیا کہہ سکتے ہیں آپ اس روشنی کو ضرور تلاش کیجیے۔" فاطمہ نے کہا۔

"اور یہ روشنی کہاں ملتی ہے بی بی صاحبہ؟" وہ بے قراری سے پوچھنے لگا فاطمہ خاموش رہیں، موٹر کار کالج کے سامنے رکی تو فاطمہ

Digitized by Google

چپ چاپ اتر گئیں۔ رجت سنگھ نے ایک نگاہ ان پر ڈالی اور گاڑی آگے بڑھادی تھی۔

☉.....□.....☉

ریحان نے بوتل میں موجود آخری قطروں کو زبان پر ٹپکایا اور ہچکی لیتے ہوئے عزم سے کہا۔

"ہم زندگی میں ہر ناکامی کو بھول سکتے ہیں مگر اس ناکامی کو فراموش نہیں کر سکتے کہ قسمت نے ہمارے منہ کا نوالا چھین کر کسی اور کو دے ڈالا۔ ہم ہر لمحہ بے چین اور بے قرار رہتے ہیں اور یہ اضطرابی کیفیت تب ہی ختم ہوگی جب ہم اپنی اس توہین کا بدلہ لیں گے۔"

ریحان کا لہجہ پُرعزم تھا۔ بیگم تو قیر نے بیٹے کو گھورا۔

"ارے میاں آپ کسی قابل ہوتے تو ہم ایسی شکست سہتے ہی کیوں؟ آپ کی بدولت ہی تو منہ کی کھانا پڑی ہمیں ایسی بے عزتی ہوئی کہ بھولے نہیں بھولتی۔" ریحان بجائے شرمندہ ہونے کے ہنس دیے تھے۔

"اماں ہم آپ کو وہ کر دکھائیں گے کہ آپ ہم پر فخر کرنے لگیں گی۔" ریحان عزم سے بولا تو بیگم تو قیر نے ہاتھ کا ہتھوڑا ریحان کے کاندھے پر برسایا۔

"کم بخت اب اور ناک نہ کٹوا دیجئے گا جو رہی سہی عزت ہے اسے بھی رخصت کروانے کا ارادہ ہے کیا؟ اللہ کسی کو ایسی نالائق اولاد سے نہ نوازے ایسی اولاد کے ہوتے ہوئے کسی دشمنی کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔" بیگم تو قیر نے بیٹے کو کڑے تیوروں سے دیکھا مگر ریحان سُرور سے مسکرا رہے تھے۔

"کہیں تو ابھی اٹھا کر لے آؤں آپ کے قدموں کی باندی نہ بنا دیا تو نام بدل دیجئے گا..... اماں اللہ قسم اندر جو لاوا پک رہا ہے وہ کوئی طوفان ضرور لائے گا اور جب تک ہم اپنے عزائم پورے نہ کر لیں چین سے نہیں بیٹھیں گے۔" ریحان انتہائی پُرعزم دکھائی دیے تھے بیگم تو قیر نے تشکیکی نظروں سے انہیں گھورا۔

"ریحان اللہ کی قسم ہم آپ کو زندہ نہیں چھوڑیں گے اگر اب آپ نے ایسا کوئی قدم اٹھایا۔ جانے کن کرموں کی سزا ہیں آپ۔ ایسی اولاد کسی کام کی نہیں ہوتی جو ماں باپ کی حکم عدولی کرے۔ اگر آپ ایسے فرماں بردار اور نیک اولاد ہوتے تو ہمیں چاہیے ہی کیا تھا اور یہ سب اس لیے ہوا کیونکہ آپ ایک بگڑی ہوئی اولاد ہیں اور ایسی اولاد بددعا جیسی ہوتی ہے۔" بیگم تو قیر نے جلے دل سے کہا تو ریحان ہنس دیے تھے اور اٹھ کر لڑکھڑاتے ہوئے باہر نکل گئے تو بیگم تو قیر زار و قطار رونے لگی تھیں۔

☉.....□.....☉

"رہ رہ کر ایسا قلق گزرتا ہے کہ کلیجہ منہ کو آتا ہے ایسا اجل کا صدمہ پہنچا کر ہم سائے سے وحشت کرنے لگے۔ ایسی تو اصل تھی طبیعت میں کہ کسی کی پرواہ نہ کرتے تھے مگر اب کے آنکھوں پر ایسے غفلت کے پردے پڑے کہ عقل کی کوتاہی کا ادراک ہو گیا۔" تاک بیگم کی مدہم آواز ابھری اماں بی معاملہ فہم تھیں جانتی تھیں کہ بات نکلے گی تو دور تک جائے گی سو وہ بات کو وہیں ختم کرتے ہوئے بولیں۔

"تاج بیگم..... گھروں میں گھرانے ہوتے ہیں تمہارا گھر ہے اس کے افراد تمہارے اپنے ہیں چھوٹی بڑی غلطیاں معاف کرنا پڑتی ہیں۔ بڑے درگزر کرتے ہیں بڑوں کا دل بڑا ہوتا ہے آپ کسی کی خطائیں معاف کریں اللہ تعالیٰ آپ کی غلطیوں کو معاف فرمائے گا۔" اماں بی نے پتے کی بات کی تھی تاج بیگم خاموشی سے دیکھتی رہی تھیں۔

"تاج بیگم ان رنجشوں سے رشتوں کا حسن ماند ہو جاتا ہے جیسے گرہن چاند کے حسن کو گہنا دیتا ہے ایسے ہی فساد رشتوں کی مٹھاس اڑا کر رشتوں کو بھدا اور بدنما کر دیتا ہے یوں بھی سیانے کہتے ہیں بھینسے لڑے جھونڈوں کا نقصان۔" اماں بی نے نصیحت کی تو تاج بیگم مدہم لہجے میں بولیں۔

"ہم دراصل معاملات کے الجھاؤ پر حیران ہیں۔"

Digitized by Google

"ارے تاج بیگم آپ دانش مند خاتون ہیں ایسی معمولی باتوں پر کیا حیرت کرنا، رشتوں میں عجلت پسندی ٹھیک نہیں تعلقات کے فیصلوں کو وقت دینا چاہیے۔ چھری خربوزے پر گری یا خربوزہ چھری پر نقصان خربوزے کا ہی ہوگا۔ آپ کا دل ایک ماں کا دل ہے کیا آپ اولاد کو سزا دے کر خوش رہ پائیں گی سچ بتائیے کیا آپ کے دل میں اطمینان باقی رہا ہے؟" اماں بی کے پوچھنے پر تاج بیگم نے خاموشی سے دیکھا۔

"باطن سے عداوت رکھنا ٹھیک نہیں تاج بیگم۔"

"مگر ہم معاف نہیں کر سکتے۔" تاج بیگم سر نفی میں ہلانے لگیں تو اماں بی نے انہیں افسوس سے دیکھا۔

"بیٹا سخی سخاوت سے پھیلتا ہے عدو عداوت سے جلتا ہے اپنے آپ کو سرسبز گھنے پیڑ جیسا بناؤ جس کی چھاؤں میں ہر بشر سکون محسوس کرتا ہے اس پیڑ کو واسطہ نہیں ہوتا کہ کس کے دل میں بغض ہے اور کس کا دل صاف لڑائی جھگڑے رشتوں کو گھن کی طرح کھا جاتے ہیں۔" اماں بی نے سمجھایا مگر تاج بیگم خاموش رہیں، اماں بی نے گہری سانس لی اور گویا ہوئیں۔

"بیٹا تاج بیگم ہم آپ کو آج سے نہیں جانتے برسوں کی جان پہچان ہے۔ جس طرح آپ زندگی میں ثابت قدم رہیں اس سے انسان کے مثبت ہونے کا پتا چلتا ہے۔ ایک اکیلی جوان عورت بنا شوہر کے بچوں کو کیسے تن تنہا پالتی ہے ایسا آپ نے ثابت کیا۔ آپ ایک مضبوط عورت ہیں اور آپ کی دلیری کے متعلق ہر کوئی جانتا ہے آپ نے شوہر کی وفات کے بعد جس طرح خود کو مضبوطی سے کھڑا رکھا ایسا وصف بہت کم عورتوں میں ہوتا ہے کئی تو ہمت ہار کر اپنی ذمہ داریاں تک بھلا بیٹھتی ہیں۔ آج اگر اولاد اپنے فیصلے بہتر انداز میں کر سکتی ہے تو اس میں آپ کا ہی ہاتھ ہے آپ نے بچوں کو ایسی تربیت کی ورنہ وہ تو فاقوں سے ہی مر جاتے بنا باپ کے۔" اماں بی نے ان کی تربیت کے مثبت پہلو کو بہت سہولت سے اجاگر کیا تو تاج بیگم نے سر نفی میں ہلایا۔

"اولاد کے ہاتھوں اپنے وجود کو مسمار ہوتے دیکھنا کس قدر پُر ملال ہوتا ہے اس کا اندازہ ہوا ہے۔ ہمیں حیرت ہے کہ ناظم میاں جس کے متعلق ہم نے کبھی خواب میں بھی نہ سوچا تھا وہ ایسا کر گئے۔ ہم اولاد سے امید نہیں رکھتے اگرچہ ہم نے محنت کر کے ان کو پالا مگر ہم ایسا نہیں سمجھتے کہ ایسا کر کے کوئی احسان کر دیا ہمارا جو فرض تھا ہم نے پورا کیا اولاد کا ظرف ہوگا تو جواب میں اجر دے گی ورنہ ہم کوئی توقع نہیں باندھتے..... تو قیر میاں چھوڑ گئے اور وہ بڑے صاحب زادے ہم نے ملال نہیں کیا ملال کیوں کر کرتے ماں کا جو فرض تھا وہ پورا کیا کوئی احسان نہ کیا کہ وہ رک کر اجر دیتے اور قرض اتارتے، ہم اس بات کا ملال رکھتے ہیں کہ ہم نے جو حق ناظم الدین پر رکھا جو توقع لگائی وہ اس میں پورا نہ اترے خیر کوئی شکوہ نہیں ہم کیا عداوت رکھیں گے اور کیا مخاصمت کریں گے، جھگڑا تو اس بات کا ہے کہ کوئی جھگڑا ہی نہیں۔ عناد دل میں ہوتا ہے اندر سے پھوٹتا ہے اور نشانہ دشمن ہوتا ہے۔ ہم کس کی مخالفت کریں گے جس کے خلاف بغض دل میں پالیں۔ رنجش غیروں سے ہوتی ہے اپنوں سے نہیں اماں بی اپنا پیسا کھوٹا تو پرکھنے والے کا کیا دوش بجا نقارہ کوچ کا اکھڑن لاگی چنچ، چلنے ہارے چل بسے کھڑا ہوا تو دیکھ..... ہم کسی سے شکوہ نہیں کرتے کسی کو الزام نہیں دیتے۔ جس کو جو کرنا تھا کیا۔ جس کو جو کرنا ہے کرے۔ ہماری جو سکی ہونا تھی ہو چکی جو جگ ہنسائی ہونا تھی ہو چکی۔" تاج بیگم بہت رنجیدہ دکھائی دیں اماں بی ان کو دیکھ کر رہ گئیں وہ سمجھ گئی کہ انہیں مزید سمجھانا بے کار ہے۔

☯.....□.....☯

فاطمہ کو فرصت میسر آئی تو دھیان وقار الحق کی سمت چلا گیا جانے کیوں سوچوں میں ایک فشار سا آن وارد ہوا تھا۔

"اگر ہم یہ سوچ بھی لیں کہ ان کی محبت اہم ہے اور اس کی تکمیل ہونا چاہیے تب بھی ہم اس سچائی سے آنکھیں بند کرنے میں یکسر ناکام رہیں گے کہ وہ ہماری زندگی کا اہم ترین حصہ ہیں اور ان کے ایسے اقدام سے ہمیں نا چاہتے ہوئے بھی فرق پڑے گا اور یہ کہ ہم چاہتے ہوئے بھی ان کے اقدامات کی پروا کرتے ہیں چاہے وہ کوئی ہمارے حق میں اٹھایا گیا قدم ہو کوئی دانستہ کی گئی احتیاط ہو یا ہمارے مخالف اٹھایا جانے والا کوئی قدم، ہم چاہ کر بھی اس سے لاتعلق نہیں رہ سکتے، ایسا کیوں ہے، ہم نہیں جانتے مگر شاید اس

Digitized by Google

ایک رشتے سے ہماری ذہنی ہم آہنگی ہے اور ہم مکمل عقل و شعور سے اس رشتے کو تسلیم کر چکے ہیں' ہمیں آپ کی دلی کیفیت کا اندازہ ہے۔ ہمیں آپ کے نقصان کا اور افسردگی کا افسوس بھی ہے مگر ہم چاہتے ہوئے بھی آپ کی حمایت نہیں کر پا رہے' کیا کریں ہم سمجھ نہیں پا رہے۔ آپ کو خوش دیکھنا چاہتے ہیں مگر آپ کی خوشی کے متعلق سوچ کر کلیجہ منہ کو آتا ہے۔" فاطمہ سوچتے ہوئے جس بے دھیانی سے چلتی جا رہی تھیں اس سے اندازہ تھا کہ وہ بری طرح ستون سے ٹکرا جائیں گی مگر یک دم وقار الحق نے ان کو سنبھال لیا' وہ ان کی مضبوط بانہوں میں تھی' وقار الحق کی گرم سانسیں چہرے سے قریب ترین تھیں' وہ سنبھلنے کی کوشش میں تھی جب جنت بی بی کی آواز قریب سے ابھری۔

"وقار آپ یہاں اور ہم کہاں کہاں ڈھو....." وہ جو بولتی آ رہی تھی منظر دیکھ کر زبان جیسے تالو سے جا چپکی تھی۔ فاطمہ کو وقار الحق کے قریب دیکھ کر وہ ششدر کھڑی رہ گئیں۔ فاطمہ حواس باختہ سی دور ہوئیں' وہ جو مکمل حقوق رکھتی تھی اس لمحہ ایسی شرمندہ تھی جیسے کوئی گناہ کبیرہ کی مرتکب ہوگئی ہوں اور وقار الحق ایسے نگاہ پھیرے کھڑے تھے جیسے فاطمہ سے کوئی واسطہ نہ رکھتے ہوں، وہ فوری طور پر کوئی وضاحت نہ دے سکے مگر برہم سی جنت اس منظر کو دیکھ کر واپس پلٹ گئی تھی وقار الحق اُن کے عقب میں دوڑے اور فاطمہ ایسے گناہ گار کی مانند خود کی نظروں میں شرمندہ تھیں جیسے انہوں نے دونوں کے درمیان آ کر کوئی قبیح فعل کر دیا ہو' فاطمہ نے وقار الحق کو جنت کے پیچھے جاتا دیکھا اور گہری سانس بھر تیں پلٹ کر کمرے میں آ گئیں۔

"یہ کیسی صورت حال میں گھر گئے ہیں ہم۔" الجھے ذہن کے ساتھ وہ یہی سوچ سکیں' یہ سوال خود سے تھا اور بہت غیر معقول تھا مگر وہ کوئی وضاحت نہ دے سکتی تھیں۔

"ہم آپ سے پوچھ سکتے ہیں وقار..... یہ کیا تھا وہ لڑکی آپ کی بانہوں میں آپ سے اس درجہ قریب کیوں تھی؟" جنت نے خشمگین نظروں سے بھرپور غصے کے ساتھ وقار الحق کو دیکھا تو وقار الحق عجب کشمکش میں گھر گئے تھے' گہری سانس خارج کرتے مدہم لہجے میں گویا ہوئے۔

"جنت ہم آپ کو پہلے ہی مطلع کر چکے ہیں۔" ان کا مختصر جواب جیسے ان کی تشفی نہ کر سکا تھا تب ہی وہ بولیں۔

"کیا مطلع کر چکے ہیں آپ..... وہ کم سن دوشیزہ جو بلا کی حسین ہے' اس کو بانہوں میں تھامے کیوں کھڑے تھے آپ؟" جنت کڑے تیوروں سے وقار الحق کو دیکھ رہی تھیں وقار الحق کے لیے یہ عجیب صورت حال تھی' اپنے ایک جائز رشتے کو چھپا کر تاویلیں دینا پڑ رہی تھیں ان کو یہ فعل بہت شرمندہ کر رہا تھا۔

"دیکھیے جنت ہم آپ کو ان دوشیزہ کے متعلق پہلے ہی بتا چکے ہیں وہ ابا جان کے دوست کی صاحب زادی ہیں' ابا جان ان کی سیاسی تربیت کر رہے ہیں' انہوں نے مسلم لیگ میں شمولیت لیا حضور کے ایما پر ہی کی ہے' ابا حضور فاطمہ کو بہت عزیز اس لیے رکھتے ہیں کہ ان کو بیٹی کی خواہش تھی جو اب فاطمہ کی صورت پوری ہوگئی ہے۔ یہ محض اتفاق ہے کہ وہ وہاں سے گزر رہی تھیں اور ہم بھی وہیں موجود تھے ان کو ٹھوکر لگی اور اس سے قبل کہ وہ ستون سے ٹکراتیں ہم نے سہارا دے کر سنبھال لیا جیسا آپ سمجھ رہی ہیں ویسا کچھ نہیں ہے۔" وقار الحق شرمندہ سے نگاہ جھکائے کھڑے تھے' جنت نے انہیں بغور دیکھا۔

"ان کو صاحب زادی آپ کے ابا حضور سمجھتے ہیں' ان کے بیٹی سمجھنے سے وہ آپ کی ہمشیرہ نہیں ہو جاتی جس طرح وہ آپ کے قریب تھیں اس سے ان کی نیت صاف ظاہر تھی۔ آپ نہیں جانتے آج کل کی لڑکیوں کو' بظاہر معصوم ہوتی ہیں مگر مردوں پر ڈورے ڈالنا خوب آتا ہے۔ آپ ان موصوفہ کو معصوم جان کر ان کی حمایت مت کیجیے جانے کیا ارادے ہیں ان کے۔ جس طرح آپ سے قریب تھیں وہ شریفانہ پھبن تو نہیں لگتے۔ آپ چاہے جتنی بھی حمایت کریں ان کی مگر ہم ان کو معصوم نہیں سمجھتے کوئی شریف زادی ایسے افعال انجام نہیں....." اس سے قبل کہ جنت کی بات مکمل ہوتی وقار الحق نے ہاتھ اٹھا کر ان کو بولنے سے باز رکھا' ان کے

Digitized by Google

چہرے کی رگیں تن گئی تھیں اور آنکھوں میں سرخی اتر آئی تھی یہ کیفیت ان کے اندرونی اضطراب کی ترجمان تھی وہ یقیناً اس وقت شدید غصہ میں تھے مگر ضبط کیے کھڑے تھے۔

"آپ فاطمہ بی بی کے کردار کے متعلق کوئی بات نہیں کہہ سکتی جنت۔" انہوں نے باور کرایا تو جنت چونکیں۔

"کیوں..... کیوں نہیں کہہ سکتے ہم آپ کو ایسا برا کیوں لگ رہا ہے؟ سچ ہی تو کہہ رہے ہیں ہم وہ شریف زادی ہوتی تو اپنے ابا جان کے ہاں قیام پذیر ہوتی یہاں رہ کر آپ نواب زادے پر ڈورے نہ ڈال رہی ہوتی۔" جنت نے روانی سے زہر اگلا۔

"بس جنت بی بی..... ہم آپ سے محبت کرتے ہیں یہ الگ معاملہ ہے آپ ہم سے محبت کرتی ہیں ہم اس کے معترف ہیں مگر ہم آپ کو فاطمہ بی بی کی کردار کشی کی اجازت نہیں دیں گے۔ وہ ایک نیک اور انتہائی باکردار لڑکی ہیں۔ وہ ایک جائز رشتے میں ہوتے ہوئے بھی ہمارے قریب آنے کی کوشش نہیں کرتیں۔ سننا چاہتی ہیں آپ..... تو سن لیجیے وہ ہماری منکوحہ ہیں ہماری بیگم ہیں اس گھر کی بہو ہیں مالکن ہیں وہ اس محل کی۔" وقار الحق نے بہت غصے سے سچائی اگلی اور جنت ششدر سی رہ گئیں۔ فضا میں ایک سناٹا چھا گیا تھا وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ وقار الحق کا نکاح ہو چکا ہے اس سچ کو سن کر وہ جیسے پتھر کی ہو گئی تھیں وقار الحق نے گہری سانس بھرتے ہوئے نگاہ پھیر لی تھی۔

"ہم آپ کو شاید اس راز کے متعلق آگاہ نہ کرتے کیونکہ ہم آپ کو تکلیف دینا نہیں چاہتے تھے آپ سے محبت کرتے تھے اس لیے آپ کا دل توڑنا نہیں چاہتے تھے آپ کو ایک اذیت اور انتہائی تکلیف سے بچانا چاہتے تھے۔ اباحضور کی خواہش پر اور اپنی غلطی کا ازالہ کرنے کے لیے ہم نے فاطمہ سے نکاح کر لیا تھا مگر ہم نے شرعی رشتہ اور تمام حقوق کو بالائے طاق رکھ دیا کیونکہ ہم آپ سے محبت کے پابند تھے ہم اس محبت سے مخلص تھے اس لیے ہم نے ایک جائز رشتے کے حقوق پورا کرنے سے ہاتھ کھینچ لیا ہم فرائض کی ادائیگی سے منکر ہوئے کیونکہ ہم آپ کو دھوکہ دینا نہیں چاہتے تھے۔ فاطمہ ایک انتہائی نیک دوشیزہ ہیں وہ ہماری آپ سے انسیت سے واقف ہیں مگر انہوں نے ہماری بے اعتنائی اور کھردرا رویہ سہہ کر بھی کبھی کوئی شکایت نہیں کی انہوں نے لاتعلقی والا رویہ اپنایا اور کبھی ہمارے درمیان در آنے والے فاصلوں کو سمیٹنا نا چاہا صرف اس لیے کہ ہم آپ سے وفاداری نبھانا چاہتے تھے۔ محبت کا رشتہ ایسا اہم تھا ہمارے لیے کہ ہم نے ایک جائز رشتے کو پس پشت ڈال دیا مگر ہم ان نیک دوشیزہ کے کردار پر کیچڑ لگتا نہ دیکھ پائے اور سچ بتانا ناگزیر ہو گیا۔ سچ تو یہ ہے کہ فاطمہ آپ کے اور ہمارے درمیان نہیں آ رہی۔" انہوں نے واضح کیا تو جنت کی آنکھوں سے نمکین سمندر بہہ کر عارض بھگونے لگے وقار الحق کے سچ نے ان کو انتہائی درجہ غمگین کر دیا تھا۔ وہ انتشار میں گھر گئی تھیں ان کے لب آہستگی سے ہلے۔

"فاطمہ بی بی آپ کے اور ہمارے درمیان نہیں آئیں یہ ہم ہیں جو آپ کے اور فاطمہ بی بی کے درمیان کھڑے ہیں۔" انہوں نے انتہائی غمگین ہو کر کہا وقار الحق کو اپنے لہجے کی سختی کا اندازہ ہوا اور انہوں نے جنت کا ہاتھ تھام لیا۔

"ہم نے یہ نہیں کہا جنت مگر....." انہوں نے بولنا چاہا۔

"اگر مگر رشتوں کے اختتام کی طرف اشارہ کرتی ہے وقار الحق آپ کو ہمیں حقیقت سے بے خبر نہیں رکھنا چاہیے تھا۔" وہ بہتے اشکوں کے ساتھ شکوہ کرتی ہوئی بولیں۔

"ہم ایک جائز رشتے کے درمیان آتے رہے۔ یہ حقیقت شرمندگی میں مبتلا کر رہی ہے۔ گھڑوں پانی پڑ رہا ہے ہم پر یہ جان کر ہم ایک ایسے تعلق کے حوالے سے آپ سے وابستہ تھے جس کا کوئی نام نہیں تھا محبت کوئی بڑا حوالہ نہیں نکاح رشتے کی عزت بڑھاتا ہے رشتے کو ایک خاص حوالہ اور نام دیتا ہے اس رُو سے ہم ایک جائز رشتے کی راہ میں حائل ایک رکاوٹ بنے رہے مگر اس میں قصور آپ کا بھی ہے کہ آپ نے ہمیں کبھی مطلع ہی نہیں کیا۔" وہ کہہ کر پلٹیں اور وہاں سے نکلتی چلی گئیں۔ وقار الحق ان کو جاتا دیکھتے رہے تھے۔

Digitized by Google

"محبت کے بنا کوئی رشتہ آباد نہیں ہوتا' محبت جیسے ایک خالی رشتے کو بھرتی ہے اور بنا محبت کے ہر رشتہ جیسے ایک خالی برتن جیسا ہے۔" فاطمہ نے تالاب کے پانی میں آڑی ترچھی لکیریں بناتے ہوئے خود کلامی کی' وہ انتہائی الجھن کا شکار دکھائی دے رہی تھیں۔

"کیا سوچ رہی ہوں گی جنت' ہم کیسی لڑکی ہیں ان کے اور وقار الحق کے درمیان آنے کی کوشش کر رہے ہیں، کیسی بری لڑکی تصور کر رہیں ہوں گی وہ ہمیں' کاش ہم ان کو بتا سکتے کہ اس مثلث نما رشتے کی حقیقت کیا ہے یا پھر انہیں اسی قدر جتا سکتے کہ ان کا رشتہ کس درجہ اہم اور کس قدر خاص ہے کیونکہ اس رشتے میں محبت ہے اور ہمارا رشتہ کس قدر کھوکھلا اور بے معنی ہے۔ سجنی وہی جو پیا من بھائے..... سیانے بجا فرماتے ہیں ہم دونوں کے درمیان کیوں آئے خود سے نفرت ہونے لگی ہے ہمیں۔" وہ ایک انتشار میں گھری ہوئی تھیں' ذہن سے وہ واقعہ چپک کر رہ گیا تھا..... شکوہ کرتی شک میں ڈوبی جنت کی آنکھیں۔

"ہاں سچ ہی تو ہے ہم کیا حق رکھتے ہیں اس رشتے پر اس قربت پر ہمارا کوئی حق نہیں..... ہم غیر ہیں' ایسے اجنبی ہیں جو دو پیار کرنے والوں کے درمیان دراڑ کا باعث بن رہے ہیں' سوچتے ہیں تو شرمندگی آن گھیرتی ہے مگر یہی سچ بھی ہے ہمارے درمیان جو رشتہ ہے وہ کوئی معنی نہیں رکھتا۔ وقار الحق پر زبردستی مسلط کیا گیا رشتہ ہے اور وہ گلے پڑا ڈھول چپ چاپ بجا رہے ہیں اگر کوئی قلق ان کو تھا تو ازالہ کرنے کو یہ بڑی راہ چنی ہے نواب زادہ وقار الحق نے۔ ہم کیسے ازالہ کریں اس کا؟" وہ اپنی جگہ خود کو بہت چھوٹا محسوس کر رہی تھیں' ایک شرمندگی دامن گیر تھی اپنا اور خود کار رشتہ وقار الحق پر بوجھ لگ رہا تھا۔

"کیا ہم واپس لوٹ جائیں مگر لوگ کیا کہیں گے' دادی جان پہلے ہی رنجیدہ اور خفا ہیں اگر ہم واپس وہیں لوٹ گئے تو زمانے کی انگلیاں اٹھیں گی ان پر۔ نہیں ہم ایسا نہیں کر سکتے..... ایسا نہیں ہو سکے گا ہم سے۔" وہ انتہائی الجھ کر رہ گئی تھیں۔

وہ اپنے خاندان کی بدنامی نہیں چاہتی تھی سو اب قدم واپس نہیں لے سکتی تھی جو بھی ہوتا مگر انہیں اس رشتے کو قائم رکھنا تھا' نام کو سہی اس تعلق کو باقی رکھنا تھا پھر چاہے یہ تعلق کتنا بھی بے جان اور بنجر کیوں نہ ہوتا انہیں اس تعلق میں رہنا ضروری تھا وہ کسی بھی طرح اب اس تعلق سے ہاتھ نہیں چھڑا سکتی تھی چاہے یہ رشتہ کتنا بھی دکھ اور اذیت دیتا وہ اس لمحے خود کو کمزور محسوس نہیں کر رہی تھیں مگر وہ جن بندشوں کی پابند تھیں اس سے انحراف ممکن نہ لگا۔

"ہم بے بس نہیں مگر پابند وفا ہیں نواب زادہ وقار الحق' ہم آپ سے تعلق نبھانے پر پابند ہیں کیونکہ ہم اب قدم واپس نہیں لے سکتے۔" انہوں نے باآواز بلند جیسے خود کلامی کی..... قریب سے گزرتا رجت سنگھ رکا تھا۔ بی بی صاحبہ بہت غمگین اور الجھی دکھائی دے رہی تھیں مگر وہ مالکن کے معاملات میں مداخلت نہیں کر سکتا تھا۔ اتنا تو وہ جان گیا تھا کہ فاطمہ بی بی کسی تکلیف سے گزر رہی ہیں مگر وہ براہ راست پوچھنے کی گستاخی نہیں کر سکتا تھا۔ دوسرے دن جب فاطمہ بی بی کالج جانے کے لیے موٹر کار کی پچھلی سیٹ پر براجمان ہوئیں تو رجت سنگھ نے فاطمہ بی بی کی سوجی آنکھوں کو بغور ایک نظر دیکھا تھا۔ وہ شب بیداری کی غماز تھیں اور جس درجہ سرخ تھیں وہ اس بات کی عکاس تھیں کہ بی بی شب بیداری کے ساتھ روتی بھی رہی ہیں۔

رجت سنگھ حقیقت نہیں جانتا تھا' اس کے علم میں نہ تھا کہ اس دکھ کی وجہ کیا ہے مگر وہ اس قدر جان گیا تھا کہ میاں بیوی کے باہمی تعلقات میں سب ٹھیک نہیں ہے۔ فاطمہ بی بی لاتعلق بے خبر اور خاموش سی دکھائی دے رہی تھیں۔ رجت سنگھ نے موٹر کار کی ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہوئے فاطمہ بی بی کو دیکھا اور گاڑی اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی تھی پھر جانے کیوں اس خاموشی میں ایک کنکر پھینکتے ہوئے بولا۔

"کرم دین چاچا سے بات ہوئی تھی ناظم الدین صاحب لکھنو سے واپس تشریف لے آئے ہیں آنا تو ان کو ایک ہفتہ بعد تھا مگر سخاوت بیگم کی طبیعت ناساز تھی سو وہ مقررہ مدت سے قبل ہی لوٹ آئے۔" رجت سنگھ کی بات پر فاطمہ چونکیں۔

"امی..... امی جان کو کیا ہوا؟" وہ بے حد پریشان ہوا تھیں۔

Digitized by Google

"وہ تو نہیں جانتے کہ کیا ہوا مگر کرم دین چاچا بتا رہے تھے کہ ناظم الدین صاحب لوٹ آئے ہیں اگر آپ چاہیں تو ہم درسگاہ کے بعد آپ کو تاج محل پہنچا دیں گے۔" رجت سنگھ نے مدہم لہجے میں کہا۔

"نن..... نہیں ہمیں ابھی تاج محل جانا ہے..... آپ موٹر کا رخ تاج محل کی طرف موڑ لیجیے۔" فاطمہ کی بے چینی سوا ہوگئی تھی پہلے ہی دماغ الجھا ہوا تھا اور اب امی جان کی طبیعت کا سن کر جیسے کلیجہ منہ کو آ رہا تھا۔

"آپ پریشان نہ ہوں بی بی صاحبہ ایسی کوئی پریشانی والی بات نہیں ہوگی موسم بدل رہا ہے اس لیے یقیناً موسمی اثرات ہوں گے اگر ایسی تشویشناک بات ہوتی تو آپ کو ضرور مطلع کر دیا جاتا۔" رجت سنگھ نے ان کی پریشانی کی غرض سے انہیں مطمئن کرنا چاہا مگر فاطمہ کچھ نہیں بولیں جب رجت سنگھ آہستگی سے بولا۔

"آپ کی طبیعت ٹھیک ہے بی بی صاحبہ؟ آپ ہمیں ٹھیک نہیں لگ رہیں براہ کرم خود کو سنبھالیں ہمیں یقین ہے کہ معاملہ ایسا سنگین نہیں ہوگا یوں بھی ہمارا دماغ اور دل جس قدر اپنوں سے جڑا ہوتا ہے ان کی معمولی تکلیف بھی ہمیں بے چین کر کے رکھ دیتی ہے دراصل ہم محبت کے ہاتھوں کمزور پڑ جاتے ہیں رشتوں کی محبت بندے کو جس قدر مضبوط بناتی ہے اسی قدر کمزور بھی کر دیتی ہے۔" رجت سنگھ دانستہ ہی کہہ رہا تھا مگر فاطمہ نے جواب دینا ضروری خیال نہیں کیا۔ رجت سنگھ نے تاج محل کے سامنے موٹر گاڑی کو روکا اور فاطمہ سرعت سے اتر کر اندر بڑھ گئیں رجت سنگھ موٹر گاڑی سے باہر نکل کر فاطمہ بی بی کا انتظار کرنے لگا تھا۔

☯.....□.....☯

نواب زادہ وقار الحق بہت الجھے ہوئے سے ٹہل رہے تھے جس صورت حال نے آن گھیرا تھا وہ اس کا اندازہ نہیں کر پا رہے تھے۔ وہ بیک وقت دو کشتیوں کے سوار تھے اور دونوں تعلقات کو ساتھ لے کر چلنا چاہتے تھے اگرچہ ایک تعلق دل کا تھا اور دوسرا سمجھوتے کا مگر کسی ایک کا بھی دل دکھانا نہیں چاہتے تھے وہ جب ہی فاطمہ کا چہرہ نگاہوں میں آیا تھا۔

وہ اپنی کیفیت کو سمجھ نہ پا رہے تھے انہیں جنت کے متعلق افسوس تھا جس طرح جنت کو سچائی سے آگاہ کیا تھا وہ ضرور بہت افسردہ ہوئی ہوں گی مگر وہ جنت کے متعلق سوچنے کا ارادہ کرتے تو ذہن و دل فاطمہ کو کھینچ لاتا توجہ ایسی بٹتی کہ وہ الجھ کر رہ جاتے انہوں نے جنت سے بات کرنے کی کوشش کی تھی مگر انہوں نے انکار کر دیا تھا اور رابطہ منقطع کر دیا تھا۔

"ہم جنت کو کیسے فراموش کر سکیں گے..... ان کو جو تکلیف ہوئی اس کا باعث ہم ہیں مگر ہم فاطمہ کی کردار کشی بھی کیسے برداشت کرتے۔ فاطمہ کا اس میں کوئی قصور نہیں اس رشتے میں ان کو باندھنے والے در حقیقت تو ہم ہی ہیں..... ہم ہی نے اس رشتے کو اس نہج تک پہنچایا۔ نہ ہم فاطمہ سے ملنے کی گستاخی کرتے نا ان سے نکاح کی نوبت آتی، ہم نے اپنی بے وقوفی میں رشتے کو اس نہج تک پہنچایا ہے آج ہم فاطمہ سے اس کا شکوہ نہیں کر سکتے دوسری بات فاطمہ کی طرف سے نکاح قائم کرنے کے لیے ہم پر کوئی دباؤ نہیں رہا ہم نے خود اس رشتے کے لیے خود کو پیش کیا تھا۔ اس لیے ہم اس کا الزام ان پر نہیں رکھ سکتے۔" وہ فاطمہ کی اپنے طور بھرپور حمایت کر رہے تھے اور خود حیران تھے کہ ایسا کیوں کر تھا۔ انہیں تو جنت کی حمایت کرنا چاہیے تھی وہ ان سے محبت کرتی تھیں اور وہ خود اس کی محبت میں ڈوبے ہوئے تھے پھر محبت کی جگہ کسی اور اجنبی کی حمایت کرنا کیا معنی رکھتا تھا؟

انہوں نے ایک عزم سے فون نمبر ملایا تسلی کر کے کہ دوسری طرف جنت ہیں وہ مضبوط لہجے میں بولے۔

"آپ جانتی ہیں جنت ہم آپ سے محبت کرتے ہیں چاہے آپ رابطہ منقطع کر دیجیے مگر ایسا کرنے سے آپ ہمارے دل سے خارج نہیں ہوں گی..... تاہم آپ سے محبت ترک کریں گے۔" وہ دوٹوک انداز میں واضح کر رہے تھے جنت کی طرف کچھ لمحوں تک خاموشی رہی پھر مدہم آواز ابھری۔

"محبت اور مصلحت میں فرق ہوتا ہے نواب زادہ وقار الحق..... جہاں مصلحت جتنے لگے وہاں محبت دم توڑ دیتی ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ اور ہم جسے مصلحت سمجھ رہے ہوں وہ در حقیقت کچھ اور ہو۔" ان کا مدہم لہجہ تھکن زدہ تھا ان کی آواز سے وقار الحق نے اندازہ

لگالیا تھا کہ وہ مسلسل روتی رہی ہیں۔ وقار الحق کا دل مزید بے چین ہو گیا تھا۔

"ہم شرمندہ ہیں جنت مگر ہم آپ سے سچائی چھپانا نہیں چاہتے تھے مگر ہماری بے وقوفی کے باعث یہ ساری صورت حال بن گئی وگرنہ ہم ایسا کام کیوں کرتے تو سیدھی تھی ہم آپ سے محبت کرتے تھے....." وقار الحق نے کہا جب جنت ان کی بات منقطع کرتے ہوئے بولیں۔

"قطع کلامی کی معذرت چاہتے ہیں نواب زادہ وقار الحق لیکن اگر محبت ہوتی تو آپ کسی اور طرف مائل نہ ہوتے۔"

"ہم مائل نہیں ہوئے مگر....." وہ کوئی وضاحت کوئی تاویل نہ ڈھونڈ سکے اور جنت آہستگی سے گویا ہوئیں۔

"حسن سب سے بڑی دلیل ہے وقار الحق اور حسن سے بڑی دلیل محبت ہے۔" وہ باور کرا رہی تھیں اور وقار الحق الجھ رہے تھے۔

"لیکن ہم فاطمہ سے محبت نہیں کرتے جنت آپ یہ بات کیوں نہیں سمجھ رہیں؟ ہم آپ کی محبت کا دم بھرتے ہیں محبت تو ہمیں آپ سے ہے۔" وہ جتاتے ہوئے بولے۔

"اور جس نے آپ کو اپنی طرف مائل کیا وہ کیا تھا؟" جنت نے عجب سوال اٹھایا..... وہ خاموش رہ گئے اور دوسری طرف جنت نے رابطہ منقطع کر دیا تھا۔

"آپ اس درجہ پریشان ہو کر بجائے درسگاہ جانے کے یہاں کیوں چلیں آئیں؟ فاطمہ آپ کا بچپنا کب جائے گا' یہ کیوں بھول جاتی ہیں آپ کہ اب آپ ایک ذمہ دار شادی شدہ خاتون ہیں اور آپ پر رشتوں کے کئی حقوق واجب ہوتے ہیں۔" سخاوت بیگم نے ڈپٹا۔

"حقوق اس عائلی زندگی اور ازدواجی ذمہ داریوں سے جڑے ہیں فاطمہ اب آپ بے فکر دوشیزہ نہیں ہیں ایک ذمہ داری اپنے کاندھوں پر رکھتی ہیں اور یہ ذمہ داری اور بھی بڑھ جاتی ہے جب محل میں آپ کے علاوہ کوئی اور خاتون موجود نہیں' یہی بہت ہے کہ نواب صاحب نے آپ کو پڑھائی کی اجازت دی ہے آپ کو مزید من مانی نہیں کرنی چاہیے۔" سخاوت بیگم نے دختر کو خوب لتاڑا۔

"امی جان، ہم کوئی ہمیشہ کے لیے محل چھوڑ کر نہیں آئے درسگاہ جانے کے لیے نکلے تھے مگر آپ کی طبیعت ناساز ہے سن کر رہ نہ سکے۔" فاطمہ نے وضاحت دی۔

"فاطمہ سوچ سمجھ کر بولا کیجیے اللہ نہ کرے کہ آپ ہمیشہ کے یہاں آئیں' ہمارا معتبر اور عزت دار گھرانہ ہے ہمارے یہاں بیٹیاں جس گھر ڈولی میں بیٹھ کر جاتی ہیں، وہاں سے ان کا جنازہ ہی نکلتا ہے آپ کو ایک بات ذہن میں بیٹھا لینی چاہیے آپ کا نکاح ہو چکا ہے اور اب آپ ایک کنبے کی ذمہ داری کاندھوں پر رکھتی ہیں۔ گھر کو کس طرح چلانا ہے یہ عورت طے کرتی ہے کوئی ساس یا نند نہیں ہیں آپ کی' اس لیے آپ کی ذمہ داری اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ رہی بات ہماری طبیعت کی ناسازی کی تو موسمی اثرات ہیں اس کے سوا کچھ نہیں۔ ہماری تیمارداری اور دیکھ بھال کو آپ کے محترم ابا جان اور دادی جان یہاں موجود ہیں۔" سخاوت بیگم نے سمجھایا تو فاطمہ خاموش بیٹھی رہیں۔

"اب ایسے منہ سجائے کیوں بیٹھی ہیں والدین کے گھر آئی ہیں کوئی جرم تھوڑا نہ کیا ہے ابھی آپ کی دادی اماں نے آپ کا ایسا اترا چہرہ دیکھ لیا تو سمجھئے شامت آ جائے گی۔" سخاوت بیگم نے ساس کے خیال سے ڈپٹا تو فاطمہ مسکرا دیں اور سر آہستگی سے امی جان کی گود میں رکھ دیا۔

"امی نکاح کے دو بول سے بیٹی پرائی کیسے ہو جاتی ہے یہ بات آج کھلی ہم پر۔" فاطمہ نے آہستگی سے کہا تو سخاوت بیگم اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتی ہوئی چونک کر دیکھنے لگیں۔

"آپ خوش تو ہیں نا فاطمہ؟" امی جان نے کسی قدر فکر مندی سے دریافت کیا تو فاطمہ نے بنا ان کی طرف دیکھے سر ہلا دیا۔

Digitized by Google

"ہماری طرف دیکھ کر کہیے ایسے نگاہ چرائے کیوں بات کر رہی ہیں؟" امی جان نے ڈپٹا تو فاطمہ ان کی سمت دیکھتی زبردستی مسکرا دیں۔

"خوش ہیں ہم امی جان اب کیا لکھ کر دیں آپ کو ایسا بڑا محل ہے ایسی شان و شوکت یہ ملازمین کی لمبی فوج اور ہمیں کیا کرنا ہے بیگم ہیں اس محل کی سوز بان ہلا کر فقط حکم صادر کرتے ہیں اور کبھی کبھی تو حکم بھی صادر نہیں کرتے ابرو کے اشارے سے حکم دے دیتے ہیں بولنے سے تھکس تو نہیں جاتی زبان مگر ہم ٹھہرے بیگم سو تفاخر سے تنی گردن کے ساتھ ابرو بھی ہلا دیں تو سب زیر و زبر ہو جاتا ہے۔" وہ انہیں مطمئن کرنے کے لیے ہنسیں سخاوت بیگم نے خاموشی سے انہیں دیکھا اور محبت سے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"ہم چاہتے ہیں اللہ تعالیٰ آپ کا دامن ہمیشہ خوشیوں سے بھرے رہے ہم واقعی بہت مطمئن ہیں کہ آپ کا نکاح وقار الحق سے ہوا ورنہ جو اماں جان نے طے کیا تھا اسے سوچ کر ہی کلیجہ منہ آتا تھا خیر آپ خوش ہیں سن کر خوشی ہوئی۔ ماں کا خون تو فقط یہ جان کر ہی منوں کے حساب سے بڑھ جاتا ہے۔" سخاوت بیگم ان کا چہرہ محبت سے تھامتے ہوئے بولیں فاطمہ نے ان کی طرف خاموشی سے دیکھا پھر نگاہ پھیرتے ہوئے بولیں۔

"خوشی عجیب گمبھیرتا لیے آ گئی ہے امی جان بظاہر ایک فرحت بخش احساس ہے اور روح سے جڑی ہوتی ہے مگر اس میں دل کا ہم آہنگ ہونا بھی ضروری ہوتا ہے۔" فاطمہ نے کہا اور پھر امی جان کے خیال سے فوراً ہی بات بدل دی۔

"آپ کا آرام کرنا بہت ضروری ہے امی جان۔ ایک ہفتہ تک آپ گھر کے کسی کام کو ہاتھ نہیں لگائیں گی ہم ذرا ملازمین سے باز پرس کر لیں اور ساتھ ہی دادی جان سے بھی مل لیں۔" فاطمہ اٹھیں تب ہی ناظم الدین اندر داخل ہوئے تو فاطمہ نے بے حد ادب سے انہیں سلام کیا۔

"اکیلی آئی ہو بیٹا..... وقار میاں تشریف نہیں لائے؟" ابا جان نے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں ابا جان درسگاہ سے سیدھا اس طرف آئی ہوں نواب زادے کو اس بات کی خبر نہیں ہم یہاں آئے ہیں۔ سوچا دادی جان سے بھی مل لیں۔" فاطمہ نے کہا تو ابا جان ہمراہ چل دیے۔

"چلیے ہم بھی اماں جان سے ملاقات کا شرف حاصل کر لیتے ہیں..... بیٹا آئندہ آیئے تو اپنے شوہر نامدار اور سسر میاں کی اجازت سے آیئے گا۔" ابا جان نے نصیحت کرنا ضروری خیال کیا فاطمہ نے سر ہلا دیا اور ابا جان کی ہمراہی میں دادی جان کے کمرے کی جانب جاتی فاطمہ خاصی گھبراہٹ کا شکار تھیں بہر حال انہوں نے جھک کر ادب سے دادی جان کو سلام کیا تو دادی جان نے سر پر ہاتھ رکھا مگر ان کا لہجہ خاصا کڑوا تھا۔

"تشریف آوری ہو گئی آپ کی..... زخم پر مرہم رکھنے کا خیال خاصی دیر سے آیا اتنے دنوں میں تو زخم پر نئی جلد بھی جم جاتی ہے سنا تھا تلوار کا زخم بھر جاتا ہے زبان کا نہیں بھرتا مگر یہاں تو عمل بھی گہرے زخم سے نوازے جاتے ہیں کہیں اب بھی آپ کی تشریف آوری زخموں پر آئی جلد کو کھرچنے کی غرض سے تو نہیں ہوئی۔" تاج بیگم نے پوچھا تو فاطمہ نے کوئی جواب نہ دیا۔

"فاطمہ آپ کی خیریت معلوم کرنے آئی ہیں اماں جان۔" ناظم الدین نے کہا تو اماں نے جواباً خاموشی اختیار رکھی تب ہی ناظم الدین بولے۔

"اماں جان غصہ آپ کی صحت کے لیے ٹھیک نہیں۔" ابا جان کے کہنے پر فاطمہ نے خاموشی سے دادی جان کو دیکھا۔

"جان جو صدمہ اٹھائی ہے وہ جگر نہیں جانتا والا معاملہ ہے آپ کی سمجھ میں نہیں آئے گا، پکا پھوڑا تھا جو ٹیس لگتے ہی پھوٹ پڑا۔ یوں بھی آج کل علم کا آفتاب عروج پر ہے کوئی نیا فتنہ اٹھانے کی کوشش نہ کیجیے تو بہتر ہوگا۔" اماں جان کا لہجہ تنبیہ لیے ہوئے تھا ان کا لہجہ کچھ نحیف مگر اسی طور گرج دار تھا۔ وہ ازلی حکمرانی والا وصف گیا نہ تھا فاطمہ کا دل جانے کیوں دہل گیا تھا دادی جان کے غیض و غضب سے ایسا لگا ابھی سب تہس نہس کر دیں گی۔

Digitized by Google

"دروغ مصلحت آمیز بہ از راستی فتنہ انگیز ایسا وہ عمل جو آمادہ سرکشی پر اکسائے اس سے عجز بہتر ہے۔" دادی جان کا لہجہ گرج دار تھا جو اس بات کا غماز تھا کہ ان کا غصہ کم نہیں ہوا اگر چہ فاطمہ نے براہ راست اماں جان کی مرضی سے انحراف نہیں کیا تھا مگر وہ جانتی تھی وہ غصہ کرنے میں حق بجانب ہیں، ناظم الدین اماں جان کے قدموں میں بیٹھے گئے۔

"اماں جان..... جو ہوا اس میں فقط ہماری غلطی ہے ہم سر جھکاتے ہیں آپ سر قلم بھی کردیں گی تو ہم شکوہ نہیں کریں گے مگر فاطمہ اس گھر کی مہمان ہے۔ اب اس معاملے میں کوئی بے انصافی ہونا مناسب نہیں۔" ناظم الدین نے کہا تو اماں جان مسکرادیں مگر اس مسکراہٹ میں طنز تھا۔

"امیری اور فقیری کی بو چالیس برس تک نہیں جاتی بچے خود کو سیانے جاننے لگتے ہیں مگر دھوکہ دینا آسان نہیں۔ دنوں کو دھوکا دینے سے خطرہ ٹل نہیں جاتا۔ عقل کسی کی محتاج نہیں اور خرد باندی بننا گوارا نہیں کرتی' رہی بات ریجنٹ کی تو اس کا اندازہ کرنے والے احمق ہو سکتے ہیں آپ نے جو گی گیدڑی کا ٹے نیوتن جائے بیٹا چور اور سانپ کی بہت دھاک ہوتی ہے مگر دونوں کا ہی سر ایک لاٹھی سے کچلا جاسکتا ہے گرے ہوئے کو کمزور جاننا بے وقوفی ہوتی ہے سیانے کہہ گئے اجڑے ہوئے سیکے میں تھی مگر وہی طنطنہ۔ زخمی شیر سے ڈرنا ضروری ہے آتشی قہر سے جلا دینا راکھ سے بھی کمسن ہے۔" وہ مسکرائیں اور ان کی مسکراہٹ میں ایک عجیب پراسراریت تھی فاطمہ کی جان تک لرز گئی، فاطمہ نے ابا جان کا کاندھا سختی سے جکڑ لیا ابا جان نے بیٹی کا خوف محسوس کرتے ہوئے اٹھنے میں ہی عافیت جانی تھی۔

○.....□.....○

رجت سنگھ کی بے چینی بڑھتی جارہی تھی ایک سکون تھا جو رخصت ہو چکا تھا اور وجود خاک کی مانند فضا میں تحلیل ہوتا جارہا تھا۔

"میرے رب میرے کھوئے ہوئے سکون کو لوٹا دے۔" اس نے سجدے میں گر کر بے ساختہ دعا مانگی آنکھیں نم تھیں اور یک دم ان بند آنکھوں میں ایک چہرہ نمودار ہوا' رجت سنگھ نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں اور اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ ایک لمحے میں پسینے میں شرابور ہو گیا تھا وجود ایسے بھیگ گیا تھا جیسے کسی نے گھڑا بھر کر پانی انڈیل دیا ہو۔

"میرے رب میں تیرا گناہ گار بندہ ہوں اپنے سائیں بابا کے توسط سے تجھ سے سکون طلب کرتا ہوں یہ آزمائش کڑی ہے اور بندہ بشر کا ظرف چھوٹا ہے میرے رب ایسے نہ آزما۔" رجت سنگھ نے دل ہی دل میں کہا اور گہری سانس خارج کی۔

پھڑ نقطہ چھوڑ حساباں نوں
چھوڑ دوزخ، گور عذاباں نوں
کر بندہ دلے دیاں خواہاں نوں
گل ایسے گھر وچ ڈھکدی اے
اک نقطے وچ گل مکدی اے

کوئی اندر ہی اندر بولنے لگا اور رجت کسی ان دیکھے وجود کو آسمان کی وسعتوں میں دیکھنے لگا تھا۔

انوں متھاز مین گھنسائی دا
لمان یا محراب دکھائی دا
پڑھ کلمہ لوک ہسائی دا
دل اندر سجھ ہسائی دا
کدی بات سچی بی لگدی اے
اک نقطے وچ گل مکدی ہے

Digitized by Google

اس کے اندر گونج رہا تھا اور وہ تیز تیز چلنے لگا مگر یک دم قدموں کو رک جانا پڑا تھا مقابل فاطمہ بی بی تھی اور اس نے رکتے ہوئے سر جھکا دیا تھا۔

"جی بی بی صاحبہ..... کوئی کام ہے آپ کو کہیں باہر جانا ہے اس وقت؟" اس نے نگاہ اٹھائے بنا پوچھا تو فاطمہ نے انکار کر دیا۔

"نہیں ہم بے چینی محسوس کر رہے تھے اس لیے باہر چلے آئے۔" فاطمہ نے کہا تو وہ ایک نگاہ بامشکل اس روشن چہرے کو دیکھ پایا اور نگاہ دوبارہ جھکانا پڑی۔

"آپ پریشان ہیں بی بی صاحبہ؟" رجت سنگھ نے پوچھا تو فاطمہ نے نفی میں سر ہلا دیا اور اسے دیکھتی ہوئی پوچھنے لگی۔

"آپ اتنے ہونق کیوں لگ رہے ہیں، کہیں سے فرار ہو کر آئے ہیں؟" رجت سنگھ نے سر نفی میں ہلا دیا۔

"بی بی صاحبہ فرار کے لیے کسی کا تعاقب کرنا ضروری نہیں ہوتا کبھی کبھی انسان ایک مقام پر رکتا ہے تب بھی اندر بھاگتا دوڑتا رہتا ہے اور یہ فرار سے زیادہ کوئی اشتیاق ہوتا ہے جیسے وجود کسی راز کو تلاش رہا ہو جیسے کوئی تلاش چین سے بیٹھنے نہ دے رہی ہو۔" رجت سنگھ کا لہجہ مدھم تھا فاطمہ اسے خاموشی سے دیکھنے لگیں۔

"آپ کو کس شے کی تلاش ہے؟ آپ کی گفتگو عام فہم نہیں اس سے علم ہوتا ہے کہ آپ جو دکھتے ہیں وہ ہیں نہیں آپ کا ظاہر آپ کے باطن کا غماز نہیں۔ آپ کون ہیں؟" فاطمہ نے اسے الجھی نظروں سے دیکھا تو رجت سنگھ مسکرا دیا۔

"بی بی صاحبہ ہم کیا ہماری بساط کیا ہمارا ظاہر اور باطن تو ایک ہی رنگ میں رنگا ہے۔" اس کی آنکھوں میں ایک یاسیت دکھائی دی تھی فاطمہ اسے دیکھ کر رہ گئیں۔

"آپ کسی کے تعاقب میں ہیں؟" فاطمہ نے پوچھا۔

"شاید یہ تعاقب نہیں، کھوج کا سفر ہے۔" رجت سنگھ نے جواب دیا۔

"کھوج..... کس کی کھوج، کس کی تلاش میں ہیں آپ؟" رجت سنگھ نے بنا ان کی سمت دیکھے سر نفی میں ہلا دیا۔

"ہم نہیں جانتے، جانتے تو آپ کو آگاہ ضرور کرتے مگر معمہ جیسے جان کو آتا ہے۔" ان کا مدھم لہجہ بہت الجھا ہوا تھا۔

"کہیں معاملات دل تو نہیں۔" فاطمہ نے رجت سنگھ کو دیکھا اور وہ مسکرا دیا۔

"ہم جیسے خود سے بچھڑے لوگ معاملات دل سنبھالنے کی حیثیت نہیں رکھتے، عشق کے معاملات سمجھنے کو عقل ناکافی ہے اور رسائی کے لیے ذات چھوٹی..... دامن چھوٹا ہو تو چاند کی تمنا نہیں کرتے۔" اس کے لہجے کی یاسیت صاف محسوس کی جا سکتی تھی فاطمہ نے اسے بغور دیکھا اور وہ معذرت کرتا ہوا آگے بڑھ گیا فاطمہ الجھے انداز میں اسے دیکھنے لگی تھیں۔

☯.....□.....☯

"جنت ہم مشکل میں گھر رہے ہیں مگر سرا ہاتھ نہیں آ رہا ہم نہیں جانتے کیا کریں مگر یہ مشکل صورت حال ہے جس سے دل کو واسطہ ہے۔" وقار الحق گویا ہوئے تو جنت نے نم آنکھوں سے انہیں دیکھا۔

"لوٹ جائیے اور کبھی دوبارہ اس طرف کا رخ مت کیجیے گا۔" وہ قطعی لہجے میں بولیں، وقار الحق بے چین ہو اٹھے۔

"آپ کا دکھ سمجھتے ہیں جنت، مگر فی الحال ہم سمجھ نہیں پا رہے کہ صحیح راہ کیا ہے۔" وقار الحق غمزدہ تھے جنت نے ان کا ہاتھ تھاما اور مدھم لہجے میں بولیں۔

"آپ کا یہ ہاتھ تھام کر چلنا ہمارے نصیب میں نہیں ہے..... آپ کا ہاتھ فاطمہ کے ہاتھوں کو تھامنے کے لیے بنا ہے ان کے مرمریں ہاتھ کو تھام کر آگے بڑھنے کے لیے بنا ہے وہی آپ کا سفر ہے اور وہی منزل بھی۔ ہم تو بس راہ کی دھول ہیں اور دھول سفر کا حصہ ہے منزل نہیں، ہم ستارہ ہوتے تو منزل کی نشاندہی کرتے مگر ہم تو خاک ہیں۔" وہ انتہائی غمزدہ تھیں۔

"ایسا مت کہیے..... خود کو ایسے مت کہیے جنت ہمیں تکلیف دے رہی ہیں آپ۔" وقار الحق نے کہا۔

Digitized by Google

"ہم آپ کو اس سفر میں گرد سمجھ کر چھوڑ نہیں سکتے۔"

"آپ کے لیے محبت کا دروازہ کھولنا ممکن نہیں۔" وہ طنز سے ہنس دیں۔

"ایسا مت کہیے۔" وقار الحق پُرملول لہجے میں گویا ہوئے۔

"ہمارے کہنے نہ کہنے سے صورت حال بدل نہیں جائے گی وقار..... سچ تو یہ ہے کہ ہماری ذات ایسی ہی بے وقعت ہو کر رہ گئی ہے اور رہی محبت تو اس کا کوئی وجود نہیں رہا محبت سر کا تاج بنتی ہے اگر تاج نہ بن سکے تو اس کی وقعت کچھ نہیں رہتی۔" جنت درد کی شدت سے گویا تھیں۔

حالات دونوں کے اختیار سے باہر تھے کوئی سرا ہاتھ نہ لگ رہا تھا دونوں غمگین تھے اور اسی غم کے ساتھ وقار الحق گھر لوٹ آئے۔

فاطمہ نے ان کا چہرہ دیکھا..... وقار نے دانستہ نگاہیں نہیں ملائی تھی فاطمہ سے۔ وہ قریب آئی اور فیصلہ کن انداز میں بولیں۔

"ہم جنت بی بی سے ملنے کے خواہاں ہیں تب ہی ہم کسی فیصلے پر پہنچ سکتے ہیں۔"

"کیسا فیصلہ؟" وقار الحق چونکے..... فاطمہ ان کا چہرہ دیکھ کر نگاہ پھیر گئیں۔

"ہم آپ کو غمزدہ نہیں دیکھ سکتے اس لیے ہم نے فیصلہ لیا ہے کہ آپ جنت سے نکاح کرلیں' ہم آپ کی اس محبت کو مکمل ہوتے دیکھنا چاہتے ہیں۔" فاطمہ کا انداز اور لہجہ قطعی تھا اور وقار الحق حیران رہ گئے۔

"یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ جانتی بھی ہیں؟" وقار الحق ششدر تھے جب وہ پُرسکون انداز میں مسکرائیں اور مدہم لہجے میں کہا۔

"عشق نہیں دیکھا..... عشق کی تکمیل ہی دیکھ لینے دیجیے۔" ان کے لہجے میں ایک لطیف سا طنز تھا وقار الحق پُرملال سے سر جھکا گئے۔

"ایسے مذاق مت کیجیے۔" انہوں نے درخواست کی تو فاطمہ مسکرا دیں۔

"ہم مذاق نہیں کر رہے..... ہم نے تو طغیانی بھی نہیں دیکھی سمندر کی اتھاہ گہرائی کا اندازہ کیوں کر کر پائیں گے' ہم سمندر کے اس بے پناہ شور کو کیوں کر سن سکتے ہیں' ہم تو اس نمی سے بھی واقف نہیں جو پیروں کو ساحل پر آ کر بھگوتی ہے' ہم کیوں کر تیرنے کا فن جان پائیں گے..... عشق تو آگ کا دریا ہے ناں اور ہمیں تو تیرنے کا فن معلوم ہی نہیں سو جن کو علم ہے انہیں اس سفر سے گزرتے دیکھنا ایک دلچسپ امر ہوگا ناں کیوں کہ کنارے پر رہ کر عشق کی اس منزلیت کو دیکھا جائے؟" فاطمہ پُرسکون انداز میں بول رہی تھیں ان کا لہجہ کوئی ہلچل نہ رکھتا تھا مگر وقار الحق کے اندر ایک طوفان برپا ہو چکا تھا۔

"ایسا کچھ ممکن نہیں..... آپ ہماری بیگم ہیں اور اس محل اور ہمارے دل پر راج کرنے کا حق آپ کے پاس ہے۔" اب کے فاطمہ بے ساختہ ہنس دیں۔

"آپ جنت بی بی سے نکاح کریں گے وقار الحق؟" بے تحاشہ ہنسنے سے فاطمہ کی آنکھوں میں نمی ٹھہر گئی تھی مگر ان کا لہجہ پُراعتماد تھا۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

Digitized by Google

محرم رشتہ

ماورا طلحہ

کبھی خود پہ کبھی حالات پہ رونا آیا
بات نکلی تو ہر بات پہ رونا آیا
ہم تو سمجھے تھے کہ ہم بھول گئے ان کو
کیا ہوا آج یہ کس بات پہ رونا آیا

پورے گھر میں افراتفری کا عالم تھا۔ گھڑی کی ٹک ٹک وقت کی کمی کا اعلان کررہی تھی۔ یہ روزانہ کا معمول تھا۔ تاخیر سے اُٹھنے کے باعث کوئی بھی کام وقت پر مکمل نہیں ہوتا تھا۔ بچوں کے اسکول کی وین باہر کھڑی ہوتی اور وین والا ہارن دیے جاتا، تب بچے ہاتھ میں ٹفن لیے بیگ کی اَدھ کھلی زپ کے ساتھ باہر کی جانب بھاگتے۔ اب بھی اسکول کا وقت ہوچکا تھا اور بچوں کا ناشتہ نہیں بنا تھا۔ اس ساری صورت حال سے شائستہ بیگم بہت تنگ تھیں۔ یہ نہیں تھا کہ اُنہیں بہو سے کوئی خاص مسئلہ تھا، بلکہ وہ ہر ممکن تعاون کرتی تھیں مگر جس کام کی ابتدا ہی غلط ہو، لاکھ کوشش کرلو، انجام اچھا نہیں ہوتا۔ اس وقت بھی وہ صبح کے اذکار ترک کرتے بہو کی مدد کے لیے کچن میں آ گئی تھیں۔

''امی میں کرلوں گی سارا کام، آپ باہر جا کر بیٹھیے۔ طارق نے دیکھ لیا تو پھر مجھے باتیں سنائیں گے کہ آرام کرنے کی عمر میں آپ سے کام کروا رہی ہوں۔'' اُنہیں کچن میں آتا دیکھ کر فرح فوراً شکوہ کرتے انداز میں جتا گئی۔

''ارے چھوڑو اسے، اس کے اُٹھنے میں ابھی وقت ہے۔ میں ناشتہ تیار کرتی ہوں، تم اتنی دیر میں بچوں کو تیار کرلو۔'' انہوں نے اس کے اعتراض کو پس پشت ڈالتے ہوئے اسے بچوں کے پاس جانے کے لیے کہا۔

''امی بچے ناشتے میں سادہ چیزیں پسند نہیں کرتے، اس لیے آپ رہنے دیں۔ میں خود ان کی پسند کا پکا لیتی ہوں۔'' فرح نے ایک نیا نکتہ اٹھایا تو چولہے کی طرف بڑھتے ان کے قدم رک گئے۔ اس کی بات بھی بجا تھی کہ بچے نت نئی چیزوں کی فرمائش کرتے تھے اور وہ ایسے پکوان تیار کرنے میں ماہر نہیں تھیں۔

''ٹھیک ہے تم یہاں دیکھ لو میں بچوں کو دیکھتی ہوں۔'' وہ عجلت میں کہتی باہر چلی گئیں۔

بچے تقریباً تیار ہی تھے۔ علی اپنی کاپیاں بیگ میں رکھ رہا تھا جب کہ فاطمہ، ماں کا موبائل پکڑے کارٹون دیکھنے میں مصروف تھی۔

''فاطمہ بیٹی آپ بھی اپنا بیگ چیک کرلو۔'' انہوں نے فاطمہ سے کہا اور اسی اثناء میں اسکول وین کا ہارن سنائی دیا۔

بچوں نے جھٹ بیگ بند کیے اور ٹفن کے لیے کچن کی طرف دیکھنے لگے۔ فرح نے ٹفن بچوں کو پکڑائے اور

Digitized by Google

بچے ناشتہ کیے بنا باہر کو بھاگ گئے۔

''بہو..... بچے بھوکے جائیں گے تو پڑھیں گے کیا؟ صبح کا ناشتہ سب کے لیے بہت ضروری ہے مگر ہمارے بچے اکثر ہی ناشتہ کیے بناء جاتے ہیں۔'' بچوں کو بھیج کر فرح اُن کے پاس ہی صوفے پر بیٹھ گئی تو انہوں نے روز کی بات ایک دفعہ پھر دہرائی۔

''امی..... طارق انہیں پاکٹ منی دیتے ہیں، وہ اسکول میں بھی کچھ نہ کچھ کھا لیتے ہیں۔ آپ فکرمند نہ ہوں۔'' فرح نے دھیمے لہجے میں جواب دیا اور اندر کو بڑھ گئی۔

''باہر کی چیزوں کا گھر کی چیزوں سے کیا مقابلہ مگر یہ آج کل کی مائیں جانے کس روش پر چل پڑی ہیں۔'' ان کا پُرتفتیش تبصرہ سننے والا وہاں کوئی نہیں تھا۔

تھوڑی دیر پہلے والے مناظر طارق کے دفتر جاتے وقت پھر دہرائے جانے تھے اور وہ جلنے کڑھنے کے سوا کچھ نہیں کر سکتی تھیں، اس لیے انہوں نے ہمسائے کے گھر کا رُخ کیا تاکہ تھوڑی دیر وقت گزاری کے ساتھ ساتھ دل کا بوجھ بھی ہلکا ہو جائے۔

❁.....❁.....❁

اسٹیٹس اور جدید روایات کے دلدادہ معاشرے میں بھی وہ پرانی قدروں کو پسند کرتی تھیں اور اسی باعث اردگرد کے گھروں میں ان کی اچھی خاصی جان پہچان تھی۔ ثریا بیگم نے انہی کے مشورے پر محلے کی بچیوں کو سپارہ پڑھانا شروع کیا تو دیکھتے ہی دیکھتے اچھی خاصی تعداد میں پڑھنے والے بچے جمع ہو گئے۔ وہ محلے کی عورتوں کے چھوٹے موٹے مسائل اپنی دانش مندی سے حل کر دیتیں مگر آج کل کی پڑھی لکھی لڑکیاں خود کو ہی عقلِ کل سمجھتی تھیں۔

''شائستہ آپا ہمارا دور تو گزر گیا، اب ہمارے ہاتھوں سے تربیت پائے بچے اگلی نسل کو پروان چڑھا رہے ہیں۔ ان کی نظر میں ہمارے بال تو دھوپ میں سفید ہوئے ہیں، اس لیے میرے خیال میں بہتر یہی ہے کہ خاموشی سے دُنیا کے رنگ دیکھتے جائیں۔ ہم جتنی نصیحتیں کر لیں، کرنی انہوں نے اپنے دل کی ہے تو فائدہ انہیں

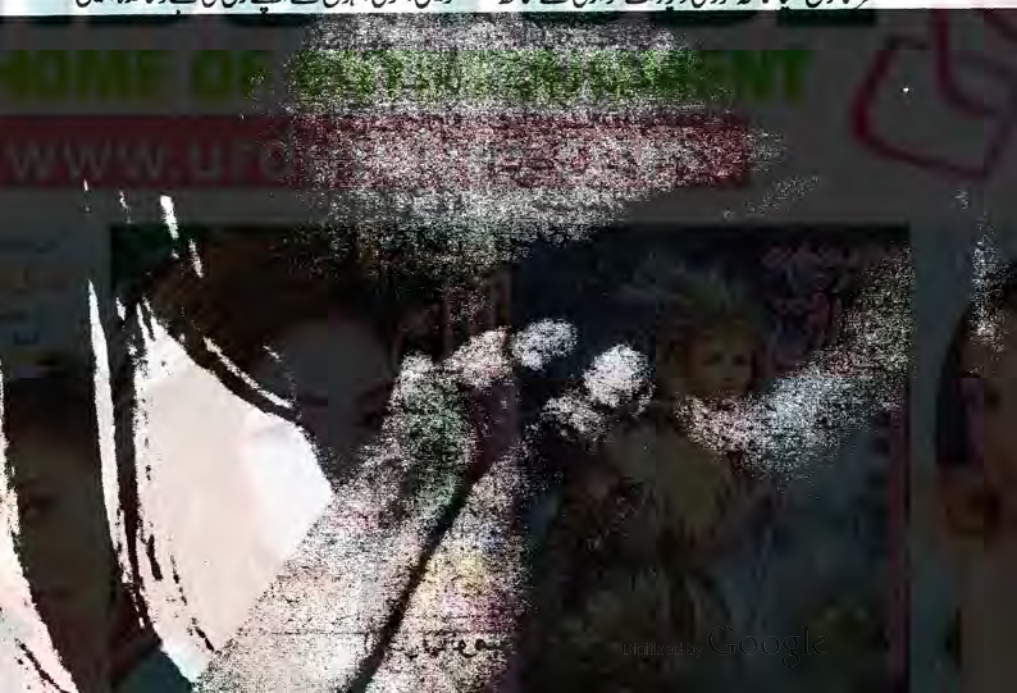

نئے اسباق پڑھانے کا؟'' ان کی ساری فکر مندی کو ثریا بیگم نے چٹکی میں اُڑا دیا تھا۔

''ثریا، ہمارا فرض ہے بچوں کو غلط اور صحیح کی تمیز سکھائیں۔ اگر ہم اس فریضے سے منہ موڑ لیں گے تو سب کچھ بہت تیزی سے بگڑتا جائے گا۔'' ان کی سوچ ثریا بیگم کے خیال کی تائید نہیں کر رہی تھی۔

''سب کی ہدایت کی دعا کر دیجیے آپا۔ اس دور میں اس سے زیادہ بڑوں کے بس میں کچھ نہیں ہے۔'' وہ کہتے ہوئے اُٹھ گئیں تاکہ بچوں کے پڑھنے کے لیے بچھی چٹائیاں اٹھالیں۔

❁.....❁.....❁

''امی کھانا لگ گیا ہے کھا لیجیے۔'' وہ فون پر بات کر رہی تھیں کہ فرح نے دروازے پر کھڑے ہو کر کھانے کا بتایا اور اُن کا اثبات میں ہلتا سر دیکھ کر واپس مڑ گئی۔ انہوں نے گفتگو سمیٹتے فون بند کیا اور ڈائننگ ٹیبل پر آ گئیں۔

''فوزیہ تم سب کو سلام کہہ رہی تھی۔'' انہوں نے کھانے سے پہلے بیٹی کا پیغام سب تک پہنچایا۔

''وعلیکم السلام۔ امی اسے کہتیں چکر ہی لگا لے کافی عرصہ ہو گیا اسے آئے ہوئے۔'' طارق نے سلام کا جواب دیتے ہوئے کہا۔

''میں نے کہا ہے، وہ بچوں کی چھٹیوں میں آنے کا ارادہ رکھتی ہے۔'' کھانا پلیٹ میں نکالتے ہوئے انہوں نے جواب دیا۔

''طارق، باجی کی کال آئی تھی۔ ان کا دیور یہاں جاب کے سلسلے میں آ رہا ہے۔ وہ چاہتی ہیں جب تک اس کی رہائش کا بندوبست نہ ہو جائے، ہم اسے اپنے گھر میں رکھ لیں۔'' فرح نے طارق کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''لیکن بہو، ایک انجان شخص کو ایسے رکھ لینا کہاں کی عقل مندی ہے؟'' انہوں نے سوال فرح سے کیا مگر دیکھا بیٹے کو تھا۔

''آپ نے بھی کیا بات کر دی امی؟ میری باجی کا دیور ہے، اچھی خاصی جان پہچان ہے۔ طارق بھی کئی دفعہ مل چکے ہیں اور کتنی بار تو امی کے گھر میں بھی مل چکی ہوں۔'' شائستہ بیگم کے سوال پر فرح حیرت کے زیر اثر جواب دے رہی تھی۔

''تمہاری باتیں بجا ہیں مگر اس سب کے باجود میں اس بات کو مناسب نہیں سمجھتی۔'' انہوں نے اپنا موقف واضح کیا۔

''طارق..... باجی نے اتنے مان سے مجھے کہا ہے۔ میں کیسے انہیں انکار کر دوں؟ میرے انکار سے باجی کا گھریلو ماحول خراب ہو جائے گا۔ میں تو بالکل انکار نہیں کر سکتی۔'' فرح ان کے موقف کی شدت سے منکر ہوئی۔

شائستہ بیگم نے خاموشی سے فرح کی شدت پسندی دیکھی اور طارق کے چہرے پر اثبات کے رنگ کی جھلک دیکھ کر انہیں صورت حال کا ادراک ہو گیا تھا۔

''امی..... میرے خیال میں فرح ٹھیک کہہ رہی ہے اگر ہماری وجہ سے باجی کے سسرال میں کوئی مسئلہ ہو گا تو برے ہم ہی بنیں گے اور ویسے بھی چند دنوں کی بات ہے، اس کے بعد وہ اپنا ٹھکانہ ڈھونڈ لے گا۔'' طارق کی بات سے فرح کے چہرے پر مسکراہٹ لوٹ آئی تھی۔

کھانے کے بعد چائے کا دور چلا اور ساتھ میں گفتگو کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ بچے کارٹون دیکھنے میں مگن تھے اور شاید اسی بات پر کوئی لڑائی ہوئی اور علی منہ پھلائے اُن کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔

''کیا ہوا اب کس بات پر لڑائی ہو گئی؟'' انہوں نے علی کو گود میں بٹھاتے ہوئے پوچھا۔

''دادو، فاطمہ مجھے کارٹون نہیں دیکھنے دے رہی۔ آپ اسے کہیں مجھے بھی موبائل دے۔'' علی نے رنجیدگی سے مسئلہ بتایا تو انہوں نے فاطمہ کو پاس بلایا۔

''بیٹا..... بھائی کو بھی ساتھ بٹھاؤ۔ ایسے اکیلے دیکھنا اچھی بات نہیں ہے۔'' انہوں نے پیار سے سمجھایا۔

''دادی، مجھے پرنسز والے کارٹون دیکھنے ہیں اور بھائی کو بین ٹین والے۔ آپ بھائی کو پاپا والا موبائل دے دیں۔'' فاطمہ نے سنجیدگی سے اپنا مسئلہ بتا کر ساتھ تجویز بھی پیش کردی۔

''یہ اچھی بات نہیں ہے بیٹا، کافی دیر سے آپ دیکھ رہی ہو، اب کچھ وقت بھائی کو دے دو۔ اچھے بچے بڑوں کا کہنا مانتے ہیں۔'' انہوں نے پیار سے کہا تو فاطمہ نے نہ چاہتے ہوئے بھی موبائل انہیں تھمادیا۔

انہوں نے موبائل اسکرین دیکھی تو حیرت کا شدید دھچکا لگا۔ اس سے پہلے ایسا موقع نہیں آیا تھا کہ انہوں نے دیکھا ہو کہ بچے کون سے کارٹون دیکھتے ہیں۔ اسکرین پر نظر آنے والا منظر ان کی توقع کے برعکس تھا۔ چھوٹے کپڑے، محبت کا والہانہ انداز، رقص کی محفل، کچھ بھی ایسا نہیں تھا جو انہیں پسند آیا ہو۔ علی کو موبائل پکڑاتے ہوئے انہوں نے ایک نظر ڈائننگ ٹیبل پر موجود بیٹے اور بہو کو دیکھا، جو آنے والے مہمان کی تیاری کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے ہر چیز سے بے خبر تھے۔

تاسف کی ایک شدید لہر اُن کے وجود میں سرائیت کر گئی تھی۔ فرح کو کچھ بھی کہنے کے بجائے انہوں نے بچوں کو سمجھانے کا ارادہ کیا تھا کیونکہ فی زمانہ بڑوں کی نسبت بچوں کو سمجھانا آسان تھا۔

❁.....❁.....❁

''امی، یہ معاذ ہے۔ فرح نے کچھ دن پہلے اسی کے متعلق بات کی تھی اور معاذ یہ میری والدہ ہیں۔'' رات کے کھانے پر معاذ سے سامنا ہونے پر طارق نے اسے شائستہ بیگم سے متعارف کروایا۔

''السلام علیکم۔'' معاذ نے انہیں ادب سے سلام کرتے ہوئے سر آگے کیا تو شائستہ بیگم نے اس کے سر پر پیار سے ہاتھ رکھ دیا۔ دیکھنے میں انہیں لڑکا بھلا لگا تھا اور اسی سوچ نے قدرے اطمینان بھی بخشا۔ بچے بھی موبائل چھوڑ اس سے ہی باتوں میں مصروف تھے۔

کھانے کے بعد چائے کا دور چلا تو اِدھر اُدھر کی گفتگو بھی ہونے لگی۔ فرح، بہن کے متعلق باتیں کررہی تھی جب کہ طارق شہر کے حالات اور دفتر کی صورت حال کے بارے میں اظہارِ خیال کررہا تھا۔ اس سب میں بیٹھنا انہیں فضول لگا تو وہ جانے کے لیے اُٹھ گئیں۔

''آنٹی بیٹھیے ناں، آپ کیوں اتنی جلدی جارہی ہیں؟'' ان کا اُٹھنا معاذ کو فوراً متوجہ کرگیا تھا۔

''نہیں بیٹا، مجھے صبح جلدی اُٹھنا ہوتا ہے اس لیے رات میں بھی وقت پر سونے کے لیے لیٹ جاتی ہوں۔'' شائستہ بیگم نے مفصل جواب دیتے ہوئے اپنے کمرے کا رخ کیا۔

گھر میں معاذ کی آمد سے کافی رونق ہوگئی تھی۔ طارق اور معاذ میں رات گئے گفتگو کا سلسلہ جاری رہتا۔ بچے بھی اس سے بہت مانوس ہوگئے تھے اور اب اکثر موبائل پر کارٹون دیکھنے کے بجائے معاذ کے ساتھ مصروف رہتے۔ شائستہ بیگم کے سارے خدشات پانی کا بلبلہ ثابت ہورہے تھے اور وہ مکمل طور پر مطمئن ہوجاتیں اگر معاذ کی گود میں فاطمہ کو بیٹھے نہ دیکھ لیتیں۔

❁.....❁.....❁

چھٹی کا دن تھا، بچے کھیل کود میں مصروف تھے۔ فرح اور طارق ضروری خریداری کے لیے مارکیٹ گئے ہوئے تھے۔ اکثر اتوار کو شائستہ بیگم محلے کا چکر لگا لیتی تھیں مگر معاذ کی موجودگی میں انہوں نے جانے سے گریز کیا تھا۔

کمرے میں فارغ بیٹھنے کی بجائے انہوں نے کچن کا رخ کیا تاکہ ساتھ دوپہر کے کھانے کے لیے کچھ تیاری کرلیں۔ کچن میں فریج سے گوشت نکالتے ایک نظر لاؤنج میں دیکھا تو علی، معاذ کے ساتھ جڑ کے بیٹھا تھا جب کہ فاطمہ اس کی گود میں چڑھی ہوئی تھی۔ فاطمہ نے سفید رنگ کا فراک پہنا ہوا تھا۔ انہیں معاذ کے چہرے پر عجیب سے تاثرات نظر آئے مگر وہ انہیں سمجھنے سے قاصر تھیں اور شاید لاعلم ہی رہتیں اگر نظر فاطمہ کی عریاں ٹانگوں پر رکھے معاذ کے ہاتھوں پر نہ چلی جاتی۔ انہوں نے اپنا وہم سمجھتے ہوئے دماغ میں اودھم مچانے والے خیالات کو

Digitized by Google

جھٹکا اور فاطمہ کو آواز دے کر اپنے پاس بلا لیا لیکن اس سلسلے میں فرح سے بات کرنے کا مکمل تہیہ کر لیا تھا۔

"فرح، اب فاطمہ بڑی ہوگئی ہے، تمہیں اس کے لباس کا خیال رکھنا چاہیے۔" رات کھانے کے بعد طارق اور معاذ کسی سیاسی مسئلے پر بات کر رہے تھے، ایسے میں وہ فرح کو لیے اپنے کمرے میں آ گئی تھیں۔

"کیا مطلب ہے آپ کا؟ ابھی صرف پانچ سال کی تو ہے، اس کے لباس میں ایسی کیا برائی دیکھ لی آپ نے؟" فرح نے حیرت سے شائستہ بیگم کو دیکھا۔

"برائی کوئی نہیں ہے فرح، میں بس یہ کہہ رہی ہوں کہ تم کوشش کرو فاطمہ کو فراک کے نیچے پاجامے پہنایا کرو۔ ابھی سے عادت ہوگی تو بڑے ہو کر ستر ڈھانپنے کا سلیقہ آئے گا۔" انہوں نے ڈھکے چھپے لفظوں میں بات عیاں کی۔

"امی، مجھے آپ کی بالکل سمجھ نہیں آ رہی۔ ابھی وہ چھوٹی سی بچی ہے اور آپ چاہتی ہیں کہ میں ایسی دقیانوسی حرکات کر کے اس کا بچپن چھین لوں۔ پانچ سال کی عمر میں تین گز کا دوپٹہ اوڑھا دوں؟" فرح ان کا مدعا سمجھے بنا جو منہ میں آیا بولتی چلی گئی۔

"تم بات سمجھ نہیں رہی ہو فرح۔ اب گھر میں معاذ بھی ہوتا ہے تو اس صورت حال میں فاطمہ کا اس طرح رہنا مجھے معیوب لگتا ہے میں....."

"بس کر دیں امی۔" فرح نے انہیں درمیان میں ہی ٹوک دیا۔ "آپ کی باتیں مجھے اپنی حد تک برداشت ہو جاتی تھیں مگر آپ تو میری پھول سی بچی پر الزام لگا رہی ہیں۔ معاذ اس کا ماموں ہے اور آپ کیا سوچ رہی ہیں؟" فرح کے چہرے پر صدمے کے تاثرات واضح محسوس کیے جا سکتے تھے۔ وہ بات کرتے ہوئے کھڑی ہوگئی تھی۔

"فرح تم پھر سے بات کو اپنے رنگ میں لے رہی ہو۔" انہوں نے بات کی وضاحت دینے کی کوشش کی مگر دروازے کے وسط میں کھڑے طارق کو دیکھ کر وہ چپ کر گئیں۔ ان کی خاموشی کی وجہ طارق کے چہرے کے تاثرات تھے۔

"امی، فرح بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے۔ آپ کی ساری باتیں ہم سن لیتے ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ میری بچی کے حوالے سے ایسی بات کریں۔" وہ اپنے تئیں بات ختم کرتے ہوئے وہاں سے چلا گیا اور اس کے پیچھے فرح بھی چلی گئی تھی۔

وہ بہت ہمت اور حوصلے والی خاتون تھیں مگر اس پل نہ جانے کیوں ان کی آنکھوں میں نمی جھلکنے لگی تھی۔ انہیں بیٹے اور بہو کی بات سے تکلیف نہیں ہوئی تھی بلکہ ان کے چہروں سے جھلکنے والے بے یقینی اور بے اعتمادی کے تاثرات رنجیدہ کر گئے تھے۔ یہ ساری صورت حال ان سے وہ فیصلہ کروا گئی جو ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔

❁.....❁.....❁

فوزیہ سال میں دو دفعہ میکے آتی تھی۔ گرمیوں کی چھٹیوں میں قیام لمبا ہوتا جب کہ سردیوں میں کم چھٹیوں کے باعث تھوڑے دن رہتی تھی۔ اس دفعہ بھی وہ زور و شور سے میکے جانے کی تیاریوں میں مصروف تھی مگر صبح سویرے شائستہ بیگم کی آمد سے متوحش کر گئی تھی۔

شادی کے اتنے سالوں میں وہ کبھی اکیلی اس کی طرف نہیں آئی تھیں، اس لیے اس کی پریشانی بجا تھی۔ اس کے پوچھے جانے والے ہر سوال پر انہوں نے خاموشی اختیار کیے رکھی۔ شائستہ بیگم کو بیٹی کے گھر آئے مہینہ ہونے والا تھا۔ اس دوران طارق کی ایک دو بار کال آئی مگر اس کے اصرار پر بھی وہ خود کو واپس جانے کے لیے قائل نہیں کر سکی تھیں۔ وہ اس بات سے آگاہ تھیں کہ ایک دن انہیں واپس جانا ہے مگر اپنی بات کا بے مول جانا اُن کی تکلیف کم نہیں کر رہا تھا۔ انہیں امید تھی کہ ان کا یوں چلے آنا طارق کو پشیمان کرے گا مگر ویسا کچھ نہیں ہوا تھا۔ اس سے پہلے کہ ان کا انتظار کبھی نہ ختم ہوتا، انہوں نے واپس جانے کا فیصلہ کر لیا۔

"امی..... طارق بھائی، بھابی اور بچے آئے ہیں۔"

Digitized by Google

وہ کمرے میں تھیں کہ اچانک کمرے کا دروازہ کھول کر فوزیہ اندر آئی۔

''میں نے انہیں بٹھایا ہے، اب آپ بھی جلدی سے آجایئے۔'' انہیں آنے کا کہتے ہوئے وہ عجلت میں واپس پلٹ گئی۔

صبح سویرے ان سب کی آمد شائستہ بیگم کو خوشگوار حیرت سے دوچار کرگئی تھی۔ وہ رات میں فوزیہ سے کہہ چکی تھیں کہ آج اس کا خاوند آفس جاتے ہوئے انہیں ٹرین میں بٹھا آئے اور اب اس طرح ان سب کا آنا ان کی آنکھوں کو خوشی سے نم کرگیا تھا۔ وہ بستر سے اُٹھ ہی رہی تھیں کہ اسی لمحے فرح کمرے میں داخل ہوئی۔

''السلام علیکم امی۔''

''وعلیکم السلام! تم کیوں چلی آئیں؟ میں باہر ہی آرہی تھی۔'' انہوں نے آگے بڑھ کر فرح کو گلے لگایا۔

''امی مجھے معاف کردیں، میں بہت شرمندہ ہوں اور اسی لیے آپ کے پاس آئی ہوں تاکہ اکیلے میں بات کرسکوں۔'' فرح نے ان کے ہاتھ تھام لیے' شرمندگی اس کے لہجے سے عیاں تھی۔

وہ پل میں اس کی بات کا پس منظر سمجھی تھیں اور اسے ایسا کہنے سے منع کرنے کے باوجود منع نہیں کرسکی تھیں۔

''آپ نے بالکل ٹھیک کہا تھا امی۔ ہمیں اپنی اولاد کی خود حفاظت کرنی چاہیے' جب ہمارا مذہب کہتا ہے کہ بچی بالغ ہونے کے بعد باپ کے ساتھ نہ بیٹھے تو بالکل ٹھیک کہتا ہے۔ ہمیں محرم رشتوں سے فاصلے کی تلقین ہے تو اس میں بھی ہماری بھلائی پوشیدہ ہے۔ مجھے سمجھنے میں دیر ہوگئی۔'' اس کے لہجے میں کسی انہونی کا کرب تھا، جو ایک لمحے میں شائستہ بیگم کے دل تک پہنچا تھا۔

''سب خیر ہے ناں؟'' انہوں نے دہل کر پوچھا۔

''امی آپ نے معاذ کے متعلق بالکل ٹھیک کہا تھا، وہ جتنا بھی شناسا تھا مگر گھر میں رکھنے کے لیے شناسائی کا نہیں، رشتے کا ہونا ضروری ہے۔ کاش یہ بات میں پہلے سمجھ جاتی۔'' ان کی کہی ہر بات کا اقرار کرتے ہوئے وہ گزرے دن کے بارے میں سوچنے لگیں۔

وہ معاذ کے آنے سے بے حد خوش تھی کیونکہ بچے اس سے بہل گئے تھے۔ اب ہر وقت اس کا موبائل لیے کارٹون دیکھنے میں مگن نہیں رہتے تھے اور وہ کسی فرصت کے لمحے میں واٹس ایپ اور فیس بک استعمال کرلیتی تھی۔

شائستہ بیگم کی بات ایسے میں اس کے لیے ایک جھٹکا تھی مگر بہت جلد وہ اس جھٹکے کے اثر سے نکل آئی تھی اور پتہ نہیں وہ کب تک خوش فہمیوں کی دُنیا میں مست رہتی اگر ایک دن اس کی نگاہ میں فاطمہ کے جسم پر سانپ کی طرح رینگتے معاذ کے ہاتھ نہ آگئے ہوتے اور ایک لمحے میں اس کی روح میں شائستہ بیگم کی روح تحلیل ہوئی تھی۔

''امی، میری ساری کوتاہیوں کے لیے مجھے معاف کردیں اور گھر چلیے..... ہمارا گھر آپ کے بنا نامکمل ہے۔'' اس نے نم آنکھوں سے ان کے ہاتھ تھامے۔

انہوں نے اس کے ہاتھوں کو مضبوطی سے تھامتے ہوئے اپنے ساتھ کا یقین دلایا..... ان کے سامنے بیٹھے وجود کو حالات نے کڑا سبق دیا تھا۔ وہ اسے اور پشیمان نہیں کرنا چاہتی تھیں۔ انہوں نے اپنا سامان اٹھایا اور فرح کو اپنے ساتھ لپٹائے باہر جانے کے لیے اُٹھ کھڑی ہوئیں، جہاں خوشیاں ان سب کی منتظر تھیں۔

Digitized by Google

میری زہرہ جبیں

حمیرا شعیب

لوٹ آئے نہ کسی روز وہ آوارہ مزاج
کھول رکھتے ہیں اسی آس پہ در شام کے بعد
تو ہے سورج تجھے معلوم کہاں رات کا دکھ
تو کسی روز میرے گھر میں اتر شام کے بعد

زخم اگر اپنوں سے ملیں تو درد کئی گنا بڑھ جاتا ہے۔ اس بات کا ادراک اس سے بڑھ کر کون کرسکتا تھا؟ کبھی کبھی اسے محسوس ہوتا کہ اس کے چہرے پر ایک تحریر درج ہے جسے امی بھابیاں اور ان سے ملنے ملانے والیاں حتی الوسع زور وشور سے پڑھ کر اس کی ذات کے پرخچے اڑا کر خط اٹھاتی ہیں' جسکے لے کر اس کی ذات کے ادھورے پن کو دوسروں پر عیاں کرتی ہیں۔ یہ سب اس قدر دردناک اور بھیانک تھا کہ اسے زندگی سخت کٹھن اور دشوار لگنے لگی تھی۔ وہ زیست کے پچیس برس پر محیط سفر طے کر چکی تھی اور رفتہ رفتہ وقت گزرنے کے ساتھ زندگی کا دائرہ تنگ ہوتا جارہا تھا۔ لوگوں کی نظروں' گفتگو' طعنوں سے اور اپنی ذات کی بے توقیری کے احساس محرومی سے۔

بلاشبہ وہ بلا کی حسین تھی مگر لوگوں کی تاسف بھری نظروں نے اس کے دو آتشہ حسن کو گہنا دیا تھا۔ لوگوں کی نظروں میں رحم دیکھ کر میں بے بسی سے اپنے دائیں ہاتھ کو تکنے لگتی۔ معمولی سائز سے تھوڑا چھوٹا وہ ہاتھ اپنے وجود سے کئی گنا زیادہ بدصورت دکھائی دیتا' گو کہ وہ روز مرہ امور اور ان کی انجام دہی میں دوسرے ہاتھ کے مساوی فعال تھا مگر اس کی بدصورتی اور دونوں ہاتھوں کے اس تضاد نے اس کی شخصیت میں ادھورا پن پیدا کردیا تھا۔

اماں ہر وقت اس کے لیے متفکر رہتی تھیں کئی لوگ آتے اسے دیکھتے خاطر مدارت کرواتے آپس میں چہ مگوئیاں ہوتیں جاتے اور پھر پلٹ کر خبر نہ لیتے۔ اکثر برملا اظہار کر جاتے کہ لڑکی کے کمزور ہاتھ کا اثر ان کی آئندہ نسل پر بھی اثر انداز ہوسکتا ہے لہٰذا معذرت قبول کیجیے۔

رات رانی بھابی کی سہیلی مونا کی چھوٹی بہن کی بارات کی تقریب تھی۔ وہ سدا کی ملنسار اپنی طبیعت سے مجبور اسے اور اماں کو بھی ساتھ لے گئیں۔ ایسا تو ناممکن تھا کہ اماں اسے چھوڑ کر چلی جاتیں۔ ان کا بس چلتا تو بازار سے سبزی لاتے وقت بھی اسے ساتھ لے جاتیں' بقول ان کے انسان کو کیا خبر اللہ اس کے جوڑ کو زندگی کے کس مقام پر اس سے ملادے۔ صرف ٹکراؤ کی تاخیر ہوتی ہے پھر سب آناً فاناً طے پاجاتا ہے راحیلہ بھابی فوراً کہتیں۔

"ٹکراؤ بھی یونہی رونما نہیں ہوجاتے اماں اس کے لیے ہاتھ پاؤں کو جنبش اور ذہن کو وسعت دینی پڑتی ہے اپنی حور میں یہ صلاحیتیں ناپید ہیں۔"

"بات تو تیری ٹھیک ہے راحیلہ۔" اماں لمحہ بھر میں بہو سے صد فیصد متفق نظر آتیں۔ فوراً ٹھنڈی آہ بھر کر رہ جاتیں۔ مونا کی بارات میں رانی نجانے کن کن جاننے والیوں سے بڑھ چڑھ کر اس کا تعارف کرائی رہی جب کہ وہ بمشکل مسکرانے پر اکتفا کرتی رہی۔ گھر آئے تو اماں نے خوب خبر لی۔

"چہرے پر بارہ بجائے رکھتی ہے گویا کوئی غم دل کو لگا

Digitized by Google

ہو..... ہنستی مسکراتی چہکتی ہوئی لڑکیاں سب کو بھاتی ہیں مگر اس کے اندر نجانے کس صدی کی روح چھپی بیٹھی ہے..... اس صورت حال میں کون ہاتھ مانگنے آئے گا؟ اپنے اندر موجود کمی کا ہی احساس کرلیا کر لڑکی۔" یہ کمی ہی تو تھی جس نے اس کی زیست کی ہر خوشی چھین لی تھی۔ وہ صرف سوچ کر رہ گئی۔ رانی بھابی بھی وہیں موجود تھیں وہ کیونکر خاموش بیٹھتیں فوراً بھڑک اٹھیں۔

"اور نہیں تو کیا اماں..... کل دیکھا کیسے منہ پھلائے بیٹھی تھی۔ مونا کی چھوٹی بہن نے تو برملا اظہار بھی کردیا کہ آپی تمہاری نند ذرا مغرور لگتی ہے۔ اللہ جانے کس بات کا زعم ہے؟ مجال ہے جو کسی سے گھلنے ملنے کی زحمت گوارا کرلے۔ اس کی شادی کا خیال تو دل سے نکال ہی دو تم۔" وہ حسب معمول خاموش رہی تھی۔

❁.....❁.....❁

ابا کے کسی دوست کا بیٹا امریکہ سے ڈاکٹر بن کر لوٹا تھا۔ اس موقع پر انہوں نے دعوت رکھی تھی۔ وہ سب بھی بصد اصرار مدعو تھے۔ اماں کے ہاتھ گویا امید کی نئی ڈور آ گئی تھی۔ اٹھتے بیٹھتے اسے نصیحتیں کرتیں بھابیاں بھی لوگوں میں خود کو نمایاں کرنے کے طور طریقے سمجھا رہی تھیں وہ خاموشی کا قفل منہ پر لگائے انہیں سن رہی تھی۔

اماں اس کا چہرہ بغور تک رہی تھیں۔ انہیں وہاں گہری تھکن نظر آئی تو اس کا دل دکھ سے بھر گیا۔ بڑھتی عمر کے اثرات بھی چہرے سے جھلکنے لگے تھے رعنائی کی ایک لکیر بھی اس کے چہرے پر کھوجنے سے نہ ملی تھی۔ انہیں لگتا تھا وہ بے فکر رہتی ہے مگر آج اس کی پیشانی پر نمودار شکنجوں کا جال اس کی تمام تر پریشانیوں کا غماز لگ رہا تھا۔

"حور عین اللہ تعالیٰ نے کسی ذی روح کو بے جوڑ پیدا نہیں کیا بس ملن میں دیر سویر ہوجاتی ہے میری بیٹی تو جس قدر ٹیک ہے اللہ نے تیرا نصیب ہماری سوچ سے بڑھ کر رقم کیا ہوگا۔ دل چھوٹا مت کیا کر کیا حالت بنالی ہے اپنی۔" اماں اسے پاس بیٹھا کر دھیمے لہجے میں سمجھانے لگیں۔ دل پر چھایا غبار لمحہ بھر میں آنکھوں میں سمٹ آیا۔ اماں نے اسے فوراً گلے لگا کر پیشانی چوم لی۔

"میرا عقیدہ اتنا کمزور نہیں ہے کہ اللہ کے فیصلوں میں اپنی سوچ کو دخل دوں۔ میں تو سوچ رہی ہوں کہ کچھ دنوں کے لیے خالہ کے گھر چلی جاؤں۔" اماں نے حیرت سے اسے دیکھا۔ اس سے قبل اس نے کبھی کہیں رہنے کی بات نہیں کی تھی۔

"آپ اور بھابیاں میری وجہ سے پریشان رہتی ہیں۔ میں

HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com
Digitized by Google

نظروں سے دور ہو جاؤں گی تو آپ کی سوچ کو بھی کوئی نیا دھارا ملے گا۔" اماں ہکا دکا رہ گئی تھیں۔

❁.....❁.....❁

اگرچہ اماں نے اسے خالہ کے ہاں جانے سے منع کر دیا تھا مگر اس دن کے بعد انہیں چپ لگ گئی تھی، گہری سوچ میں ڈوبی رہتیں، کوئی بات کرتا تو اختصار سے کام لیتیں۔ بڑی بھابی کو ان کی یہ خاموشی دل ہی دل میں بری طرح کھٹک رہی تھی بلاشبہ ساس سے خوب بنتی تھی۔ تمام تر باہمی اختلافات کے باوجود اقران و امثال اور رشتہ داروں کی غیبتیں مل جل کر بڑے ذوق و شوق سے کی جاتی تھیں جب ہفتہ بھر انہیں بولنے پر اکسانے کی تمام تر کوششیں ناکام گئیں اور کوئی تسلی بخش پیش رفت نہ ملی تو دل ادب سا گیا۔

"کیا بات ہے اماں کوئی پریشان ہے تو مجھے بتائیں؟ آخر بڑی بہو ہوں آپ کی۔" انہیں بڑی بہو ہونے کا بڑا زعم تھا۔

"ارے تم سے اپنی پریشانیاں کہہ سن کر ہی تو اپنی بچی کو اس حالوں تک پہنچایا ہے میں نے کہ وہ خود کو اس گھر پر بوجھ سمجھنے لگی ہے دیکھ رانی..... نہ تو میری بچی عمر رسیدہ ہوئی ہے اور نہ ہی وہ مجھ پر یا اپنے باپ بھائیوں پر بھاری ہے لہٰذا آئندہ اگر کسی نے اس کی شادی کی بات کر کے اس کے دل پر ضرب لگائی تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔" اماں فوراً بھڑک اٹھیں تو رانی بڑبڑاتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔

❁.....❁.....❁

اس دن کے بعد ماحول پر عجیب سناٹا طاری ہو گیا تھا۔ اماں اور رانی بھابی جو ہر وقت کسی نہ کسی موضوع پر بحث کر رہی تھیں خاموشی کی چادر تانے رکھتیں۔ کوئی ضروری بات ہوتی تو وہ بھی مختصر کی جاتی گھر میں گمبھیر نما خاموشی کا راج رہتا۔ اتوار کو ابا کے دوست کے ہاں تقریب تھی۔ شازیہ بھابی جس قدر شوخ طبیعت رکھتی تھیں اسی قدر تقریبات کی بھی دلدادہ تھیں کسی تقریب میں شمولیت کے لیے اماں صبح ناشتے پر ہی سب کو یاد دہانی کرا دیا کرتی تھیں مگر اس بار اماں خاموش تھیں۔ اماں کی خاموشی پر بڑی بھائی دل تھام کر رہ گئیں۔ مبادا جانا ملتوی ہو جائے۔

دن گزر رہا تھا۔ وہ بہانے بہانے سے جا کر دونوں جٹھانیوں اور ساس کا جائزہ لے آئیں مگر وہاں تیاری کا نام و نشان نہ پایا تو واپس آ گئیں۔ شام کو ابا جلد ہی اپنا سپر اسٹور بند کر کے گھر لوٹ آئے۔ وہ جس قدر جوش و خروش سے گھر میں داخل ہوئے تھے بیگم کا اترا چہرہ اور بہوؤں کو خاموش اپنے اپنے کاموں میں مگن پا کر سارا جذبہ ماند پڑ گیا۔ اپنے تئیں فوراً صورت حال بھانپ کر تیوریوں پر بل چڑھائے اماں سے مخاطب ہوئے۔

"اوہ..... آخر کیا ضرورت پڑی تھی آپ کو اپنی یا بچوں کی تیاری کی۔ یہاں معاملہ آپ کے کسی عزیز رشتہ دار یا سہیلی کا نہیں ہے بلکہ میرے جگری دوست کا ہے جس نے بصد اصرار ہمیں مدعو کیا ہے اور نہ جانے پر ہمارے درمیان جو کشیدگی پیدا ہو سکتی ہے اس سے بھلا آپ کو کیا غرض؟"

"اپنے مفروضے اور قیاسات بند کریں میں نے خود پر دنیا کی ہر خوشی حرام کر لی ہے، جس کا دل چاہتا ہے خوشی سے جائے مگر میں ہرگز نہ جاؤں گی یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔" انہوں نے قطعیت بھرے لہجے میں کہا۔

اماں کی ہر خوشی خود پر حرام کر لینے والی عادت سے ابا بخوبی واقف تھے لہٰذا اپنے گول موٹے عدسوں والے چشمے کے پیچھے آنکھیں پٹپٹائیں اور مصنوعی حیرت سے اماں کو دیکھا۔ اگر معاملہ ان کے دیرینہ جگری یار کا نہ ہوتا تو وہ اس تقریب کو فضول قرار دیتے ہوئے چار حرف بھیج دیتے مگر ابھی تو دوست کی محبتوں کا قرض چکانے کا موقع آیا تھا۔ انہیں وہ وقت یاد تھا۔ جب انہوں نے ان کے چاروں بچوں کی شادی میں اپنوں سے بڑھ کر حصہ لیا تھا۔ وہ ان کے لیے بھائی جیسے تھے۔ یہ پُرمسرت موقع ہی ہوتے ہیں جب ہم اپنے خلوص اور اپنائیت سے اپنے پیاروں کو اپنی محبت کا احساس دلا کر تعلقات میں مزید خوشگواری پیدا کر سکتے ہیں۔

یہ ان کا نظریہ تھا لہٰذا وہ کیونکر اس تقریب کو فراموش کرتے۔ سب سے پہلے انہوں نے بیٹی اور بہو کو تیار ہونے کا حکم جاری کیا پھر بیگم پر چالیس برس پرانا کارگر حربہ آزمانے کے لیے بڑے مدبرانہ انداز میں گویا ہوئے۔

"بیگم اتنا علم تو آپ رکھتی ہوں گی کہ دوزخ میں شوہر کی نافرمان خواتین بکثرت ہوں گی۔"

"تو؟" اماں نے ناقابل فہم انداز میں ان کے چہرے کی جانب دیکھا۔

"آپ چاہتی ہیں کہ آپ کا شمار بھی ان خواتین میں ہو؟" انہوں نے ان کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا۔ کچھ دیر تک اماں

خاموش منہ بسورے بیٹھی رہیں پھر کچھ کہے بغیر ہی اٹھ کر تیار ہونے چل دیں جبکہ ابا کے چہرے پر مسکراہٹ آن ٹھہری۔ شازیہ بھابی کی تو مانو دلی مراد بر آئی تھی۔ خوشی سے چہکتیں آشنا چہروں سے ہیلو ہائے کرتی پھر رہی تھیں۔

"فردین انکل کا فرزند ڈاکٹر تیمور اتنا ہینڈسم اور پُرکشش ہے کہ ارد گرد لڑکیاں جھرمٹ بنا کر اسے گھیرے کھڑی ہیں۔ ایسے ایسے سوال پوچھے جارہے ہیں کہ گویا کوئی سلیبریٹی بیرونی ملک نیا بیاہ رچا کر وطن لوٹی ہو جب کہ وہ بیچارہ ہونق بنا کھڑا ہے۔" وہ ڈاکٹر تیمور کی تعریفوں میں رطب اللسان تھیں۔ حورعین کا دل اوچاٹ ہونے لگا تھا۔

اماں اور رانی بھابی کو فردین انکل کی بیگم شمینا آنٹی اپنے رشتہ داروں سے ملانے کے لیے اپنے ساتھ لے گئیں۔ رابیکہ بھابی ان کے ساتھ موجود نہ تھیں لہٰذا وہ اور شازیہ بھابی ٹیبل پر اکیلی تھیں۔ شازیہ بھابی کی لن ترانیاں جاری تھیں کہ وہ اسی جانب چلا آیا تھا لڑکیاں اب بھی اسے گھیرے ہوئے تھیں۔ بجلی کی مانند ایک خیال ان کی ذہن میں کوندا اور اگلے ہی پل جو بات انہوں نے حورعین سے کہی اسے سن کر وہ سنگ ہی تو اٹھی تھی۔

"بس کریں بھابی کسی نامحرم مرد سے گفتگو کی توجیہ دینے پر اب کو شرم آنی چاہیے آپ کی نظر میں ڈاکٹر تیمور یا اس جیسا کوئی بھی شخص اہمیت کا حامل ہو سکتا ہے مگر میرے لیے نہیں۔ کم از کم آپ سے مجھے یہ امید نہیں تھی۔ میرے خیال میں آپ میری اس قدر توہین نہیں کر سکتی تھیں۔" اس کے بھیگے لہجے میں تاسف و احساس شرمندگی تھا۔ جس نے اس کے چہرے پر کرب کی زردی پھیلا دی تھی۔ وہ جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

زندگی نے اس طرح کروٹ لی تھی کہ یک دم خوابناک لگنے لگی تھی۔ اچانک اتنی بڑی تبدیلی نے زندگی کے دروازے پر دستک دے ڈالی تھی کہ جملہ سردی میں ڈاکٹر تیمور کے سنگ بیٹھی بے یقینی کے عالم میں تھی۔

"دکھ اپنی مدت تک ہی ہماری زندگی میں شامل رہ کر آزمائش کا سبب بنتے ہیں جو لوگ صبر کا دامن تھام کر انہیں جھیلتے ہیں وہی کامیاب و بہادر انسان ٹھہرتے ہیں..... ماما نے مجھے تمہارے بارے میں کافی پہلے بتایا تھا۔ وقتی طور پر میں نے تمہارے بارے میں سوچا بھی تھا مگر جلد ہی تمہارا خیال میرے ذہن سے نکل گیا اور میں نے تمہیں دوبارہ کبھی نہ سوچا اگر اس دن تمہاری آواز میری سماعت سے نہ ٹکراتی اور تمہارے کردار کی پاکیزگی مجھے اپنا گرویدہ نہ بناتی، تمہارے لفظوں نے مجھے تحیر زدہ کر دیا تھا پھر میں تمہیں دیکھنے اور سوچنے پر مجبور ہو گیا۔" وہ دھیمے لہجے میں بولتا اس کے کانوں میں امرت گھول رہا تھا۔ وہ نگاہیں جھکائے ہمہ تن گوش تھی۔

"تمہارے چہرے پر کرب بکھرا تھا..... دل چاہا تمہارے قریب آؤں مگر میں تمہاری عزت نفس کو مجروح نہیں کرنا چاہتا تھا نہ ہی تم ان بہت ساری لڑکیوں میں سے تھیں جو میرا سایہ بن کر مسرت محسوس کر رہی تھیں، جنہیں دیکھ کر میں حیرت کے سمندر میں ڈوب ہی تو گیا تھا۔ ہماری مشرقی لڑکیوں کا یہ حال تھا کہ ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے جنون میں ایسے ایسے واہیات فیشن اپنائے ہوئے تھیں کہ عقل دنگ اور نظر جھک کر رہ جائے گفتگو میں مغربی لڑکیوں کی بے باکی کو بھی مات دی جارہی تھی۔ بہرکیف میرا یہاں آ کر اسی قسم کے لوگوں سے سامنا ہوا تھا جو کہ میری سوچ کے یکسر منافی تھا۔ میں جو امریکہ کے کلچر کو دیکھ کر اپنے پاکستانی ہونے پر شکر کرتا تھا اپنے لوگوں کی بے راہ روی دیکھ کر شرمسار ہو رہا تھا۔ ایسے لوگوں کے درمیان تمہاری موجودگی نے حقیقی معنوں میں مجھے خوشی و دلی اطمینان سے ہم کنار کر دیا تھا۔ شازیہ بھابی کا یہ جملہ کہ ڈاکٹر تیمور سے جا کر مل لو مگر ہاتھ ذرا چھپا کر رکھنا۔ ایسا نہ ہو اس کے ذہن میں کوئی خوش کن خیال جنم لینے سے پہلے ہی دم توڑ دے۔ میں بخوبی سن چکا تھا۔ مجھے حقیقتاً دکھ پہنچا تھا۔ ہم لوگ اپنی اخلاقی کامیوں کو بھلائے دوسروں کی ظاہری و بے معنی خامیوں کو اس طرح تلاشتے و کھوجتے ہیں گویا ان کے رونما ہونے میں ان کا کوئی دوش ہو۔ اخلاقی پسماندگی کی انتہا ہے۔ بہرحال میں نے ماما سے تمہارے متعلق پوچھا تو معلوم ہوا کہ تم وہی لڑاکا طیارہ ہو جو بچپن میں جھگڑا کر کے برابر مقابلہ کرنے کے باوجود گلا پھاڑ کر روتی تھیں کہ ہم کان بند کر کے بھاگ جانے پر مجبور ہو جایا کرتے تھے۔" وہ بے ساختہ ہنسی اور ڈاکٹر تیمور کو ایسا لگا گویا کئی ساز بج اٹھے ہوں۔

انہوں نے اس کے دائیں ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں تھاما پھر آہستگی سے لب اسی ہاتھ کی پشت پر رکھ کر اپنی محبت کی مہر ثبت کی وہ جھینپ گئی تو گہری مسکراہٹ نے ان کے لبوں کا احاطہ کر لیا..... یک دم چہار سو زندگی مسکرا اٹھی تھی۔

Digitized by Google

جمال ہم نشیں

حمیرا علی

عہد الفت کی کچھ تو سزا ہو
اچھا یوں کرو کہ مجھے بھلا دو
دفن کردو وہ سارے خط
میری تصویر تک جلا دو

ہر طرف چھایا عمیق سناٹا' پورے چاند کی دلفریب چاندنی' آسمان پر دُور و نزدیک موجود ستارے جیسے ایک دوسرے کے ہمراہ سرگوشیوں میں کسی خاص بات کی جانب اشارہ کرنے میں مصروف' سامنے کھڑے گھنے پیپل کے درخت کے سبز پتوں کے درمیان سے چھن چھن کر آتی روشنی سے نگاہ ہٹا کر وہ وقفے وقفے سے سر اُٹھا کر ستاروں کے مبہم اشاروں کو سمجھنے کی کوشش کرتی پھر دزدیدہ نگاہوں سے اطراف کا جائزہ لیتی کہیں کوئی آ تو نہیں گیا۔ یہی خوف تھا جو ذہن یکسوئی سے محروم کیے ہوئے تھا۔ وہ کبھی کسی لفظ کا ہاتھ تھامتی تو کبھی کسی جملے کا دامن پکڑتی' خیالات کے پیچھے دوڑ بھاگ کرتی نڈھال سی ہوگئی تھی۔ (عجیب مشقت ہے) اس نے تھک کر چہرہ گھٹنوں پر ٹکا لیا تھا۔

''طالعہ مراد! تم دن بھر مفت کی بیگار سے نہیں تھکتیں' تمہیں تمہاری کم ہمتی تھکا دیتی ہے۔ اس وقت کون سی عفریت تمہاری گھات لگائے بیٹھی ہے جو اتنی خوفزدہ ہو کہ چند لفظ لکھنا محال ہوگئے؟'' اس نے تنگ آ کر خود کو سرزنش کی اور ابھی وہ مزید اپنے آپ سے باز پرس کرتی کہ اس سے پہلے ہی کسی نے دبے قدموں آ کر اس کے سامنے رکھے صفحات اُٹھا لیے تھے۔ وہ خود میں اتنی مگن تھی کہ آہٹ تک نہ سن سکی۔ وہ اس کے قریب کشادہ سیڑھیوں پر بیٹھ بھی گیا' مگر وہ سر گھٹنوں پر ٹکائے خود سے اُلجھ رہی تھی۔

''کس کو محبت نامے لکھے جا رہے ہیں؟'' اتنے قریب سے اس کی بھاری مردانہ آواز سن کر وہ پوری جان سے لرز گئی۔ اس نے محض گھٹنوں سے سر نہیں اُٹھایا بلکہ وہ بجلی کی سی تیزی سے کھڑی ہوئی۔ بڑی بڑی آنکھیں پوری کھلی تھیں اسے سامنے دیکھ کر' جو مطمئن سا ہاتھ میں موجود صفحات ایک ایک کر کے اُلٹ پلٹ کر دیکھ رہا تھا' اس کا رنگ فق ہوگیا تھا۔ اس نے سارے کاغذ فضا میں اُچھالے اور ہاتھ جھاڑ کے کھڑا ہوگیا۔

''ایسے کیا آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہی ہو' جیسے بھوت دیکھ لیا ہو۔ خوف زدہ تو مجھے ہونا چاہیے رات کے تین بجے اتنی خوفناک شکل کو دیکھ کر' اب جا کر سوؤں گا تو بھی ڈراؤنے خواب آئیں گے۔ ویسے اتنی بھیانک صورت دیکھنے کے بعد نیند آئے گی' ایسا ممکن تو نہیں۔'' وہ تمسخرانہ انداز میں کہتے ہوئے طالعہ کو دُنیا کا سب سے برا انسان لگ رہا تھا۔ وہ آنسو روکنے کی کوشش میں نچلا لب دانتوں تلے کچلتی جانے لگی۔

Digitized by Google

"سنو۔" وہ رک گئی۔

"میں صبح پہلی فرصت میں آپی کو بتاؤں گا تمہاری ان مشکوک سرگرمیوں کی بابت۔ جسے تم یہ محبت نامے لکھتی ہو' اس کا نام آپی خود اُگلوالیں گی تم سے۔" وہ اسے دھمکی دے کر جس طرح آیا تھا' اسی طرح چلا بھی گیا۔ وہ سیڑھیوں کی جانب دیکھتی رہ گئی' جہاں وہ غائب ہوا تھا۔

خوف زائل ہو چکا تھا۔ دُکھ' تکلیف اور بے بسی خوف کی جگہ لے چکے تھے۔ وہ نڈھال سی واپس سیڑھیوں کے آخری اسٹیپ پر بیٹھ گئی۔ اسے قوی اُمید تھی صبح ایک نیا محاذ کھل جائے گا اور اس کی ذات پھر الزامات کی زد میں ہوگی۔ اس پر پھر کیچڑ اُچھالی جائے گی۔ اس بار بھی اسے صفائی میں کچھ کہنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ اس کی شدت سے خواہش تھی کہ "یہ رات ٹھہر جائے" مگر پہلے کبھی اس کی کوئی خواہش پوری ہوئی تھی جو اَب ہوتی۔ رات کو گزرنا تھا' گزر گئی تھی۔

❀.....❀.....❀

"طالعہ مہارانی' آرام ہی کرتی رہو گی یا اُٹھ کر کام دھندا بھی دیکھو گی۔ اس لڑکی کو مفت کی روٹیاں توڑنے کی عادت پڑ گئی ہے۔ عاجز آ چکی ہوں میں اس لڑکی کی سستی اور کاہلی سے۔" رات التمش کی دھمکی کے متعلق سوچتے ہوئے اس کی آنکھ دیر سے لگی تھی اور صبح حسب سابق بھابی کی پاٹ دار آواز نے اسے ہڑبڑا کر اُٹھنے پر مجبور کر دیا تھا۔ گھڑی کی سوئیاں سات کا ہندسہ عبور کر چکی تھیں۔ واقعی آج اس نے خود شامت کو آواز دی تھی دیر تک سو کر' دن کی ابتدا نے ہی باور کرا دیا کہ اختتام تک اب اس کی خیر نہیں۔

"کیا آپی' آپ اسے طالعہ مہارانی کیوں کہتی ہیں؟ اسے تو کلو مہارانی کہنا چاہیے۔" تر و تازہ سا التمش سیڑھیاں اُتر رہا تھا۔ چہرے پر سجی ہلکی شیو اور پیشانی پر بکھرے سیاہ بال' اس کا سفید رنگ خوب دمک رہا تھا۔ طالعہ نے ایک اُچٹتی سی نظر اس پر ڈالی اور کاندھوں پر پھیلا سیاہ دوپٹا سر پر لیتی ہوئی کچن میں غائب ہو گئی۔ التمش پیپل کے درخت کے نیچے بچھے تخت پر آپی کے برابر میں براجمان ہو گیا۔

"امی..... آج کیا ناشتہ نہیں ملے گا؟" ثروت نے

Digitized by Google

موبائل پر سے نظر اُٹھائی اور کچن کی جانب درشت نظروں سے دیکھا۔

"تمہاری پھوپی کو نیندیں پوری کرنے سے فرصت ملے گی تو کسی کو ناشتہ بھی ملے گا۔ ایک نمبر کی کام چور اور مفت خور لڑکی ہے۔" بھابی کی اس سے کیا دشمنی تھی' وہ سمجھنے سے قاصر تھی۔

ہمیشہ ہی انہوں نے اسے کوسنوں اور طنز کے زہر میں بجھے تیروں سے زخمی ہی کیا تھا' مگر ان کے کلیجے کو کبھی بھی ٹھنڈک نہیں پہنچی تھی۔

"مما..... میں آج پھر کالج سے لیٹ ہوجاؤں گی۔" ماہا منمنائی۔

"آپی..... آپ ایسا کیوں نہیں کرتیں کہ اس سست' بدصورت لڑکی کی جگہ کسی خوش شکل' پھرتیلی ملازمہ کا بندوبست کرلیں' تنخواہ بھلے میری سیلری سے دے دیجیے گا اُسے' کم از کم ناشتہ تو وقت پر ملا کرے گا اور اچھی شکل دیکھ کر دن بھی اچھا گزرا کرے گا۔" وہ رات والی دھمکی بھلائے معمول کی گوہر افشانی میں مصروف تھا۔ عام طور پر اس کے دل جلانے والے تبصرے سن کر وہ دُکھی ہوجاتی تھی مگر اس وقت اطمینان تھا کہ اس نے رات والی بات کا ذکر نہیں کیا' ورنہ رائی کا پہاڑ بنانا اسے خوب آتا تھا۔

"ماموں..... آپ ملازمہ لانے کی بات کررہے ہیں یا اپنے لیے ایک عدد زوجہ لانے کی خواہش کا اظہار کررہے ہیں؟ خوش شکل ہو' پھرتیلی ہو' بھلا ملازمہ کی شکل وصورت کون دیکھتا ہے؟" ماہا سمجھدار تھی' کالج کی طالبہ بھی مگر اس کے منہ میں ماں کی زبان تھی۔ بغیر لحاظ کے وہ ہر بات کہہ دینے کی عادی تھی۔ اس وقت بھی ماں کی نگاہوں کی سرزنش نظر انداز کیے وہ کھلکھلا رہی تھی۔

"اپنی بیگم سے میں گھر کے کام نہیں کراؤں گا۔ وہ تو مہارانی کی طرح راج کرے گی۔" التمش روانی میں کہہ گیا۔ ماہا کی ہنسی پھر سے بے قابو ہوگئی۔ ثروت نے بھائی کو زبردست گھوری سے نوازا۔

"زیادہ ہنسنے کی ضرورت نہیں' میری بیوی سچ مچ کی مہارانی ہوگی۔ اس کالی کلوٹی جیسی نہیں' شکل دیکھی ہے اس کی' کالی بلی اس کے راستے میں آجائے تو بے چاری تھوڑا آگے جاتے ہی مرجائے۔"

"اللہ نہ کرے طالعہ پھوپو کو کچھ ہو۔" ماہا نے دہل کر کہا۔ طالعہ ہاتھ میں ٹرے تھامے کچن سے برآمد ہوئی۔

"میں کالی بلی کے مرنے کی بات کررہا ہوں۔" التمش نے گھور کر بھانجی کو دیکھا۔ طالعہ کا دل چاہا کہہ دے۔

"تم تو ابھی تک نہیں مرے۔" مگر وہ ایسا سوچ ہی سکتی تھی۔ کہنے کی جسارت کرکے اپنی قضا کو دعوت نہیں دے سکتی تھی۔ اس نے ناشتے کی ٹرے تخت پر رکھی اور پلٹ گئی۔

"آپی..... یاد آیا' آپ کو ایک بات بتانا تھی۔" طالعہ کے قدم یک دم تھم گئے' دل دھڑ دھڑ کرنے لگا تھا۔

"ہاں کہو۔" ثروت بھابی لاڈلے بھائی کے لیے سراپا سماعت بن گئیں۔

"رات میری آنکھ کھلی تو میں پانی پینے کے لیے نیچے آیا تھا۔"

"اے لڑکی..... تم نے پھر اس کے کمرے میں پانی کا جگ بھر کے نہیں رکھا؟" بھابی نے اس کی بات سنے بغیر ہی اسے گھرکا۔ وہ لب کچلتی التمش کی جانب التجائیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

"افوہ آپی..... آپ پوری بات تو سنیں۔" وہ اس کی نگاہوں کی التجا نظر انداز کرکے پوری بات بتانے پر مصر تھا۔

"یہ محترمہ سیڑھیوں پر بیٹھی کسی کو عشقیہ خطوط لکھ رہی تھیں۔" اس نے رازطشت از بام کیا۔

"کیا کہا..... یہ عشقیہ خطوط لکھ رہی تھی؟ کہاں ہیں وہ خط؟ میں ابھی اس کے بھائی کو ان خطوط کی تصویریں واٹس ایپ کرتی ہوں۔ کیسی کالک مل رہی ہے ہمارے منہ پر یہ ننھی میسنی۔ اپنے بھائی کی عزت خاک میں ملا کر بھی اسے سکون نہیں ملا۔" وہی ہوا جس کا ڈر تھا ایک بار پھر اس کا کردار سولی پر لٹکا دیا گیا۔ ایک بار پھر الزامات کی سنگ

Digitized by Google

باری نے اس کی روح کو مجروح کر دیا تھا۔

"بھابی میں کسی کو خط نہیں لکھ رہی تھی۔ میں..... میں تو....." بات ابھی پوری نہیں ہوئی تھی کہ ثروت بھابی بجلی کی سی تیزی سے اُٹھیں اور اس پر جھپٹ پڑیں۔

"مجھ سے زبان درازی کر رہی ہے ہمت دیکھو اس کی ایک تو چوری اوپر سے سینہ زوری بلائی ہوں میں تیرے بھائی کو آ کر سنبھالے خود ہی میں کب تک پہرے داری کروں میری اپنی دو دو جوان بیٹیاں ہیں۔ مجھ سے نہیں ہوتی اس منہ زور سرکش لڑکی کی چوکیداری۔" بھابی اول فول بک رہی تھیں۔ شکر تھا کہ انہوں نے فقط اس کا بازو دبوچا تھا ورنہ وہ غصہ آنے پر اسے مارنے سے بھی دریغ نہیں کرتی تھیں۔

"بھابی..... قسم لے لیں میں نے کوئی خط نہیں لکھا۔" وہ گڑگڑائی۔

"ہاں تو کیا میں جھوٹ بول رہا ہوں؟" چہرے پر دُنیا جہاں کی حیرانی سجائے التمش اسے اس وقت کوئی شیطان ہی لگ رہا تھا۔ دوغلا جھوٹا گھٹیا انسان۔

"ہاں تم جھوٹ بول رہے ہو۔ بتاؤ کیا دیکھا تھا تم نے..... چند خالی صفحات..... اگر کوئی خط تھا تو دکھاؤ۔" وہ بھابی سے اپنا بازو چھڑاتے ہوئے بے خوفی سے بولی۔

"تم مجھے جھٹلا رہی ہو۔ التمش عثمان کو..... آپی دیکھ لیں آپ کے گھر میں یہ حیثیت ہے میری۔" اس نے گرگٹ کی طرح رنگ بدلا اور اب بھابی کی برداشت جواب دے گئی۔

"اسے تو میں ابھی سیدھا کرتی ہوں۔ بہت زبان چلنے لگی ہے اس کی ساری طراری نکالتی ہوں۔" بھابی نے یکے بعد دیگرے اس کے منہ پر دو تھپڑ لگائے۔ وہ تیسرا بھی لگانا چاہتی تھیں مگر اس بار طالعہ نے ان کی کلائی پکڑ کر ان کا ہاتھ جھٹکا اور اپنے کمرے میں چلی گئی۔ بھابی ششدر رہ گئیں اس کی اتنی جرأت پر۔

"اس کی تو عقل میں اب ٹھکانے لگاؤں گی۔" انہوں نے عزم کرتے ہوئے مخرم بھائی کا نمبر ملایا۔ التمش آگ لگا کر اطمینان سے ناشتہ کر رہا تھا۔ ماہا نے اپنے جان سے پیارے ماموں کو تاسف سے دیکھا مگر کیا فائدہ اسے تو اس گھر کا سکھ چین بلکہ طالعہ کا سکون غارت کرنے کی عادت ہو گئی تھی۔

❁.....❁.....❁

طالعہ مراد اپنے والدین کی دوسری اولاد تھی۔ انہیں اللہ نے رحمت سے اُس وقت نوازا جب مزید اولاد کی اُمید بھی نہیں رہی تھی۔ اس وقت ان کی پہلی اولاد ان کا بیٹا خرم سولہ سال کا ہو چکا تھا۔ بہن کی آمد اس کے لیے بھی خوش کن تھی مگر طالعہ کی پیدائش کے محض چند گھنٹوں بعد طالعہ ماں سے محروم ہو گئی۔ شگفتہ کے چلے جانے کے بعد وہ فقط ماں کے وجود سے محروم نہیں ہوئی تھی بلکہ اس کی خوش نصیبی نے اس سے منہ موڑ لیا تھا۔ اس نے تمام نین نقش ماں کے چرائے تھے مگر دبتی ہوئی سانولی رنگت باپ سے لی تھی۔ باپ تو پھر باپ تھا اس کے دل میں اس کے لیے شفقت اور محبت تھی۔ بھائی کو بھی اس سے لگاؤ ہو گیا مگر دادی ہمہ وقت اسے دیکھ دیکھ کر آہیں بھرتیں۔

"کیا نصیب لے کر آئی ہے پیدا ہوئی تو ماں لقمہ اجل بن گئی۔ اس پر شکل وصورت ایسی ہے پتا نہیں کون بیاہے گا اسے۔" دادی کو چھٹانک بھر کی بچی بھاری سل لگنے لگی۔ ہر آئے گئے کے سامنے پنڈورا باکس کھول لیتیں۔ کئی سالوں پہلے خاندان میں فلاں کی بیٹی بھی جب پیدا ہوئی اس کی ماں مر گئی اور پھر زندگی بھر سب اسے منحوس کہتے رہے۔ فلاں گلی میں فلاں محلے میں..... دادی کو ہر بار کوئی نئی کہانی یاد آ جاتی۔

پھوپو آتیں تو وہ بھی خوب قصے سناتیں۔ ایک دن بابا کے کانوں میں یہ باتیں پڑ گئیں۔ وہ خوب خفا ہوئے۔ انہیں اپنے دونوں بچوں سے ایک جیسی محبت تھی۔ طالعہ تو اس لیے بھی عزیز تھی کہ بچپن میں ہی ماں کی محبت سے محروم ہو گئی تھی۔

دادی کہتی رہیں، مبشر دوسری شادی کر لے۔ عفت پھوپو نے ایک سے ایک لڑکیاں دکھائیں مگر بابا کو گوارہ نہ

Digitized by Google

ہوا۔ بیٹا تو خیر سے سمجھدار تھا مگر وہ اس معصوم وجود کو کسی غیر کے حوالے نہیں کرنا چاہتے تھے۔ سوتیلی ماں پتا نہیں کیا سلوک کرتی۔ ان کا دل کسی طور دوسری شادی کے لیے آمادہ نہ ہوا۔ گھر کی مختار' کرتا دھرتا یوں بھی عابدہ بیگم تھیں۔ زبان سے کچھ بھی کہیں مگر عابدہ بیگم نے پوتی کو سنبھال لیا تھا لیکن ان کا وجود چند سال ہی مبشر احمد کے لیے ڈھارس بنا رہا اور آخر ایک رات بہت خاموشی سے وہ دارِ فانی سے کوچ کر گئیں۔ اس وقت طالعہ صرف چار سال کی تھی۔ عورت کا وجود کسی بھی مکان کو گھر بنانے کے لیے کتنا اہم اور ضروری ہوتا ہے' اس کا اندازہ مبشر احمد کو در اصل ماں کے جانے کے بعد ہوا۔ وہ جو بچیوں کی جانب سے بے فکر' فکرِ معاش میں صبح سے شام تک گھر سے باہر رہتے تھے' انہیں اب شدت سے احساس ہونے لگا تھا کہ گھر کو سنبھالنا ان کے یا خرم کے بس کی بات نہیں۔

طالعہ چھوٹی تھی اور اسے پرورش و تربیت کی ضرورت تھی۔ عفت نے بھائی کو ایک بار پھر شادی کرنے کا مشورہ دیا مگر انہوں نے سختی سے ان کا مشورہ رد کر دیا۔ دوسری جانب وہ اس بات سے انکار نہیں کر سکتے تھے کہ ان کے گھر کا نظام ایک دم تلپٹ ہو چکا ہے۔ انہوں نے گھر کو سنبھالنے کے لیے خرم کی شادی کا فیصلہ کر لیا۔ خرم ایم اے پریویس کا طالب علم تھا اور فی الحال شادی کے لیے آمادہ نہیں تھا لیکن اس کی پڑھائی سب سے زیادہ متاثر ہو رہی تھی۔ گھر کے کام کاج اسے ہی کرنے پڑتے تھے۔ ایک جز وقتی ملازمہ تھی جو دادی کی زندگی میں بھی کام کرنے آتی تھی۔ اس کے باوجود طالعہ کی ذمہ داری بھی اس پر آ گئی تھی۔ باہر کا کھانا کھا کر وہ بھی تنگ آ چکا تھا۔

آخر اس نے باپ کے اصرار کے سامنے ہار مان لی اور ثروت ان کے بکھرے گھر کو سنبھالنے' نکھارنے آ گئی مگر جلد ہی یہ عقدہ بھی کھل گیا کہ انیس سالہ ثروت گھر کے کام کاج سے بالکل نابلد تھی۔ گھر کی بڑی ذمہ داری تو دُور کی بات' اس نے تو کبھی چائے تک نہیں پکائی تھی۔ عفت نے بھتیجے کے لیے لڑکی پسند کرتے وقت بس اس کا حسن صورت دیکھا' سیرت پر توجہ ہی نہیں دی۔ بلا کی منہ پھٹ' فیشن ایبل اور غیر ذمہ دار لڑکی کو بیاہ لائیں۔ خرم بھی اس کے حسن بلا خیز میں گرفتار اس کی ہر بات پر آمنا و صدقنا کہتا۔ اگر کبھی مبشر کسی بات پر روک ٹوک کرتے تو خرم خوب ہی ثروت کی طرف داری کرتا۔ اگر طالعہ کو کچھ یاد تھا تو فقط باپ کی بے بسی اور بھائی کی تلخ زبانی' جو زیادہ تر طالعہ کی وجہ سے ہوتی تھی۔

وہ اسکول جانے لگی تھی' کبھی اس کا یونیفارم میلا ہوتا اور کبھی بستہ اور کتابیں غائب۔ اگر بابا ناشتہ بناتے تو وہ ناشتہ کرتی ورنہ نہیں۔ ایک سال بعد ہی خرم ایک پیاری سی بیٹی کا باپ بن گیا۔ اس کے بعد تو اس نے بہن کی طرف دیکھنا بھی چھوڑ دیا۔ بابا سے بھی وہ اکھڑا اکھڑا رہنے لگا تھا۔ وہ ثروت کی خواہش پر ملک سے باہر جانا چاہتا تھا اور پیسے اس کے پاس تھے نہیں۔ باپ سے مانگے' انہوں نے دینے سے انکار کر دیا۔ خرم بیوی کی شہ پر باپ سے اُلجھنے لگا تھا۔ گھر کے حالات بد سے بدتر ہوتے چلے گئے۔

وہ صرف چھ سال کی تھی جب باپ کی شفقت سے بھی محروم ہو گئی۔ بیٹے کی بے حسی انہیں دیمک کی طرح چاٹ گئی تھی۔ ابتدا میں خرم نادم تھا اور اپنی ندامت کے احساس کے زیر اثر بہن کا خیال بھی رکھنے لگا تھا لیکن ثروت کو کہاں گوارہ تھا۔ ثروت نے ایک بار پھر اسے باہر جانے کے لیے آمادہ کر لیا۔ اگرچہ اس بار خرم متردد تھا۔ اس کے پیچھے گھر میں کوئی مرد نہیں تھا۔ خرم ایک اور بیٹی کا باپ بن چکا تھا۔ اسے فکر تھی کہ ثروت تین' تین بچیوں کے ساتھ کیسے گزارہ کرے گی۔

طالعہ اس وقت دس سال کی تھی' جب خرم نے رخت سفر باندھا۔ اس کے بعد طالعہ کی زندگی مکمل طور پر بدل گئی تھی۔ اسکول کے بعد گھر آ کر بھابی کے حکم پر گھر کے چھوٹے بڑے کام کرنا اس کی ذمہ داری میں شامل ہوتا چلا گیا۔ وہ بے حد ذہین طالبہ تھی مگر گھر کی ذمہ داریوں کے باعث اس کی پڑھائی متاثر ہونے لگی تھی۔ گھر کے کام کاج سے فرصت ملتی تو وہ کچھ پڑھتی۔ اس کی کارکردگی بری

Digitized by Google

طرح متاثر ہوئی تھی۔ ثروت نے کہہ دیا' وہ اسے میٹرک کے بعد مزید تعلیم حاصل کر کے اپنے شوہر کا محنت سے کمایا گیا پیسہ برباد کرنے کی ہرگز اجازت نہیں دے گی۔

بھائی شاذونادر ہی اس سے بات کرتا تھا' زیادہ تر بھابی اس کے احوال سے آگاہ کردیتی تھی اور بھائی کے لیے یہی بہت تھا۔ گزرے سالوں میں خرم جب آیا' بھابی نے صرف اسے بہن کی طرف سے بدظن کیا تھا جبکہ اس کا اپنا بھائی اسی گھر میں' جہاں طالعہ ملازماؤں سے بدتر زندگی گزار رہی تھی' نوابوں کی طرح رہتا تھا۔ ہاں اس کے آجانے سے طالعہ پر زندگی مزید تنگ ہوگئی تھی۔

❁.....❁.....❁

بھائی کو ایک کی چار لگانے کے بعد مطلوبہ خطوط اس کے کمرے سے برآمد کرنے کے لیے بھابی نے پورا کمرہ اُدھیڑ ڈالا مگر کچھ ہوتا تو ملتا اور کچھ نہ بن پڑا تو انہوں نے نئے پرانے ڈائجسٹوں کا ڈھیر صحن میں لگا کر ایک ایک صفحہ پلٹنا شروع کردیا۔ ان کے خیال میں اس نے ضرور ان میں سے کسی میں خط چھپایا تھا۔ گھر میں اس کی حیثیت چور جیسی ہوگئی تھی۔ صنوبر بھی سسرال سے آگئی تھی۔ اچھا خاصا تماشا لگ گیا اور اسے تماشا بنانے والا التمش عثمان اطمینان سے چائے کی چسکیاں لیتا محظوظ ہو رہا تھا۔

''کہاں ہے وہ خط؟ بتاتی ہے یا میں ان سب کو آگ لگاؤں۔ یہی کہانیاں پڑھ پڑھ کر تو یہ عشق وعاشقی سیکھ رہی ہے۔'' بھابی کے ہاتھ جب کچھ نہ لگا تو وہ اس کی دُکھتی رگ پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولیں۔ وہ تڑپ اُٹھی۔

''بھابی..... یقین کریں میں نے کوئی خط نہیں لکھا۔''

''اچھا' یہ اس طرح نہیں بتائے گی۔'' بھابی کچن میں گئیں' واپس آئیں تو ماچس کی ڈبیہ ان کے ہاتھ میں تھی۔ وہ جانتی تھیں' یہ واحد شوق ہے اس کا۔ اس کی واحد جائیداد' واحد اثاثہ۔

''بھابی' میرا یقین کریں.....'' اس کے الفاظ اس کے منہ میں رہ گئے۔ بھابی نے تیلی جلا کر ایک صفحے کو آگ دکھائی اور بھڑ بھڑ کر کے صفحات آگ پکڑتے چلے گئے۔

وہ آنکھیں پھاڑے بے یقینی سے دیکھتی رہ گئی۔ بھابی کے لبوں پر فاتحانہ مسکراہٹ تھی۔ وہ جلتے صفحات کو بجھانے کے لیے لپکی مگر بھابی نے اس کا بازو پکڑ لیا۔ اس نے جھٹکے سے چھڑایا۔ کچھ صفحات جل چکے تھے مگر وہ دیوانہ وار اپنے ہاتھوں کی پروا کیے بغیر اپنے ڈائجسٹ کو مکمل جلنے سے بچانے میں کامیاب ہوگئی۔ بھابی تن فن کرتی چلی گئیں۔ وہ دل برداشتہ سی ہو کر ڈائجسٹ اُٹھانے لگی تھی۔

❁.....❁.....❁

''ماموں! کیا ملا آپ کو یہ سب کر کے؟'' وہ اپنے بیڈ پر دراز ٹی وی کے چینل تبدیل کر رہا تھا جب ماہا چائے کا کپ لیے چلی آئی۔ ارادہ فقط اس سے بات کرنے کا تھا' حالانکہ وہ اس سے خفا تھی۔

''تم کچھ زیادہ طرف داری نہیں کرنے لگیں اپنی پھوپو کی؟ حالانکہ وہ ایک نمبر کی کرپٹ لڑکی ہے۔ جیسی شکل ہے' ویسا ہی کردار۔'' وہ پھنکارا۔

''آخر پھوپو سے آپ کو کیا مسئلہ ہے؟ ان کے کردار اور شکل وصورت کی آپ کو کیوں اتنی فکر ہے؟'' ماہا برہمی سے گویا ہوئی۔

''تمہیں اس معاملے میں مداخلت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ بچی ہو تم' اس معاملے سے دُور رہو۔'' اس نے تنبیہ کی۔

''مجھے لگتا ہے آپ اپنی محرومیوں کا بدلہ پھوپو سے لے رہے ہیں۔ چونکہ زندگی بھر آپ نے خود یہی سب سہا ہے' اس لیے اپنے ہی جیسی کمزور شخصیت کو نشانہ بنا کر اپنی ذات کے دُکھوں کا ازالہ کرنا چاہتے ہیں لیکن یاد رکھیں پھوپو کا کردار آپ جیسا نہیں۔ وہ اتنی کمزور نہیں ہیں کہ دلبرداشتہ ہو کر اپنی شخصیت کو مسخ کرلیں' جیسا کہ آپ نے کیا ہے' اپنی محرومیوں کا ازالہ کرنا ہے تو کسی کو محبت دیں' تکلیف اور اذیت نہیں۔'' ماہا نے اسے آئینہ دکھانا چاہا تو وہ ہتھے سے اُکھڑ گیا۔

''آپی ٹھیک کہتی ہیں۔ اس لڑکی کی محبت تمہیں بھی بگاڑ رہی ہے۔ دُور رہا کرو اس سے کہیں اس لڑکے کو اس

Digitized by Google

نے ہی تو تمہارے پیچھے نہیں لگایا تھا۔ مجھے پہلے ہی شک تھا' اب یقین ہوگیا ہے۔ ایسی گھٹیا حرکت وہی کرسکتی ہے۔ اپنے پیچھے بھی تو اس نے دس لڑکوں کو لگا رکھا ہے۔" ماہا نے اپنے جان سے پیارے ماموں کو دیکھا۔

"ماموں..... کیا فائدہ اتنی تعلیم حاصل کرنے کا؟ آپ نے تو کتابوں سے کچھ سیکھا ہی نہیں' اتنے سال گنوا دیے آپ نے اور پھوپو کو دیکھیں' مما کے ناروا سلوک کے باوجود اتنی کم تعلیم یافتہ ہوتے ہوئے انہوں نے اخلاص اور اخلاق کا دامن نہیں چھوڑا۔ وہ احسان کرنے والوں کی بدخواہ نہیں' جبکہ آپ پاپا کے احسان کے باوجود ان کی بہن پر دن رات الزامات لگاتے رہتے ہیں۔" ماہا کے الفاظ تیر کی طرح اس کے دل میں لگے۔ وہ اُٹھ بیٹھا۔

"تمہیں میرا یہاں رہنا گوارہ نہیں یا تمہاری پھوپو نے یہ پٹی پڑھائی ہے تمہیں؟" وہ غصے اور توہین کے احساس سے سلگ اُٹھا۔

"پھوپو نے کوئی پٹی نہیں پڑھائی مجھے' آپ مجھے عزیز ہیں ماموں' بس اس لیے میں آپ کو اتنا گرتے ہوئے نہیں دیکھ سکتی' پلیز آپ پھوپو کو ان کے حال پر چھوڑ دیں۔" ماہا کہہ کر چلی گئی اور وہ سلگتا رہ گیا۔ اسے قوی یقین تھا یہ سب ماہا نے طالعہ کے کہنے پر کہا ہے۔

"میں بھی تمہیں رنگے ہاتھوں پکڑوا کر ہی رہوں گا۔" اس نے مصمم ارادہ کیا۔

❁.....❁.....❁

التمش عثمان بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹا تھا۔ تین بڑے بھائی' پھر ایک بہن اور آخر میں التمش عثمان کا نمبر آتا تھا۔ بھائی تینوں شادی شدہ تھے' بھابھیاں ثروت کی تیز زبان اور تند مزاجی کے باعث اسے پسند نہیں کرتی تھیں۔ والدین کی وفات کے بعد ثروت نے میکے آنا جانا تقریباً چھوڑ ہی دیا تھا۔ بھائی بھی اس کے گھر نہیں آتے تھے' صرف التمش تھا جو کبھی کبھی آجاتا تھا۔ بھابھیاں اگر کبھی کال کرتیں تو التمش کی شکایات کی طویل فہرست سنانے کے لیے' اسے پڑھائی میں دلچسپی نہیں' گھر میں چوریاں کرتا ہے' رات کو دیر تک باہر رہتا ہے' ایک نمبر کا آوارہ لڑکا ہے' اس کی صحبت ہی خراب ہے' آج کسی سے لڑائی ہوگئی' بھائی سے زبان چلاتا ہے اور آخر میں مجھے تو لگتا ہے اس نے نشہ کرنا شروع کردیا ہے۔

وہ فرسٹ ایئر کا طالب علم تھا مگر اس کی حرکتوں کی تفصیل سن کر ایسا ہی لگتا تھا جیسے کوئی مفرور مجرم ہو۔ تینوں بھابیوں کے پاس الگ ہی کہانی ہوتی۔ ان دنوں طالعہ کے میٹرک کے امتحانات ہو رہے تھے' جب بھابی میکے میں ایک معرکہ انجام دینے کے بعد التمش کو ہمیشہ کے لیے اپنے ساتھ لے آئی تھیں۔ وہ ان دنوں بہت چپ چپ اور الگ تھلگ رہتا تھا۔ اس سال اس نے اپنے فرسٹ ایئر کے پیپر بھی بھابی کے بے حد سمجھانے پر دیے تھے۔ طالعہ کے کانوں میں اُڑتی اُڑتی باتیں ہی پڑی تھیں۔ ثروت بھابی کی چھوٹی بھابی کی بہن نے التمش پر انتہائی رکیک قسم کے الزامات لگائے تھے۔ ان دنوں وہ لڑکی اہل اپنی بہن کے پاس آئی ہوئی تھی اور اس نے التمش پر الزام لگایا تھا کہ وہ اسے تنگ کرتا اور اس پر بری نظر رکھتا ہے' رات گئے اس کے کمرے میں آگیا تھا' حالانکہ التمش اس وقت گھر میں آیا تھا۔ رات ساڑھے بارہ کا وقت تھا اور بھابی کی بہن نے اسے دیکھتے ہی چیخنا چلانا شروع کردیا تھا۔ اس کی بھابی سب سے پہلے آئی تھیں' ڈرامے میں حقیقت کا اصل رنگ انہوں نے ہی بھرا تھا' گھر والے ہی نہیں' محلے والے بھی جمع ہوگئے تھے۔

التمش کے بھائی اسے جان سے مار دینے کے درپے تھے اور وہ اپنے بھائیوں کی بے اعتنائی دیکھ کر اپنے حق میں ایک لفظ بھی نہیں کہہ سکا اور خاموشی سے گھر چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ ثروت کو چند روز بعد خبر ہوئی' وہ اپنے بھائیوں سے اس بے حسی کی توقع نہیں کررہی تھیں۔ اس دن وہ آخری بار میکے گئی اور پھر تمام رشتے ناتے توڑ کر چلی آئی تھی۔

التمش کو اس کے دوستوں کے توسط سے ڈھونڈا' وہ کسی ہوٹل میں ویٹر کی جاب کررہا تھا۔ مالک سے اجازت لے کر رات بھی وہیں گزار رہا تھا۔ ثروت اسے اپنے ساتھ

Digitized by Google

لے آئی' خرم کو بھی گھر کی طرف سے بے فکری ہوگئی۔ اس کی تعلیم کے اخراجات خرم نے اٹھانے شروع کردیئے تھے' اچھی رہائش' زندگی کی سہولیات' تعلیم' نوکری' آج اس کے پاس سب کچھ تھا۔ لڑکیاں اس کی اچھی شکل وصورت اور بہترین جاب سے متاثر ہوکر اس کی جانب خود آتی تھیں لیکن اب اسے ہر لڑکی امل لگنے لگی تھی' جس نے اپنی بہن کے ساتھ مل کر اسے گھر بدر کروایا تھا' اس کا قصور صرف اتنا تھا کہ اس نے خود سے چار سال بڑی اس حسین لڑکی کی پیش قدمی کو نظر انداز کردیا تھا۔ جو اپنے نفس اور اندھی خواہشات کی غلام تھی اور جس لڑکی سے وہ نفرت کرتا تھا' آج خود بھی اس کے نقش قدم پر چل رہا تھا۔ وہ لڑکی جو اس کے مکروہ رویے کی ذمہ دار اس کی نفرت کی مستحق تھی' وہ کسی لڑکے کے عشق میں مبتلا ہوکر اپنے ہاتھوں اپنی جان گنوا چکی تھی۔ دو سال پہلے وہ اس خبر کو سن کر کتنی ہی دیر اپنی ذات میں پنجے گاڑھ کر بیٹھی اس کی نفرت کو محسوس کرتا رہا تھا۔ اب نفرت کی جگہ خاموشی لے چکی تھی۔ اس نے اپنے ضمیر کی آواز سننا چھوڑ دی تھی۔ وہ لڑکیوں سے دوستی کرتا' ان کے ساتھ گھومتا پھرتا' اظہار محبت کرتا اور آخر میں شادی سے انکار کرکے راہ بدل لیتا۔

اگر ثروت کی طرف سے سختی نہ ہوتی تو شاید وہ دوستی سے بھی کہیں آگے نکل چکا ہوتا۔ اس نے اپنی جھولی میں بداعمالیوں کے کھوٹے سکے جمع کرنے شروع کردیے تھے' طالعہ مبشر کے حالات بھی کم وبیش اس جیسے ہی تھے' سانولی سلونی' دھان پان سی طالعہ مبشر' التمش عثمان کو دوغلی لگتی۔ وہ مرد ہوکر حالات کی سختی اور لوگوں کے رویوں سے ٹوٹ گیا تھا' پھر طالعہ مبشر کیوں اتنی مطمئن نظر آتی ہے' اس نے ہر ممکن طریقے سے طالعہ کو زچ کیا' اس کی زندگی اجیرن کردی' وہ ہر بات پر اسے بھابی سے ڈانٹ پڑواتا' پہلے کبھی چھوٹے موٹے کاموں کو بہانہ بنا کر وہ ایسا کرتا تھا' پھر اس کے ہاتھ اس کے کردار کے بخیے ادھیڑنے کا مشغلہ لگ گیا۔

وہ چھت پر کپڑے سکھانے گئی تھی اور پہلی بار صدیقی صاحب کے بیٹے حماد نے اسے دیکھا تھا۔ اس کے بعد وہ جب بھی چھت پر جاتی' وہ وہاں موجود ہوتا۔ وہ اسے دیکھ کر نیچے کی راہ لیتی مگر کب تک.....؟ گھر کے کام اس کی ذمہ داری تھے۔ کپڑے دھو کر اوپر ڈالنا' پھر اُتار کر لانا' ماہا اور اس کے ماموں کے پالے گئے طوطوں اور کبوتروں کو دانہ ڈالنا' چھت کی صفائی..... اس کے دن میں کئی چکر ہوجاتے۔ پھر التمش کا کمرہ بھی اوپر ہی تھا۔ اس کے کمرے کی صفائی وہ اس کی غیر موجودگی میں کرتی تھی مگر جب سے وہ لڑکا ان کے گھر کی چھت سے ملی ہوئی چھت پر نظر آنے لگا تھا' روزانہ اسے بھابی سے ڈانٹ پڑنے لگی تھی۔ اگر دونوں گھروں کے درمیان میں موجود چار فٹ کی دیوار کو اونچا کردیا جاتا تو زندگی کی نئی مشکل سے جان چھوٹ جاتی' مگر وہ یہ بات کس سے کہتی۔

اس کی شامت اعمال تھی یا خوش نصیبی' اس دوپہر وہ حماد کو دیکھ کر التمش کے کمرے کی طرف جانے کے بجائے پلٹ رہی تھی اور التمش چلا آیا۔ وہ اسے دیکھ کر حیران رہ گئی۔ آج اس کا انٹرویو تھا۔ وہ خاصا خوش دکھائی دے رہا تھا مگر اسے دیکھ کر پیشانی شکن آلود ہوگئی۔ آنکھیں حماد کو دیکھ کر شعلہ بار۔ اس نے حماد کو جن نظروں سے گھورا' وہ فوراً ہی اپنی چھت پر سے نو دو گیارہ ہوگیا تھا۔ شام میں اس نے بھابی سے کہا تھا۔

''صدیقی صاحب اور ہماری چھت کے درمیان موجود دیوار کو اونچا کروائیں' گھر میں لڑکیاں ہیں' پھر اب صنوبر اور ماہا بھی بڑی ہورہی ہیں۔'' اس کا لہجہ سرد سا تھا۔ اسے چائے کا کپ تھماتے طالعہ کے ہاتھوں میں واضح لرزش تھی۔ اسے لگا کہ التمش کی نگاہوں میں وہ مشکوک ٹھہری ہے۔ کچھ عرصے بعد حماد کا رشتہ آیا اور التمش نے اس رشتے کی پُرزور مخالفت کی۔ بھابی کے کانوں میں حماد کی بہن نے ڈال دیا تھا کہ حماد اسے پسند کرتا ہے۔

''کیسی گھنی لڑکی ہے' بظاہر کتنی شریف لگتی ہے اور دیکھو عشق وعاشقی کے چکر چلا رہی ہے' میں بھی کہوں تم نے اچانک دیوار اونچی کرنے کا کیوں کہا۔ میری صنوبر کو تو کالج

Digitized by Google

کی پڑھائی سے فرصت نہیں۔ اب سمجھی تم اس میسنی' کم ظرف طالعہ کی وجہ سے کہہ رہے تھے' جسے بھائی کی عزت کی رتی برابر پروا نہیں۔'' بھابی نے اندھیرے میں تیر چلایا' جو بالکل نشانے پر لگا تھا۔

''حماد جیسے نکمے نکھٹو اور فلرٹی لڑکے ہی ایسی لڑکیوں پر نظر ڈال سکتے ہیں' جنہیں باپ' بھائی کی عزت کی پروا نہیں ہوتی۔'' بھابی کی زہریلی باتیں جاری تھیں۔ اس سے کسی نے نہیں پوچھا یہ محبت کا چکر یک طرفہ ہے یا دو طرفہ۔

''ویسے جوڑی خوب جمے گی۔ دونوں کے کرتوت بھی کالے ہیں اور شکل بھی۔'' یہ التمش کے الفاظ تھے۔ اس کا دل جل کر خاک ہوگیا۔ اس نے کسی کو وضاحت نہیں دی۔ اگر وہ لوگ جہیز کی طویل لسٹ ساتھ نہ لے کر آتے تو بھابی اس ایک نمبر کے فلرٹ انسان کے ساتھ اسے رخصت کردیتیں۔ اس کا بھائی سالوں سے جدہ میں مقیم تھا۔ انہیں امید تھی کہ جہیز ان کی ڈیمانڈ پر دیا جائے گا مگر اس کے بعد ایک بات تو واضح ہوگئی کہ بھابی اسے عمر بھر اسی دہلیز پر بٹھا کر رکھیں گی مگر جہیز کے نام پر ایک پھوٹی کوڑی خرچ نہیں کریں گی۔

دیکھتے ہی دیکھتے اس کی بھتیجی صنوبر رخصت ہوکر پیا دیس سدھار گئی' مگر وہ چوبیس کا ہندسہ عبور کرنے تک یہ فراموش ہی کرچکی تھی کہ ہر لڑکی کی طرح اسے بھی رخصت ہوکر جانا ہے۔

❁.....❁.....❁

''کبھی کبھی ذہن میں لفظوں کی بھیڑ لگ جاتی ہے۔ مجھ میں سناٹوں کا ہجوم جمع ہوگیا ہے۔ بھائی کے نام پر' رشتوں کے نام پر' مان اور بھروسے کے نام پر' محبت کے نام پر اور اپنے مستقبل کے نام پر' جب بھی کچھ سوچنے لگوں' سوائے خاموشی کے کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ پھر میں خوف زدہ ہوکر اپنی ذات کے پُرہول سناٹوں سے نجات حاصل کرنے کے لیے لفظوں کا سہارا لے لیتی ہوں۔ لوگ کہتے ہیں سب من گھڑت کہانیاں ہیں' جھوٹ محض لفاظی مگر کون جانے یہ لفظ کسی کی تنہائیوں کے ساتھی بن جاتے ہیں۔ تحریر دھندلی ہوگئی۔ اس کی آنکھوں سے ٹوٹ کر گرنے والے انمول موتیوں نے لفظوں کی جگمگاہٹ کو ماند کردیا تھا۔ اپنی زندگی میں بھی مجھے کوئی کمی محسوس نہیں ہوتی' سوائے ''اعتبار'' کے۔ بھائی نے رات کو کال کرکے مجھے بے نقط سنائیں۔ انہیں مجھ پر اعتبار نہیں' بھابی کی نگاہوں میں میرے لیے حقارت اور التمش کی نگاہوں میں نفرت۔ حالانکہ مجھے اس کے رویے سے فرق نہیں پڑتا' مگر پھر بھی وہ اس گھر کا ایک فرد ہے۔ وہ فرد' جس نے ہمیشہ میرے کردار پر سوال اٹھا کر جواباً کبھی میرے لیے صفائی دینے کی جگہ نہیں چھوڑی تھی۔ مجھے بھی اس سے نفرت محسوس ہوتی ہے' اس پر شدید غصہ آتا ہے' وہ ہوتا کون ہے مجھ پر الزام لگانے والا؟ کوئی بھی نہیں' مگر میں چاہتی ہوں وہ میرے متعلق اپنے خیالات بدل کر مجھے بہت اچھی لڑکی نہ سہی مگر اچھی لڑکی سمجھنا شروع کردے' مگر وہ ایسا کیوں کرے گا؟ مجھ پر پہلا پتھر اسی کی جانب سے آیا تھا۔ خیر اب میری تنہائیوں کی ساتھی تو یہ فرضی کہانیاں بن چکی ہیں' جن میں خوشیاں اور دکھ' محبت اور نفرت' سچ' جھوٹ' وصال و فراق کہانی کے اختتام کے ساتھ ہر شے ختم ہوجاتی ہے۔ حقیقتوں کی عکاس اور سب سے بڑی بات کہانی میں ہر غلط فہمی دور ہوجاتی ہے۔ حقائق کا منظر نامہ کھل کر سامنے آجاتا ہے۔ اچھی کہانیاں کردار سازی کرتی ہیں اور بھابی نے کیا سمجھا؟ میں ایک منفی ذہن کی ہلکے کردار کی لڑکی ہوں' میں نے ان کہانیوں سے بس ایک عامیانہ محبت کرنا سیکھا ہے ہرگز نہیں' بات میری ذات سے میرے شوق تک آ گئی۔ بھابی نے بہت برا کیا۔ بھابی کے الزامات کے بعد میں نے فیصلہ کیا تھا کہ میں نہیں لکھوں گی۔ اگر پھر بھابی یا ان کے لاڈلے بھائی نے دیکھ لیا اور کوئی ہنگامہ برپا کردیا..... مجھے یہی دھڑکا لکھنے نہیں دیتا تھا' اب بہت ہمت کی ہے۔ بس دعا ہے کہ انہیں پتا نہ چلے۔ التمش کو پتا نہیں مجھ سے کیا دشمنی ہے۔ وہ مجھے تذلیل کرنے' میری بے عزتی کروانے کا کوئی موقع

Digitized by Google

ہاتھ سے نہیں جانے دیتا۔ ابھی بہت سی باتیں ہیں' مگر شاید کوئی آرہا ہے۔" اس نے کھٹ سے لائٹ بند کی اور اپنے وجود کے ساتھ ساتھ اردگرد پھیلے کاغذوں پر بھی چادر ڈال دی۔

"پھوپو..... آپ سوگئیں کیا؟" ماہا نے اندر آکر مدھم آواز میں پوچھا۔ اس نے سکون کا سانس لیتے ہوئے آنکھیں کھول دیں۔

"نہیں میری جان آؤ۔" طالعہ نے اپنے بستر پر اس کے بیٹھنے کے لیے جگہ بنائی۔

"میں نے سوچا آپ سے خط لے لوں تاکہ صبح پوسٹ کرسکوں۔ ویسے بھی صبح سب موجود ہوں گے۔ چار بجے پاپا بھی آرہے ہیں تو مشکل ہوگی۔ ماموں اور مما پھر الٹی سیدھی باتیں کریں گے۔" ماہا نے تاسف سے کہا۔

"ابھی مکمل نہیں ہوا۔ میں صبح تمہارے کمرے میں آکر دے دوں گی۔" اس نے اپنے مخصوص نرم لہجے میں کہا۔

"ٹھیک ہے پھر شب بخیر۔" ماہا جانے لگی۔

"ماہا..... وہ لڑکا تمہیں اب تو پریشان نہیں کرتا؟" وہ متفکر سی استفسار کررہی تھی۔ ماہا نے رُک کر گردن نفی میں ہلائی۔

"آپ نے ٹھیک کہا تھا۔ میں نے ماموں کو بتایا' وہ تھوڑا خفا تو ہوئے مگر انہوں نے مما پاپا کو بتائے بغیر اس لڑکے کو سیدھا کردیا۔ اب نہ ہی وہ کالج کے آس پاس نظر آتا ہے اور نہ ہی کال اور میسج کرتا ہے۔ پھوپو..... آپ کا شکریہ جو آپ نے مجھے اس اندھی کھائی میں گرنے سے بچالیا۔" طالعہ کے لبوں کو بھی مطمئن مسکراہٹ نے چھوا۔ اس کے سر سے بھاری بوجھ ہٹ گیا تھا۔

کچھ عرصے پہلے ماہا کی دوستی جس لڑکے سے ہوئی تھی' وہ اس کی سہیلی کا کزن تھا۔ حدیقہ نے یہی کہا تھا اس سے کہ وہ صرف اس کا کزن نہیں بلکہ منگیتر بھی ہے۔ دونوں میں بے حد بے تکلفی تھی۔ ماہا بھی اس لڑکے کی ظاہری شخصیت سے متاثر ہوگئی اور وہ تو چاہتا تھا کہ ماہا اس سے متاثر ہو۔ ایک لڑکی کے بعد دوسری لڑکی کے ساتھ محبت کا کھیل کھیل کر اسے دھوکا دینا اس لڑکے کا مشغلہ بن چکا تھا مگر ماہا کی قسمت اچھی تھی جو اسے حدیقہ نے خود فریب کھانے کے بعد اس لڑکے کی پُرفریب محبت کا شکار نہیں ہونے دیا۔ اس نے ماہا کے سامنے اس کی ساری حقیقت کھول کر رکھ دی۔ ماہا شاید حدیقہ پر یقین نہ کرتی مگر اس کی خودکشی کی کوشش نے ماہا کو سوچنے پر مجبور کردیا وہ ابھی اتنی دُور نہیں گئی تھی کہ پلٹ کر آنا مشکل ہوتا۔ اس لڑکے فواد کے لیے بھی ماہا کے دل میں فقط پسندیدگی تھی' محبت نہیں بلکہ ابھی شناسائی کے بعد پسندیدگی کا مرحلہ بھی ٹھیک سے طے نہیں ہوا تھا۔ ماہا نے چار دن کی شناسائی کے بجائے اپنی سہیلی کی چار سال کی دوستی پر بھروسہ کرکے فواد نامی لڑکے سے قطع تعلق کرلیا۔ فون پر بات کرنا ترک کردی مگر ایک دو ملاقاتیں' جو باہر کسی پارک یا ہوٹل میں ہوئی تھیں' ان کی تصویریں فواد کے پاس تھیں' اس نے ماہا کو دھمکیاں دینی شروع کردیں۔ وہ خوف زدہ ہوگئی تھی۔

صنوبر کی شادی کو کچھ ہی عرصہ گزرا تھا۔ وہ سسرال سے آتی ہی کم تھی۔ اس سے بات کرنے کا موقع نہیں مل رہا تھا اور وہ جانتی بھی تھی کہ صنوبر فوراً جاکر ماں کو بتادے گی۔ ثروت نے خواہ کتنا بھی بیٹیوں کو سر پر چڑھایا ہوا تھا مگر وہ ان کو اس قدر کھلی چھوٹ دینے کی قائل نہیں تھیں کہ وہ لڑکوں کے ساتھ آزادانہ یا پوشیدہ دوستی یا کوئی بھی تعلق رکھیں۔ گھر میں ایسا کوئی نہیں تھا جسے وہ فواد کے متعلق بتانے کی ہمت کرتی اور جب اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا تو اس نے گھر کی سب سے بے ضرر شخصیت' یعنی طالعہ سے سب کچھ کہہ دیا۔ طالعہ نے نہ ہی اسے برا بھلا کہا' نہ ہی باز پرس کی' بس اسے حوصلہ دیا کہ وہ یہ سب اس شخص سے کہے جو اس معاملے کو سنبھال سکے اور ایسا صرف التمش کرسکتا تھا اور پھر ماہا نے ڈرتے ڈرتے طالعہ کی بات پر عمل درآمد کیا اور اس کی جان فواد نامی عذاب سے چھوٹ گئی۔ اگرچہ اس سارے معاملے کو التمش نے سنبھالا تھا مگر پھر بھی ماہا' طالعہ کی احسان مند تھی' جس نے اسے بروقت صحیح مشورہ اور

Digitized by Google

رہنمائی دی تھی۔

❁.....❁.....❁

صبح ماہا کے اشارے پر طالعہ خط لینے کمرے میں چلی گئی۔ ماہا دروازے کے نزدیک اس کی منتظر تھی۔ باقی سب ڈرائنگ روم میں ناشتے کے بعد خوش گپیوں میں مشغول تھے۔ خرم پر سفر کی تھکان غالب تھی وہ سونے چلے گئے تھے۔ طالعہ خط لے کر آئی تو ماہا نے اطمینان کی سانس خارج کی مگر التمش بلائے ناگہانی کی طرح نازل ہوگیا۔

"یہ کیا دیا ہے تم نے ماہا کو؟" التمش اپنے کمرے میں جانے کی غرض سے ڈرائنگ روم سے باہر آیا تھا مگر راہداری میں سے ہی کھلے صحن میں کھڑے دو نفوس کی خفیہ حرکت اس کی تیز نگاہوں نے پکڑ لی تھی۔ وہ برق رفتاری سے ان کے سر پر پہنچ گیا۔ طالعہ کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار نمودار ہو چکے تھے۔ ماہا پُرسکون رہی تھی۔

"کچھ نہیں ہے۔" ماہا نے لاپروائی سے جواب دیا مگر اس کی تسلی کہاں ہو سکتی تھی۔ اس نے ماہا کے ہاتھ سے اس کا کالج بیگ جھپٹا۔ طالعہ کا رنگ فق ہو گیا۔

"آج دودھ کا دودھ پانی کا پانی ہو جائے گا۔ میں بھی دیکھوں یہ کسے یہ محبت نامے بھیجے جاتے ہیں۔ بچی کے ذریعے اتنا گھٹیا کام کراتے شرم نہیں آتی تمہیں۔" وہ بیگ کھنگالتے ہوئے مسلسل تیر برسا رہا تھا۔

"ماموں..... آپ حد سے گزر رہے ہیں۔ بلاتحقیق پھوپو پر اتنا رکیک الزام لگاتے ہوئے آپ کو شرم آنی چاہیے۔" ماہا طیش میں آ کر بولی۔

"کیا بات ہے' کیوں شور کر رہے ہو تم لوگ؟" ان کی آوازیں سن کر ثروت اور خرم بھی آ گئے۔ طالعہ نے ہراساں ہو کر ان کی طرف دیکھا۔

"پوچھیں اس سے' کس کو یہ محبت نامہ بھیجا جا رہا تھا؟" التمش کے ہاتھ اس کا خط لگ چکا تھا۔

"دیکھ لیں اپنی بہن کے کرتوت۔" ثروت نے جلتی پر تیل چھڑکا۔

"غور سے دیکھ لو یہ تمہارا ہی محبت نامہ ہے۔ اس بار میں کوئی الزام نہیں لگا رہا۔" کاغذ کی تہ کھولتے ہوئے اس نے ہتک آمیز لہجے میں طالعہ کو جتایا۔

"ماموں..... پہلے آپ خط پڑھ لیں' پھر تعین کیجیے گا کہ الزام ہے یا نہیں۔" ماہا نے تلخی سے کہا۔

"ابھی پتا چل جائے گا۔" وہ یقین سے کہتا بآواز بلند پڑھنے لگا۔ ہر لفظ کے ساتھ اس کی آواز مدہم اور چہرے کا رنگ متغیر ہونے لگا تھا۔

"سب کہتے ہیں سب من گھڑت کہانیاں ہیں' جھوٹ' محض لفاظی مگر کون جانے یہ لفظ کسی کی تنہائیوں کے ساتھی بن جاتے ہیں۔" (وہ پتا نہیں کس انکشاف کی امید میں پڑھ رہا تھا۔ نتیجہ اس کی امید کے برخلاف نکلا تھا)

"التمش کی نگاہوں میں نفرت حالانکہ مجھے اس کے رویے سے فرق نہیں پڑتا' مگر پھر بھی وہ اس گھر کا ایک فرد ہے۔" التمش نے بے یقینی سے دیکھا۔

"کہانی ختم ہو جاتی ہے مگر ہمارے دل و ذہن کو جکڑ کر مدتوں اپنے سحر میں گرفتار رکھتی ہے۔"

"کہانی پڑھتے ہوئے کئی کرداروں سے محبت ہو جاتی ہے۔" (وہ تو کسی اور ہی دُنیا میں رہتی تھی' خیالوں کی' افسانوں کی) التمش کو شدید دھچکا لگا۔

"سارا کمال تو لکھاری کا ہوتا ہے۔"

"اچھی کہانیاں کردار سازی کرتی ہیں۔" ہر جملے کے بعد وہ رُکتا اس کی طرف دیکھتا اور پھر آگے پڑھنے لگتا۔ کہانیوں کے کردار' افسانے اور ناولز' مصنفین کے نام' اپنے حالاتِ زندگی کے علاوہ اگر کچھ اور تھا تو وہ ڈائجسٹ کی کہانیوں پر تبصرہ تھا۔

خط اختتام پذیر ہو چکا تھا اور ان سب کو جیسے سانپ سونگھ گیا تھا۔ سب کے چہروں پر ندامت رقم تھی۔ التمش رکے بغیر چلا گیا۔ خط اس نے جیب میں اڑس لیا تھا باقی سب بھی خاموشی سے جا چکے تھے۔ وہ تنہا رہ گئی تھی۔ ماہا نے اس پر ایک افسردہ نظر ڈالی اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی۔

Digitized by Google

❁.....❁.....❁

وہ گھٹنوں میں سر دیے بیٹھی تھی۔ کمرے میں اندھیرے کا راج تھا۔ کمرے کے دروازے پر دستک دینے کے بعد بھائی' بھابی اور ماہا اندر چلے آئے۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا اور پھر سرعت سے اپنی جگہ سے کھڑی ہوگئی۔

"طالعہ..... میری بہن' مجھے معاف کردو' میں اپنی ذمہ داریوں سے غافل رہا' اپنی بہن کو دوسروں کے حوالے کرکے اپنی آنکھیں بند کرلی تھیں' جو مجھے دکھایا گیا' وہ دیکھتا رہا' جو بتایا گیا' اس پر یقین کرلیا لیکن اب میں کسی کو تمہارے کردار پر انگلی اٹھانے کی اجازت نہیں دوں گا۔" بھائی کے الفاظ تھے یا نئی زندگی کی نوید۔ طالعہ حیرت سے بھائی جان کی طرف دیکھ رہی تھی' جن کے چہروں پر ندامت اور شفقت بیک وقت دکھائی دے رہی تھی۔ بھابی بولیں۔

"ہماری بھی دو بیٹیاں ہیں' تمہاری حق تلفی کرتے ہوئے میں بھول گئی تھی کہ ہمارے اعمال کی وجہ سے ہماری بیٹیوں کی زندگی بھی جہنم بن سکتی ہے' تم پر میں جھوٹے بہتان لگاتی رہی اور میری ماہا تاریک جنگل سے صحیح سلامت صرف تمہاری بدولت پلٹ آئی' ماہا نے ایک ایک بات بتادی ہے' ہمیں' کس طرح وہ ایک لڑکے سے ٹریپ ہوئی اور کس طرح تمہاری وجہ سے اسے اس کے چنگل سے آزادی نصیب ہوئی۔ اگر تم اسے نہیں سمجھاتیں تو وہ التمش کو کبھی نہ بتاتی اور ہمیں خبر ہونے تک پتا نہیں کیا سے کیا ہوجاتا۔ طالعہ..... میں ایک ماں کی حیثیت سے اللہ کے بعد تمہاری شکر گزار ہوں..... مجھے معاف کردو۔" بھابی کا ایک ایک لفظ اسے پچھلے سارے عذاب بھلانے میں معاون و مددگار ثابت ہورہا تھا۔ آنے والے دنوں میں ان کا رویہ یکسر بدل گیا۔ وہ ہی طالعہ' جسے وہ اپنے رویے اور لفظوں سے گھائل کرتی تھیں' اب اس کے ساتھ بہت محبت اور شفقت سے پیش آنے لگی تھیں۔ سب کچھ بدل گیا تھا۔

اگر نہیں بدلا تھا تو وہ تھا التمش عثمان' جس نے نہ ہی معذرت کی تھی اور نہ ہی اپنے رویے سے شرمندگی کا اظہار۔ وہ جیسے کچھ ہوا ہی نہیں کی عملی تفسیر بنا ان دنوں زیادہ تر گھر سے باہر ہی رہتا تھا۔ طالعہ کو بھی اس سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ نہ ہی اس کی معذرت کی ضرورت تھی۔

❁.....❁.....❁

خرم کے دل میں کانٹا چبھ رہا تھا کہ اب تک انہوں نے طالعہ کی شادی کے متعلق نہیں سوچا' حالانکہ طالعہ سے چھوٹی' بھتیجی صنوبر شادی شدہ ہوگئی تھی۔ ثروت نے بیٹی کے لیے آنے والے رشتے کی چھان بین اپنے بھائی سے کروائی اور چٹ منگنی پٹ بیاہ کے مصداق بیٹی کو فوراً رخصت کردیا۔ خرم کی واپسی کا انتظار تک نہیں کیا کیونکہ صنوبر کے سسرال والے جلدی کررہے تھے مگر نند کے لیے ثروت نے صاف کہہ دیا تھا "ایسی سانولی رنگت اس پر تعلیم بھی نہیں ہے' اچھا رشتہ کہاں سے ملے گا۔ پھر اس کے کرتوت۔" اضافی جملہ وہ ہر بار فون پر کہتی تھیں اور خرم نے بیوی کی ہر بات پر آنکھیں بند کرکے بھروسا کیا تھا' مگر اب صورت حال بدل چکی تھی۔ خرم کے کہنے پر ثروت نے طالعہ کے لیے رشتہ تلاش کرنا شروع کردیا تھا۔

❁.....❁.....❁

لڑکے والے اسے دیکھ کر جاچکے تھے اور وہ انہیں پسند بھی آگئی تھی۔ بس ان کی ایک ہی شرط تھی کہ شادی جلدی ہو۔ لڑکا ہر لحاظ سے مناسب تھا۔ طالعہ نے "جیسی آپ لوگوں کی مرضی" کہہ کر بھائی بھابی کے سامنے نہایت تابعداری سے سر جھکادیا تھا۔

"آج کل تم کہاں رہتے ہو؟ ابھی ابھی طالعہ کے متوقع سسرال والے گئے ہیں۔" التمش جونہی آیا' بھابی نے اسے آڑے ہاتھوں لیا۔

وہ صبح اسے بتا چکی تھیں کہ گھر میں مہمان آرہے ہیں مگر اس نے خاص توجہ نہیں دی تھی مگر اس وقت طالعہ کو معمول سے ہٹ کر نک سک سے تیار دیکھ کر وہ ضرور ٹھٹکا تھا۔ گلابی رنگ کے نفیس سی کڑھائی والے ٹراؤزر شرٹ

Digitized by Google

میں ملبوس دوپٹہ سر پر لیے لبوں پر گلابی لپ اسٹک لگائے وہ اسے چونکا گئی تھی۔

"خیریت.....! گھر میں کوئی تقریب تھی آج؟" سامنے رکھی ٹیبل پر موجود پلیٹ سے اپنی من پسند مٹھائی اٹھاتے ہوئی اس نے سرسری سا پوچھا مگر جو جواب ملا اس کا اسے گمان بھی نہیں تھا۔

"طالعہ کو دیکھنے آئے تھے کچھ لوگ اسی لیے کہا تھا کہ جلدی آجانا آج مگر تم تو آج کل پتا نہیں کہاں مصروف رہتے ہو؟" ثروت اور بھی کچھ کہہ رہی تھیں۔ اس کی گوشمالی طالعہ کے متوقع سسرال والوں کے متعلق اور اس لڑکے کے بارے میں بھی شاید کچھ بتا رہی تھیں' جو طالعہ کے لیے پسند کیا گیا تھا مگر التمش کا دل ایک دم ہر چیز سے اُچاٹ ہوگیا تھا۔ ہاتھ میں پکڑی ہوئی مٹھائی جوں کی توں واپس رکھ کر وہ وہاں سے اُٹھ کر اپنے کمرے میں آ گیا تھا۔

❁.....❁.....❁

"تم تو بہت خوش ہوں گی آخر جس شہزادے کا تمہیں انتظار تھا' وہ آ ہی گیا۔" وہ ناشتہ بنانے کی تیاری کر رہی تھی کہ التمش کی آواز سن کر چونک اُٹھی۔ وہ کچن کے دروازے میں ایستادہ اسے خشمگیں نظروں سے گھور رہا تھا۔ نہ ہی وہ اپنے سابقہ رویے پر شرمندہ تھا اور نہ ہی اپنے رویے کو بدلنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ طالعہ کے لہجے میں ناگواری در آئی۔

"مجھے کبھی کسی شہزادے کا انتظار نہیں تھا۔" اس نے بلاوجہ ہی تردید کی' حالانکہ وہ سوچ چکی تھی کہ وہ بدل نہیں سکتا مگر پھر بھی اس کے لفظوں سے جھلکتے طنز نے طالعہ کو ٹھیس پہنچائی تھی۔ اس نے طالعہ کو زبردست گھوری سے نوازا اور پلٹ گیا۔ وہ سر جھٹک کر اپنے کام میں مصروف ہوگئی تھی۔

❁.....❁.....❁

بھائی کچھ دیر قبل ہی اٹھ کر گئے تھے۔ وہ گود میں ہاتھ رکھے دماغ میں اودھم مچاتے ان گنت سوالوں کے ہمراہ الجھی ہوئی بیٹھی تھی۔

"التمش عثمان اس طرح کیسے کرسکتا ہے؟ وہ پھر مجھے بے عزت کرنے کا کوئی بہانہ ڈھونڈ رہا ہے۔" وہ حد درجہ بدگمان تھی۔ التمش نے اس سے شادی کی خواہش ظاہر کی تھی اور خرم بھائی کے نزدیک طالعہ کے لیے التمش سے اچھا کوئی اور لڑکا ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

بھائی بے انتہا خوش تھے۔ انہوں نے طالعہ کے انکار کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ ان کے خیال میں وہ بس التمش کے سابقہ رویے کی وجہ سے پریشان یا ناراض تھی اور اس بات کو خرم بھائی اہمیت دینے کے لیے تیار نہیں تھے۔ خرم بھائی سمیت گھر کے تمام افراد اس کے انکار کو خاطر میں لانے سے انکاری تھے۔

"میرا لاکھوں میں ایک بھائی' میں نے سوچا تھا اس کے لیے چاند سی دلہن لاؤں گی مگر خیر اب اگر یہی میرے بھائی کی خواہش ہے تو میں رد نہیں کرسکتی۔" بھابی کے رویے سے صاف ظاہر تھا وہ بادل نخواستہ مانی ہیں مگر کچھ بھی ہو' انہوں نے طالعہ کے لیے آنے والے پہلے رشتے کے لیے انکار کھلوا دیا تھا۔ اب وہ اُٹھتے بیٹھتے اپنے بھائی کی خوبیاں گنوانے لگی تھیں۔ اگرچہ پہلے بھی ان کی زبان پر التمش نامہ تواتر سے رہتا تھا لیکن اب خاص الخاص طالعہ کو سنایا جاتا۔

"کاش بھابی ہی اس رشتے کی مخالفت میں ڈٹ جاتیں۔" وہ حسرت سے سوچنے لگتی۔ ماہا نے بھی کمر کس لی تھی کہ اس سے اقرار کروا کے ہی دم لے گی مگر طالعہ سختی سے اپنے فیصلے پر قائم رہی تھی۔

ماہا کا ماموں نامہ شروع ہوتا اور طالعہ خود کو ڈائجسٹ میں گم کرلیتی لیکن کبوتر کی مانند آنکھیں بند کرلینے سے خطرہ ٹل نہیں جاتا۔ اس بات کا ادراک طالعہ کو چند دن میں ہی ہوگیا تھا' گھر میں زور و شور سے شادی کی تیاریاں شروع ہوچکی تھیں۔ وہ ہر اس جگہ سے کنی کترا کر گزر جاتی' جہاں اس کی اور التمش کی شادی کا ذکر ہو رہا ہوتا۔ بھابی بازاروں کے چکر لگا رہی تھیں۔ آج بھی شام ڈھلے اپنے بھائی کے ہمراہ ڈھیر سارے شاپنگ بیگز لیے گھر میں

Digitized by Google

داخل ہوئیں۔ ماہا بھی آوازیں سن کر اپنے کمرے سے نکل آئی۔ طالعہ کچن میں مصروف رہی۔ خرم ٹی وی پر کرکٹ میچ دیکھ رہے تھے۔ ثروت اور التمش بھی سیدھے ٹی وی لاؤنج میں چلے گئے تھے۔ طالعہ پانی کے گلاس ٹرے میں رکھ کر لاؤنج میں آئی تو بھابی زرق برق گلابی' سرخ و آتشی رنگ کے کپڑوں کا ڈھیر لگائے بیٹھی تھیں۔ اس نے التمش کے سامنے ٹرے کی۔ اس نے پانی کا گلاس خاموشی سے تھام لیا۔ بھابی کو دینے لگی تو انہوں نے ٹرے اس کے ہاتھ سے لے کر ایک طرف رکھی اور اسے اپنے ساتھ پھیلے کپڑوں کے درمیان ہی بٹھالیا۔

"ایسے کہاں اندازہ ہوگا کپڑوں کے رنگ اور ڈیزائن کا' اب دیکھو۔" بھابی نے سرخ زرتار دوپٹا اٹھا کر اس کے سر پر رکھ دیا تھا۔ وہ ہک دک رہ گئی۔ شفاف جلد والے سانولے چہرے پر حیا کی سرخی کے ساتھ ناگواری کا تاثر بھی عود آیا تھا۔

"پھوپو..... آپ تو دلہن لگ رہی ہیں۔" اس کے غصے کو ماہا کے جوش سے کہے جملے نے ہوا دی۔

"بھابی..... مجھے شادی نہیں کرنی اور یہ بات میں ہزار بار کہہ چکی ہوں۔" اس نے اپنے مزاج کے برخلاف تند لہجے میں کہا لیکن احتیاط کی انتہا تھی کہ التمش کا نام لینے سے گریز برتا۔ بھابی نے خفگی سے بھائی کو گھورا' جن کے ماتھے پر شکنیں اُبھر آئی تھیں۔

"تمہاری بات سن چکے ہیں ہم سب مگر ضروری نہیں کہ ہر بار تم درست ہو' تم شوق سے اپنی بات پر قائم رہو لیکن مجھے شادی کرنی ہے۔" التمش نے خرم کی موجودگی کو یکسر نظر انداز کر کے درشت لہجے میں جتایا۔

طالعہ نے بھائی کی طرف دیکھا لیکن وہاں کوئی بھی اس کا طرف دار' اس کا حامی نہیں تھا۔ اس کی بڑی بڑی آنکھیں بے بسی کے احساس سے بھر گئیں اور چہرہ تپ اُٹھا۔ التمش کی بے باکی سے نالاں ہو کر وہ واک آؤٹ کر گئی مگر وہاں فرق کس کو پڑتا تھا۔

"جس طرح تم میری بہن نہیں' بیٹی کی طرح ہو' اسی طرح التمش بھی مجھے بیٹوں کی طرح عزیز ہے' اس نے اتنے سال میری غیر موجودگی میں اس گھر کی تمام ذمہ داریوں کو خوش اسلوبی سے ادا کیا ہے' صنوبر کی شادی میں اس نے بیٹا ہونے کا فرض ادا کیا' طالعہ..... وہ ایک اچھا لڑکا ہے' ہر لحاظ سے تمہارے لائق بھی ہے' تعلیم' شکل و صورت' ملازمت یا پھر اس کا کردار' کہیں کوئی کمی نہیں۔" طالعہ نے پہلو بدلا' اب بھائی سے کیا کہتی کہ اس کی ان گنت لڑکیوں سے دوستی ہے۔

"طالعہ..... بیٹا میں جانتا ہوں اس نے تمہارا دل دکھایا ہے مگر اب وہ اپنے سابقہ رویے کا ازالہ کرنا چاہتا ہے' مجھے امید ہے طالعہ کہ تم اسے ایک موقع ضرور دو گی۔" رات کے کھانے پر اس کی غیر موجودگی محسوس کر کے بھائی خود چلے آئے تھے۔ وہ لب سیئے بیٹھی رہی' حالانکہ دل چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا۔

"اگر اپنے سابقہ رویے کا ازالہ کرنا چاہتا ہے تو معذرت کر کے آئندہ الزام تراشی سے گریز کرے' شادی کا ڈراما کر کے کیا ثابت کرنا چاہتا ہے؟" بھائی اسے سوچنے کا کہہ کر چلے گئے تھے۔

"کیا سوچوں' میرا اور اس کا کوئی جوڑ ہی نہیں۔" بھائی کے جانے کے بعد اس نے جل کر سوچا۔

❁.....❁.....❁

وہ ادھر اسے اُدھر گھر میں بے چین روح کی مانند چکر کاٹ رہی تھی' بھابی اور ماہا حسب معمول بازار گئی ہوئی تھیں' وہ حیران تھی' بھابی اس کے انکار کے باوجود جوش و خروش سے بازاروں کے چکر کاٹ رہی تھیں۔ صبح ماہا نے نہایت جوش و خروش سے کہا تھا۔

"پھوپو..... ہم آج شاپنگ کے لیے جائیں گے' آپ بھی چلیے گا کچھ اپنی پسند سے بھی لے لیں' شادی کے بعد آپ کو نئی سب چیزیں استعمال کرنا ہیں' آپ کی پسند کی ہونی چاہیں۔" وہ ماہا کو آنکھیں دکھاتی رہی اور ماہا نے ڈھٹائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی بات مکمل کر کے ہی دم لیا۔ شکر تھا کہ بھائی ناشتہ کر کے جا چکے تھے اور بھابی

Digitized by Google

فون پر صنوبر کے ساتھ باتوں میں مشغول تھیں۔

"میں کیوں استعمال کروں گی؟ میں تو شادی ہی نہیں کررہی۔" وہ دبی دبی آواز میں برہمی سے بولی۔

"چھوڑو تم لوگ خود شاپنگ کرلو۔ شادی کے بعد اس کی پسند کی شاپنگ میں کرادوں گا اسے۔" وہ کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا تھا۔ وہ پاؤں پٹختی ہوئی جانے لگی۔

"ویسے بھی بارات اور ولیمے کے لیے میں اپنی پسند سے ڈریس لے چکا ہوں۔" اس کے کانوں میں التمش کی سنجیدہ آواز پڑی۔ غالباً اسے سنانے کے لیے ہی کہا گیا تھا۔ وہ جل کر رہ گئی۔ آخر وہ اس کی مرضی کے بغیر کیسے اس کی زندگی کا فیصلہ کرسکتا تھا لیکن وہ تنہا کہاں تھا' اس کا ہمنوا خود اس کا اپنا سگا بھائی تھا۔

وہ صبح شدید غصے میں تھی۔ سہ پہر تک بھابی اور ماہا بازار چلی گئیں۔ بھائی اپنے کسی دوست سے ملنے گئے ہوئے تھے۔ آج کل وہ اپنا کاروبار شروع کرنے میں مصروف تھے۔ التمش کی واپسی رات گئے ہی ہوتی تھی لیکن وہ کون سا اس کی منتظر رہتی تھی' اسے تو بھابی اور ماہا کی واپسی کی فکر تھی۔ ڈور بیل کی آواز سنتے ہی وہ بیرونی دروازے کی سمت لپکی بے تابانہ دروازہ کھولا مگر توقع کے برخلاف سامنے التمش عثمان کو دیکھ کر وہ مایوس ہوکر پلٹ گئی' التمش اپنے پیچھے دروازہ بند کرکے اندر چلا آیا۔

"طالعہ..... رکو' دیکھو میں تمہارے لیے کچھ لایا ہوں۔" اس نے پیچھے سے اس کی آواز سنی۔

"ویسے بھی بارات اور ولیمے کے لیے میں اپنی پسند سے ڈریس لے چکا ہوں۔" صبح اس کی کہی ہوئی بات اسے لفظ بہ لفظ یاد تھی۔ وہ ان سنی کرتی اپنے کمرے میں چلی آئی۔ اس نے ہاتھ میں موجود پیکٹ صحن میں موجود تخت پر رکھا۔ چند پل اس کی شدید برہمی کے متعلق سوچا' پھر مسکراتے ہوئے اس کے کمرے کی طرف چلا آیا۔

دروازے پر رسمی دستک دے کر وہ اجازت کا انتظار کیے بغیر اُدھ کھلا دروازہ دھکیل کر اندر چلا آیا۔ وہ اس جسارت پر ششدر رہ گئی۔ اتنے سالوں میں وہ پہلی بار اس کے کمرے میں آیا تھا۔ طالعہ اپنی جگہ سے فوراً کھڑی ہوئی۔

"تم.....!" اس کی آنکھوں سے جھانکتی حیرانی اور لہجے سے چھلکتی ناگواری التمش تھم گیا کوئی بہت پرانا زخم ہرا ہوا تھا' تکلیف دگ و پے میں سرائیت کرگئی تھی۔

"شاید تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں۔" وہ بولا تو لہجہ ٹوٹا ہوا تھا۔ طالعہ نے چونک کے دیکھا۔ وہ واپسی کے لیے پلٹا۔ طالعہ کا دل ایک دم رک سا گیا۔

"نا قابل اعتبار تو میں تھی تمہارے نزدیک' مجھ پر زہر میں بجھے الزامات کے نشتر تو تم برساتے رہے ہو' میرے کردار پر تم نے انگلی اٹھائی ہے ہمیشہ۔" وہ تلملا کے بولی۔ معذرت کرنے کے بجائے ایک نیا الزام لگا کر جارہا تھا وہ۔ الزام لگانا اس کی عادت بن چکا تھا۔ التمش کے قدم اس کے تلخ و تند لفظوں نے جکڑ لیے۔

"جانتا ہوں بہت تکلیف دی ہے میں نے تمہیں۔ دل سے نادم ہوں مگر طالعہ..... اس طرح بے اعتباری سے دیکھو گی تو جیتے جی مرجاؤں گا۔" وہ ششدر رہ گئی۔

"میں نے کب دیکھا ہے بے اعتباری سے؟" وہ زچ ہوئی۔

"ابھی جب میں آیا تو....." وہ سنجیدگی سے گویا ہوا۔

"بے اعتباری نہیں' برہمی۔" طالعہ نے اس کی غلط فہمی دُور کرنا چاہی۔

"تو تمہیں مجھ پر اعتبار ہے؟" وہ اس سے استفسار کرتے ہوئے شوخی سے مسکرایا۔ طالعہ نے جلدی سے نگاہوں کا زاویہ بدلا۔ اس کی مسکراہٹ پر دل نے بلاوجہ ہی ہارٹ بیٹ مس کی تھی۔

"التمش..... ہمارا کوئی جوڑ نہیں' میں تم سے شادی نہیں کرنا چاہتی' میں اپنے جیسے ہی کسی عام انسان سے شادی کرکے خوش رہ سکتی ہوں' تم کسی اپنی جیسی لڑکی سے شادی کرلو۔" وہ اس کی جانب دیکھے بغیر متوازن لہجے میں بولی۔ وہ بے ساختہ ہنس دیا۔

Digitized by Google

''اپنی جیسی لڑکی سے ہی شادی کررہا ہوں میں' بتاؤ کیا فرق ہے مجھ میں اور تم میں؟ دونوں کی محرومیاں ایک جیسی ہیں' ہم دونوں نے تنہائی کا عذاب جھیلا ہے' مجھے میرے بھائیوں اور بھابیوں نے الزامات لگا کر گھر سے نکال دیا اور تم یہاں ویسے ہی رویے برداشت کرتی رہیں' جیسے میں سہہ چکا تھا۔ لاشعوری طور پر میں تمہیں وہی تکلیف دینا چاہتا تھا جو میں نے خود سہی' طالعہ ہم دونوں میں بہت ساری قدریں مشترک ہیں۔'' طالعہ نے حیرانی سے اسے دیکھا۔

''ہمارے حالات میں شاید مشابہت ہو مگر ہم دونوں میں کوئی قدر مشترک نہیں' نہ ہی میں تم جیسی خوب صورت ہوں اور نہ ہی تمہاری طرح تعلیم یافتہ' میں ان لڑکیوں جیسی نہیں جن سے تمہاری دوستی ہے' تم ان میں سے کسی سے شادی کرلو۔'' وہ اس کی بات قطع کرکے ناصحانہ انداز میں بولی تو اتمش نے اسے تسلی سے سنا۔

''اگر بات شکل وصورت کی ہے تو اس کے قصیدے تم مجھ سے شادی کے بعد سن لینا' ابھی کچھ کہوں گا تو تم ناراض ہوجاؤ گی۔'' وہ شوخ لہجے میں گویا ہوا۔ طالعہ نے گھورنا چاہا مگر اس کی آنکھوں میں مچلتی مسکراہٹ کے ساتھ چھلکتے جذبوں نے طالعہ کو نظر جھکانے پر مجبور کردیا تھا۔ وہ اس کے چہرے پر پھیلتے رنگوں کو دلچسپی اور حیرانی سے دیکھتا رہ گیا۔

''طالعہ اگر تعلیم ڈگریاں حاصل کرنے کا نام ہے تو یقین کرو میں نے صرف ڈگریاں جمع کی ہیں اور سیکھا کچھ بھی نہیں اور اگر تعلیم شعور کا نام ہے تو یقین کرلو کہ تم مجھ سے زیادہ تعلیم یافتہ ہو کیونکہ تم شعور آگہی کے ساتھ ساتھ شرم وحیا کے زیور سے بھی آراستہ ہو۔ زندگی کی تلخیوں نے مجھ میں زہر بھر دیا تھا۔ میں نے تم پر کیے الزامات لگائے' بغیر تحقیق اور بغیر ثبوت کے تمہارے کردار پر انگلی اٹھائی مگر تم نے مجھے کبھی میرے ماضی کا طعنہ نہیں دیا' حالانکہ میرے سگے بھائیوں نے مجھے بدکردار کہہ کر گھر بدر کردیا تھا' تم چاہتی تو کہہ سکتی تھیں کہ تم خود کون سے پارسا ہو مگر تم نے کبھی پلٹ کر نہیں کہا' طالعہ میں ہر دفعہ یہ بات سننے کے لیے تیار رہتا تھا اور ہر بار تمہارا صبر مجھ میں غصہ بھر دیتا تھا۔ تم سے حسد ہونے لگا تھا مجھے' اپنے حسد میں' میں واقعی اپنا چہرہ مسخ کرتا چلا گیا۔ طالعہ..... دیر سے ہی سہی' مگر مجھے احساس ہوچکا ہے کہ میں غلط تھا' کیا تم مجھے معاف کرکے میری رفاقت قبول نہیں کرسکتیں؟ میں تمہارے ساتھ ایک خوش گوار زندگی کا آغاز کرنا چاہتا ہوں اور ایسا صرف تمہاری ہاں سے ہی ممکن ہے۔'' وہ منتظر تھا۔ طالعہ نے رخساروں پر سایہ فگن سیاہ دراز پلکوں کو اٹھا کر اس کی جانب دیکھا۔

''اس شخص کے ساتھ میں کیسے خوش گوار زندگی کا آغاز کرسکتی ہوں جس نے میری مرضی کی پروا تک نہیں کی' شادی کی ساری تیاریاں کرلیں' بارات کا جوڑا تک منتخب کرلیا اور مجھ سے پوچھا تک نہیں۔'' وہ خفگی سے بولی۔

''میرے ساتھ آؤ۔'' وہ مسکرا کر کہتا اسے باہر کی جانب بڑھا۔ طالعہ نے گہرا سانس لیتے ہوئے اس کی تقلید کی۔ تخت پر گفٹ پیپر میں لپٹا بڑا سا پیکٹ جوں کا توں رکھا تھا۔ ''یہ تمہارے لیے ہے۔'' طالعہ نے ناسمجھی سے اس کی جانب دیکھا۔

''کھولو اسے۔'' وہ اسے شش و پنج میں مبتلا دیکھ کر بولا۔ طالعہ نے اس بھاری بھرکم پیکٹ کو احتیاط سے کھولا اور اس کی آنکھیں جگمگا اٹھیں۔ پتا نہیں کہاں سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر وہ اس کے لیے گزشتہ دو ڈھائی سال کے ڈائجسٹ لے آیا تھا اور صرف اتنا ہی نہیں' چند اس کے پسندیدہ ضخیم ناولز بھی تھے۔ یقیناً ان ناولز کے متعلق ماہا نے اسے بتایا ہوگا۔ وہ دیکھتے ہی سمجھ گئی۔ سب سے اوپر رکھے ڈائجسٹ کو اٹھا کر کھولا۔ پسندیدہ رسالے کا سالگرہ نمبر دیکھ کر وہ کہاں رک سکتی تھی لیکن لمحہ بھر کو اس کے ہاتھ لرزے تھے' پھر اس نے صفحہ پلٹ دیا۔

''یہ یہاں کیسے.....؟'' اوراق پلٹتے اپنے ہی لکھے خط پر اس کی نگاہ ٹھہر گئی۔ اس کا نام جگمگا رہا تھا۔ وہ دنگ رہ گئی۔

''خط تو تم نے پھینک دیا تھا۔'' وہ بے یقینی سے بولی۔

Digitized by Google

"کیسے پھینک سکتا تھا۔ تم نے اتنی محنت اور دقتوں سے لکھا تھا اور پھر اس خط نے ہی میرے دل میں تمہاری محبت کا بیج بویا تھا' وہ لڑکی جو مجھے اس گھر کا فرد گردان رہی تھی' جو اس بات کی خواہشمند تھی کہ میں اس کے لیے اپنے خیالات بدلوں' بس اس لڑکی سے خود بخود محبت ہوگئی مجھے۔" طالعہ کے چہرے پر رنگا ہیں جمائے وہ اس دھنک کو دیکھ رہا تھا جو اس سانولی سلونی لڑکی کے ملائم چہرے پر لمحہ لمحہ پھیلتی اسے بے انتہا خوب صورت بنا رہی تھی۔ وہ کسی طلسم کدے میں راہ بھٹک کر چلی آئی تھی شاید التمش کوئی ساحر تھا' وہ کسی اسم کے زیر اثر لب بستہ کھڑی تھی۔

"طالعہ..... شادی کرو گی مجھ سے؟" اس نے لہجے میں محبت کی حلاوت سمیٹ کر پوچھا۔ اس کے پاس انکار کا جواز نہیں تھا' فرار کے راستے مسدود ہو چکے تھے۔

"پہلے سوری تو کہو۔" اسے بروقت یاد آ گیا کہ اس نے اپنے سابقہ رویے کی معذرت نہیں کی۔ التمش کا زندگی سے بھرپور قہقہہ گونج اٹھا۔

"سوری۔" وہ بلا توقف بولا۔

"اب بتاؤ کرو گی مجھ سے شادی؟" التمش نے بے صبری سے استفسار کیا۔

"سوچ کر جواب دوں گی۔" وہ کھلکھلائی۔ التمش نے بے یقینی سے اسے اس طرح کھل کر ہنستے دیکھا۔

"تم اتنی خوب صورت پہلے ہی تھیں یا اب ہوگئی ہو؟" وہ اس کا انوکھا روپ آنکھوں میں بھر کر دلفریب لہجے میں بولا۔ اس نے خجل ہونے کے باوجود نظر اٹھا کر التمش عثمان کی جانب دیکھا۔

"تم پہلے کبھی اتنے خوب صورت ڈائیلاگز نہیں بولتے تھے۔" اس نے شوخ لہجے میں کہتے ہوئے حساب چکتا کیا۔

"کیا کروں' کچھ دنوں سے تمہارے فراق میں تمہارے فیورٹ ڈائجسٹ کو اپنا رفیق بنایا ہوا ہے' بس آ گئے ڈائیلاگز۔" وہ ہنسا۔

"میں بھی کہاں تھی خوب صورت' بس صحبت یاراں کا اثر ہے۔" اس نے ہاتھ میں پکڑا ڈائجسٹ لہرایا۔

"میں اس کی خوش گماں آنکھوں سے
دُنیا دیکھتی ہوں
مسکرا کر سوچتی ہوں
زمیں بیک لخت کتنی خوب صورت ہوگئی ہے!"

وہ زیر لب گنگنائی۔ ملگجی شام کی دہلیز پر کھڑی وہ سانولی سلونی لڑکی اور اس کی آنکھوں میں جھلملاتے ستارے التمش کے خوب صورت لبوں کو دلکش مسکراہٹ سے منور کرتے اس کے دل کو سکون اور اعتبار سے روشناس کرا رہے تھے۔ اس کی مسکراہٹ سے گھبرا کر طالعہ نے اندر کا رخ کیا۔

"یہ تو بتا دو کہ مجھ سے شادی کرو گی یا نہیں؟" اس نے پیچھے سے صدا لگائی۔

"شادی کے کارڈ تک چھپوا لیے' اب پوچھنے کا فائدہ؟" اپنے کمرے کے دروازے پر رک کر اس نے گلابی ہوتے چہرے کے ہمراہ ہاتھ میں موجود سالگرہ نمبر سے کارڈ نکال کر مصنوعی برہمی سے کہا۔

"تاکہ تم انکار نہ کر سکو۔" التمش نے شرارت سے کہا۔

"میری طرف سے انکار ہے۔" وہ تیزی سے کہہ کر اندر غائب ہوگئی۔ التمش کا جان دار قہقہہ اس کی سماعت میں آنے والے خوب صورت وقت کی نوید بن کر گونج رہا تھا۔

Digitized by Google

وفا کے دیپ

نادیہ فاطمہ رضوی

کس طرح چھوڑ دوں تمہیں جاناں
تم میری زندگی کی عادت ہو
داستاں ختم ہونے والی ہے
تم میری آخری محبت ہو

وہ اپنا پورا دھیان اسٹوڈینٹس کو لیکچر دینے میں لگا رہا تھا مگر ذہن بار بار تیسری رو کی ڈیسک پر بیٹھی زرش افتخار کی جانب اٹک رہا تھا جو اپنا صبیح چہرہ ڈیسک کے نیچے کی جانب جھکائے چپکے چپکے مسکرا رہی تھی۔

"او کے گائز آج یہاں تک ان شاء اللہ اسی موضوع کو کل مکمل کریں گے۔" شاہ ویز ایک نگاہ غلط زرش کے جھکے سر پر ڈالتا کلاس کی جانب دیکھتے ہوئے گمبھیر لہجے میں بولا تو کلاس میں یک دم ہلچل سی مچ گئی' اسٹوڈینٹس مسکراتے چہروں کے ساتھ اپنی نشستوں سے اٹھ کھڑے ہوئے' شاہ ویز نے ڈائس پر سے اپنے روم کی چابیاں اٹھائیں اور سبک رفتاری سے کلاس سے نکلتا چلا گیا۔

"ہائے یہ آج سر شاہ ویز کو کیا ہوا پورے پندرہ منٹ پہلے ہی کلاس آف کردی' اتنے گھنٹوں کے بعد تو دیدار یار نصیب ہوا تھا' آنکھوں کے رستے تھوڑا اور اپنی روح میں جذب کرلیتی۔" علیشبہ ایک انگڑائی لیتے ہوئے دلفریب لہجے میں بولی تو نائمہ اور سیما ہنسنے لگیں۔

"مجھے تو لگتا ہے کہ کسی شاعر کی روح علیشبہ میں گھس گئی ہے جو آنکھوں کے رستے نجانے کیا روح میں جذب کررہی ہے۔" سیما اس کا مذاق اڑاتے ہوئے بولی۔

"وہ بھی ناکام شاعر کی' جس کی شاعری بسوں اور رکشوں کے پیچھے لکھی نظر آتی ہے دل جلے' زخمی دل وغیرہ۔" نائمہ نے بھی ٹکڑا لگایا۔

"اف یہ اپنی زرش کو دیکھو کلاس کب کی آف ہوچکی ہے مگر یہ بے ہوش میڈم ابھی تک موبائل فون سے ہی چپکی بیٹھی ہیں' زرش بی بی اب بس بھی کردو۔" علیشبہ نائمہ کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے زرش کی جانب متوجہ ہوتے ہوئے بولی جو ہنوز چہرہ جھکائے موبائل پر تیزی سے میسج ٹائپ کررہی تھی' جب ہی قریب آکر سیما نے باقاعدہ اس کا کندھا ہلایا تو زرش بی بی حال میں لوٹیں۔

"کیا سر شاہ ویز چلے گئے؟" زرش نے چونک کر اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔ آدھی سے زیادہ کلاس خالی ہوچکی تھی۔

"ہائے اللہ یہ بے خبری۔" نائمہ طنزاً بولی۔

"یار یہ سلمان میسج پر اتنی مزے دار باتیں کررہا تھا کہ مجھے تو وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوا۔" زرش موبائل اسکرین پر ایک نگاہ ڈال کر مسکراتے ہوئے بولی تو علیشبہ ٹھنڈی آہ بھر کر گویا ہوئی۔

"مجھے بھی وقت گزرنے کا احساس نہیں ہوا' شاہ ویز

Digitized by Google

عالم کو دیکھتے ہوئے۔

"علیشبہ بیٹا ذرا عقل کے ناخن لو سر شاہ ویز عالم کافی ٹیڑھی کھیر ہیں' لڑکیوں کی بے عزتی کرنے میں تو انہوں نے پی ایچ ڈی کر رکھا ہے' کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے چکر میں ہماری بھی عزت افزائی ہو جائے۔" نائمہ سمجھانے والے انداز میں بولی تو زرش نے بور ہو کر کہا۔

"افوہ تم لوگ پلیز یہ سر شاہ ویز کو ڈسکس کرنا بند کرو اور کینٹین چلو' مجھے بہت بھوک لگ رہی ہے۔"

"تم لوگ جاؤ میں ذرا سر سے لیکچر کے کچھ پوائنٹس سمجھ کر آتی ہوں۔" علیشبہ معنی خیزی سے آنکھیں گھماتے ہوئے بولی تو تینوں ہنسنے لگیں۔

"یہ نہیں سدھرے گی' چلو ہم تو چلتے ہیں۔" پھر زرش ذرا اکتا کر بولی تو چاروں ہنستی مسکراتی کلاس روم سے باہر نکل گئی تھیں۔

❁ ..... ❁ ..... ❁

"میرا تو خون کھول اٹھتا ہے دل چاہتا ہے کہ خوب کھری کھری سناؤں کہ موصوف کی طبیعت ہری ہو جائے۔"

شاہ ویز عالم تلملاتے ہوئے بولا تو جبران اس کی حالت سے محظوظ ہوتے ہوئے قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔ ابھی وہ مزید کچھ کہتا کہ دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی جبران کے "یس" کہنے پر علیشبہ نعیم بڑے طمطراق سے کمرے میں داخل ہوئی۔

"ایکچوئلی مجھے سر شاہ ویز سے کچھ پوائنٹس پوچھنے تھے سر پلیز سمجھا دیجیے۔" علیشبہ اپنے شولڈر کٹ میرون اینڈ ڈارک براؤن بالوں کو جھٹکے سے پیچھے کرتے ہوئے انداز دلربائی سے بولی۔

"جی آیئے کیا پوچھنا ہے آپ کو؟" شاہ ویز عالم تحمل آمیز لہجے میں بولا تھا۔

❁ ..... ❁ ..... ❁

دھوپ کی تمازت محسوس کر کے اچانک شاہ ویز عالم بیدار ہوا تھا' کمرے میں ممی کو کھڑکی کے پردے سائیڈ پر کرتے دیکھ کر وہ کسمسا کر رہ گیا۔

"اٹھ بھی جاؤ شاہ ویز دن کے بارہ بج چکے ہیں۔" ممی کی آواز کمرے میں گونجی تو اس نے مندی مندی نگاہوں

HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdulubes.com

سے لیلیٰ بیگم کو دیکھا اور پھر تکیہ منہ پر دھر کر اس کے اوپر اپنا بازو رکھ دیا۔ "اوہ شاہ ویز عالم اب اٹھ بھی جاؤ تمہارے پاپا دو بار مجھ سے تمہارے بارے میں پوچھ چکے ہیں۔" ممی تکیہ اس کے چہرے سے کھینچتے ہوئے تادیبی انداز میں بولیں تو شاہ ویز منہ بناتا ہوا نیم دراز ہو کر بیٹھ گیا۔

"ممی آج تو سنڈے ہے' پلیز مجھے تھوڑا اور سونے دیتیں۔"

"یہ بات تم مجھ سے نہیں اپنے پاپا سے کہنا۔" وہ اس کے کمرے میں پھیلی چیزوں کو سمیٹنے کے دوران بولیں۔

"پاپا تو مجھ سے صرف ایک ہی بات کہیں گے کہ بزنس جوائن کرلو۔" وہ جمائی روکتے ہوئے بمشکل بولا۔

"تو اس میں حرج ہی کیا ہے' شاہ ویز تمہیں لیکچرار بننے کا شوق تھا میرے خیال میں اب وہ پورا ہوجانا چاہیے تقریباً ایک سال ہوگیا ہے تمہیں۔"

"ممی ابھی تو شوق بھڑکا ہے اور آپ ختم ہونے کی بات کررہی ہیں۔" وہ ممی کی بات پر ہنستے ہوئے بولا۔

"اچھا اب باقی باتیں ناشتے کی ٹیبل پر' تمہارے پاپا کب سے انتظار کررہے ہیں' فوراً فریش ہوکر باہر آؤ۔" ممی باہر کی جانب قدم بڑھاتے ہوئے اسے ہدایت کرتے ہوئے بولیں تو شاہ ویز سراثبات میں ہلا کر بستر سے اٹھ کر سلیپر پہننے لگا تھا۔

❁ ..... ✿ ..... ❁

"میں پوچھتی ہوں کہ آپ کو بچیوں کی کوئی فکر ہے بھی یا نہیں؟" بیگم افتخار ناشتے کی میز پر اپنے شوہر کو تادیبی نگاہوں سے دیکھتی ہوئی ناراضی سے بولیں۔

"ہوں میں سن رہا ہوں آپ بولتی جایئے۔" افتخار صاحب کی اخبار کی اوٹ سے آواز ابھری تو بیگم افتخار بری طرح تلملا کر رہ گئیں۔

"اف میں کروں بھی تو کیا کروں.....؟" وہ اپنا سر دونوں ہاتھوں میں گرا کر بولیں پھر انتہائی چڑ کر اخبار کو گھورتے ہوئے گویا ہوئیں جس کے پیچھے افتخار صاحب کا چہرہ چھپا تھا۔

"میں پوچھتی ہوں کہ آخر ارسلان میں کیا برائی تھی جو آپ نے اس کا رشتہ منع کردیا' نیناں کے لیے وہ ہر لحاظ سے موزوں تھا۔" اس بار افتخار صاحب نے اخبار چہرے سے ہٹا ہی لیا۔

"بیگم آپ کا بھتیجا میری بیٹی کے بالکل موزوں نہیں تھا چلو اس کی اچھی نوکری ہے مگر وہ بزنس مین تو نہیں ہے۔" افتخار صاحب رعونت بھرے لہجے میں بولے تو اسی لمحے خوشبوئیں بکھیرتی نیناں ڈائننگ ہال میں داخل ہوئی۔

"ممما مجھے آفس کے لیے دیر ہورہی ہے میں ناشتہ نہیں کروں گی۔" نیناں ٹیبل پر سے ایک سیب اٹھا کر عجلت میں گھر سے نکل گئی۔

"دیکھا آپ نے۔" وہ ایک بار پھر شوہر کی جانب متوجہ ہوئیں۔

"ارے بھئی آپ کیوں ٹینشن لے رہی ہیں آفس میں کچھ کھالے گی۔" وہ ہنوز اسی لہجے میں بولے۔

افتخار صاحب کی دو بیٹیاں تھیں نیناں اور زرش' افتخار صاحب کا تعلق اونچے اور کھاتے پیتے گھرانے سے تھا جبکہ ان کی بیوی شہر بانو متوسط گھرانے سے آئی تھیں جہاں بیٹیوں کی عزت کو نازک آبگینے کی مانند سمجھا جاتا تھا' جہاں بیٹیوں کو کسی متاع زیست کی طرح سینت سینت کر رکھا جاتا کہ کہیں ان کی معمولی سی لغزش عمر بھر کی رسوائی کا سبب نہ بن جائے جبکہ افتخار صاحب ان باتوں کو فضول اور فرسودہ تصور کرتے تھے ان کے نزدیک لڑکا اور لڑکی میں کوئی تفریق نہیں ہونی چاہیے جتنی آزادی مرد ذات کو دی جاتی ہے اتنی ہی آزادی عورت کا بھی حق ہے یہی وجہ تھی کہ انہوں نے بیٹیوں پر کبھی روک ٹوک نہیں کی تھی مگر بیگم شہر بانو کی ہمیشہ یہی کوشش رہی تھی کہ وہ اپنی بچیوں کو حد سے زیادہ آزادی نہ دیں نیناں کے جانے کے بعد کچھ ہی دیر بعد زرش تیار ہوکر وہاں آئی تو اس کا پہناوا دیکھ کر بیگم شہر بانو کے دل میں ایک گھونسہ سا پڑا' ٹائٹ جینز جس میں اس کی پنڈلیاں بالکل عریاں تھیں اس کے اوپر مسٹرڈ رنگ کی کرتی زیب تن کیے وہ اپنی ماں کو افسردہ کرگئی تھی۔

Digitized by Google

"زرش یہ پینٹ تم نے کس قسم کی پہن رکھی ہے اور دوپٹہ کہاں ہے تمہارا؟" وہ کہنے سے باز نہیں آسکیں سو بول اٹھیں۔

"او مائی ڈیئر مما یہ آج کل کا فیشن ہے سب ہی لڑکیاں یہی پہن رہی ہیں۔" زرش انتہائی بے پروائی سے ٹوسٹ پر مکھن لگاتے ہوئے بولی تو بیگم شہر بانو اسے ناگواری سے دیکھتی ہوئی بولیں۔

"خیر ہر لڑکی تو ایسے لباس نہیں پہنتی بھائی صاحب کی اجالا کو بھی ایسا دیکھا تم نے۔"

"مما اجالا باجی تو اینجل ہیں، وہ تو مجھے اس دنیا کی مخلوق لگتی ہی نہیں، ڈھیلے ڈھالے شلوار قمیص سوٹ میں دوگز دوپٹہ اچھی طرح ڈھانپے بٹ مجھے وہ بہت اچھی لگتی ہیں۔" زرش تصور کی آنکھ سے اجالا کے سراپے کو دیکھتے ہوئے مسکرا کر بولی۔

"بیٹا تمہارا جو دل چاہتا ہے تم ویسا ہی ڈریس پہنا کرو، او کے مائی ڈارلنگ۔" افتخار صاحب اخبار تہہ کرکے زرش پر پیار بھری نگاہ ڈالتے ہوئے بولے تو بیگم شہر بانو اپنے مجازی خدا کو محض دیکھ کر رہ گئی تھیں۔

❁.....✿.....❁

"ہائے ہائے یہ مجبوری یہ موسم اور یہ دوری....." آج صبح ہی سے آسمان بادلوں سے پوری طرح ڈھکا ہوا تھا سبک و نرم ہوائیں جھوم جھوم کر محو پرواز تھیں، ہلکی پھوار نے ماحول کو بے حد خوب صورت اور رومانوی بنا دیا تھا، شاہ ویز عالم کلاس میں جانے کی غرض سے راہداری سے گزرا تو علیشبہ کی گنگناتی آواز اس کی سماعت سے ٹکرا کر اس کا حلق پوری طرح کڑوا کر گئی، وہ سر جھٹک کر جونہی آگے بڑھا زرش سے تقریباً ٹکراتے ٹکراتے بچا۔

"اوہ ایم سوری سر۔" وہ جلدی سے بولی تو شاہ ویز اس کے سراپے پر ایک نگاہ ڈال کر "اٹس اوکے" کہہ کر آگے بڑھ گیا۔

"ہائے زرش کاش تمہاری جگہ اس وقت میں ہوتی تو یہ گولڈن چانس کبھی بھی مس نہیں کرتی۔" علیشبہ کی مصنوعی آہ میں ڈوبی آواز شاہ ویز کی سماعت سے بخوبی ٹکرائی تھی کیونکہ علیشبہ کا مقصد ہی شاہ ویز کو سنانا تھا۔

"تم اتنی بری ہرگز نہیں ہو علیشبہ کہ تمہیں یوں نظر انداز کیا جائے مگر تمہاری یہ حرکتیں مجھے انتہا سے زیادہ بری لگتی ہیں۔" انتہائی تنفر سے شاہ ویز دل میں بولا پھر تیز قدموں سے کلاس روم کی جانب بڑھ گیا۔

"اونہہ نجانے خود کو سمجھتا کیا ہے یہ شخص، ارے اس جیسے تو میری سینڈل کی خاک جھاڑنے کو بے تاب و بیقرار رہتے ہیں۔" علیشبہ کو اپنا یوں اگنور کیے جانا بے حد برا لگا تب ہی شاہ ویز کے جانے کے بعد چڑ کر بولی۔

"تو تم بھی پیچھا چھوڑو اب ایسے بھی سُرخاب کے پر نہیں لگے ہوئے ان میں۔" نائمہ بے زاری سے بولی تو زرش نے بھی تائیدی انداز میں سر ہلا کر کہا۔

"نائمہ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے مجھے تو شاہ ویز میں کوئی خاص بات نظر نہیں آتی۔" علیشبہ نے زرش اور نائمہ کی جانب معنی خیزی سے دیکھا پھر انتہائی دلکشی سے مسکرا کر بولی۔

"تم دونوں کو اس لیے خصوصیت نظر نہیں آرہی کیوں کہ تم دونوں عقل کی اندھی ہو۔" اس بات پر نائمہ اور زرش نے اسے ناسمجھی والے انداز میں دیکھا۔

"اب چلو بھئی میڈم سائرہ کلاس روم میں جا چکی ہیں، لیٹ ہونے پر کہیں ڈانٹ ہی نہ پڑ جائے۔" اچانک کچھ یاد آنے پر زرش فکرمندی سے بولی تو تینوں کلاس لینے کی غرض سے آگے بڑھ گئی تھیں۔

❁.....✿.....❁

زرش آج اپنے ماموں کے گھر آئی تھی، اجالا اور اس سے چھوٹا ہشام اسے بھرپور کمپنی دے رہے تھے۔

"زرش باجی پھوپو بتا رہی تھیں کہ پچھلے ماہ آپ ورلڈ ٹور پر گئی تھیں، آپ کو تو بہت مزہ آیا ہوگا ناں؟" پندرہ سالہ ہشام انتہائی اشتیاق آمیز لہجے میں بولا تو زرش مسکرا کر اسے دیکھتے ہوئے گویا ہوئی۔

"ہاں مزہ تو آیا مگر اتنا زیادہ نہیں کیونکہ میں اتنی بار ٹور پر

Digitized by Google

جا چکی ہوں کہ اب کوئی چیز نئی نہیں لگتی۔"

"میرا بہت دل چاہتا ہے پوری دنیا گھومنے کا آپ دعا کریں کہ میں پائلٹ بن جاؤں پھر پوری دنیا کی سیر کروں گا۔" ہشام کی بات پر زرش کو اس پر بے ساختہ پیار آ گیا۔

"کیوں نہیں ہشام تم ان شاء اللہ ضرور پائلٹ بنو گے۔" زرش اس کے سلکی بالوں کو بگاڑتے ہوئے محبت سے بولی تو اسی اثناء میں اجالا لوازمات کی ٹرے ہاتھ میں لیے اندر داخل ہوئی۔

"ارے اجالا باجی یہ آپ کن فارملیٹیز میں پڑ گئیں مجھے تو کسی بھی چیز کی بالکل خواہش نہیں ہو رہی۔" زرش اجالا کے ہاتھوں سے ٹرے تھامتے ہوئے خوش گواری سے بولی۔

"ارے بھئی یہ بہت ہلکے پھلکے اسنیکس ہیں تم کھا کر تو دیکھو۔" اجالا ہنس کر بولی تو تینوں چائے پینے کے ساتھ باتوں میں مگن ہو گئے تھے۔

❁ ..... ❁ ..... ❁

علیشبہ کا کزن جونک کی طرح اس کے پیچھے پڑ گیا تھا مگر زرش اس کو بالکل لفٹ کرانے کے موڈ میں نہیں تھی' زوہیب اسے ایک آنکھ نہیں بھایا تھا' ایک دن جب وہ علیشبہ کے گھر آئی ہوئی تھی جب ہی زوہیب کی ملاقات زرش سے ہوئی تھی' زوہیب کے انداز میں انتہائی لوفرانہ اور عامیانہ پن تھا جب کہ نگاہوں میں حرص و ہوس صاف دیکھی جا سکتی تھی' یقیناً علیشبہ سے ہی اس نے اس کا نمبر لیا تھا مگر زرش اس سے سخت بیزار تھی وہ شام کو سو کر اٹھی تو اپنے سیل فون پر جسے اس نے سونے سے پہلے سائلنٹ پر کر دیا تھا' اس میں زوہیب کے لاتعداد میسجز اور کچھ مسڈ کالز دکھائی دیں اس کا منہ حلق تک کڑوا ہو گیا پھر سر جھٹک کر اس نے اپنے ذہن کو ہلکا کیا اور فریش ہونے کی غرض سے واش روم کی جانب بڑھ گئی وہ واش روم سے منہ دھو کر باہر آئی تو یک دم نگاہ جگمگاتے موبائل فون کی اسکرین پر پڑی ایک بار پھر زوہیب کی کال آ رہی تھی کچھ سوچ کر زرش نے فون پک کیا اور چنگھاڑنے والے انداز میں ہیلو کہا۔

"زہے نصیب شکر ہے آپ نے ہم پر رحم تو کھایا ورنہ یہ عاشق حسرت محبوب میں اس دنیا سے کوچ کر جاتا۔" زوہیب اپنے مخصوص عامیانہ انداز میں بولا۔

"میری بلا سے تم جہنم رسید ہو جاؤ مگر مجھے فون مت کرو۔" وہ دانت کچکچا کر بولی تو زوہیب نے مصنوعی آہ بھر کر کہا۔

"اف اتنا ظلم اپنے چاہنے والے پر ڈھا رہی ہو' میری جان اتنا غرور اچھا نہیں ہوتا۔"

"شٹ اپ یو پیپ۔" وہ غصے میں کپکپا کر تقریباً چلا ہی پڑی مگر مقابل ڈھیٹوں کا سردار تھا اس پر متلق اثر نہیں ہوا۔

"جان تمنا تم سے ملے بنا تو ہم موت کو بھی گلے نہیں لگائیں گے بس ایک بار....." انتہائی طیش و اشتعال کے عالم میں زرش نے سیل فون آف کر دیا۔

"گھٹیا کمینہ..... لگتا ہے مجھے سم چینج کرنی پڑے گی۔" وہ خود سے بڑبڑا کر بولی اور فون سوئچ آف کر دیا تھا۔

❁ ..... ❁ ..... ❁

مسٹر اینڈ مسز افتخار مسٹر اینڈ مسز عالم کے ساتھ انتہائی خوش گوار موڈ میں محو گفتگو تھے جب کہ زرش وہاں بیٹھی انتہائی بوریت محسوس کر رہی تھی' مسٹر عالم اور مسٹر افتخار بہت اچھے دوست تھے اور دونوں ایک ہی سوچ کے حامل تھے۔

"ارے زرش بیٹا تم یہاں بڑوں کے درمیان یقیناً بے چینی محسوس کر رہی ہو یہ نجانے شاہ ویز اپنے روم میں کیا کر رہا ہے تم ایسا کرو اس کے روم میں چلی جاؤ۔" مسز عالم زرش کو بے زار صورت بنائے دیکھ کر حلاوت سے بولیں تو زرش بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔

شاہ ویز کے روم میں ہلکی سی دستک دے کر وہ سہولت سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی کمرے میں مدھم روشنی اور اے سی کی خنکی کے علاوہ سگریٹ اور روم اسپرے کی خوشبو بسی ہوئی تھی دیوار کے بیچ ایل سی ڈی ٹی وی پر کوئی انگلش چینل ہلکی آواز میں چل رہا تھا۔ زرش نے اِدھر اُدھر گردن گھما کر دیکھا' کمرہ انتہائی نفاست کے ساتھ سجا ہوا

Digitized by Google

تھا' یوں تو ممی اور ڈیڈی کے ہمراہ وہ یہاں اکثر آتی تھیں مگر شاہ ویز کے کمرے میں آنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا' اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے اچانک زرش کی نگاہ ایک خالی گلاس کے ہمراہ قدرے چھوٹی اور آدھی خالی بوتل پر پڑی' جسے دیکھ کر زرش قدرے چونک اٹھی' وہ اس بوتل سے بخوبی آشنا تھی کیونکہ ڈیڈی کے پرائیویٹ روم جہاں ممانہ کو بھی جانے کی اجازت نہیں تھی وہاں ایک دو بار وہ ایسی ہی بوتل دیکھ چکی تھی' اسے یہ گمان نہیں تھا کہ شاہ ویز بھی اس کا استعمال کرتا ہے' وہ اپنی سوچوں میں گم تھی کہ معاً باتھ روم کا دروازہ کھولا اور شاہ ویز گنگناتا ہوا باتھ گاؤن پہنے اپنے گیلے بالوں کو تولیہ سے رگڑتے ہوئے برآمد ہوا' زرش چند پل کے لیے سٹپٹائی مگر پھر سنبھل کر "ہیلو" کہا تو اس کی آواز پر شاہ ویز نے تیزی سے چونک کر سر اٹھایا' جس کی خوب صورت آنکھوں کے ڈورے گہرے سرخی مائل ہو رہے تھے۔

"ارے زرش تم یہاں کیسے؟" وہ نارمل انداز میں بولا۔

"لیکچر لی میں ڈرائنگ روم میں بیٹھی بور ہو رہی تھی' تو آنٹی نے کہا کہ آپ کے روم میں چلی جاؤں۔" وہ سہولت سے بولی تو شاہ ویز کی نگاہ اس کے پہناوے پر جا ٹکی آج خلاف معمول اس نے لان کا معقول سوٹ پہنا ہوا تھا' البتہ دوپٹہ ندارد تھا۔

"ہوں تم پلیز بیٹھو میں ذرا ڈریس اپ ہو کر آتا ہوں۔" شاہ ویز مردانہ کہہ کر ڈریسنگ روم کی جانب بڑھا تو زرش محض وقت گزاری کے لیے ریموٹ ہاتھ میں لے کر صوفے پر ایستادہ ہو کر چینل سرچنگ کرتے ہوئے شاہ ویز کا انتظار کرنے لگی تھی۔

❁ ..... ✿ ..... ❁

"بھابی میں تو چاہتی ہوں کہ دونوں بیٹیوں کی شادیاں جلد سے جلد کر دوں' لڑکیوں کی مناسب وقت میں شادی ہو جائے تو ہی اچھا رہتا ہے۔" شہر بانو بیگم مسز عالم سے بولیں تو وہ سہولت سے گویا ہوئیں۔

"نیناں کے لیے تو ٹھیک بات ہے مگر بھابی زرش تو ابھی چھوٹی ہے' اس کی تو تعلیم بھی مکمل نہیں ہوئی آخر اتنی جلدی کیا ہے؟" لیلیٰ صاحب کی بات پر شہر بانو بیگم اضطراری انداز میں پہلو بدلتے ہوئے بولیں۔

"بھابی آپ تو دیکھ ہی رہی ہیں کہ آج کل کا ماحول کتنا بے ڈھب اور خراب ہو گیا ہے' اب برائی برائی نہیں بلکہ فیشن بنتی جا رہی ہے اور رہی سہی کسر ہمارا میڈیا پوری کر رہا ہے مجھے جوان لڑکے لڑکیوں کا یوں آزادانہ میل جول اچھا نہیں لگتا۔"

"ہاں یہ بات تو آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں' جب کہ ہمارے سرکل میں یہ باتیں بہت عام ہیں اور قابل اعتراض بھی نہیں۔" لیلیٰ بیگم شہر بانو بیگم کی بات کی بھرپور تائید کرتے ہوئے بولی تھیں۔

❁ ..... ✿ ..... ❁

شاہ ویز ڈریس اپ ہو کر آیا تو زرش کو اپنے گھر کے وسیع و عریض لان میں لے آیا' زرش کو کمپنی دینا اس کی مجبوری تھی کیونکہ زرش کے والد اس کے ابو کے دوست ہونے کے ساتھ ساتھ بزنس پارٹنر بھی تھے اور افتخار صاحب کی بدولت شاہ ویز کے والد کو بھی کافی فائدے پہنچ رہے تھے' افتخار اور عالم صاحب دونوں دل میں یہ بات طے کیے بیٹھے تھے کہ شاہ ویز کی شادی نیناں سے کر دی جائے البتہ بچوں اور ان کی ماؤں کو اس بات سے لاعلم رکھا ہوا تھا۔

"آپ کیسے اتنا بورنگ کام کر لیتے ہیں مجھے تو لیکچر سننا بہت برا لگتا ہے۔" لان میں شاہ ویز کے ہمراہ چہل قدمی کرتے ہوئے زرش منہ بنا کر بولی تو شاہ ویز کنفیشن انداز میں ہنس دیا۔

"ہاں شاید مجھے بھی لیکچر سننا برا لگے مگر لیکچر دینا بہت اچھا لگتا ہے' انجوائے آئی لو دس..... مجھے پڑھانا بہت پسند ہے۔"

"جی اور اسی بات پر آپ کے ڈیڈی آپ سے خفا ہیں کہ بزنس میں آپ ان کے ساتھ کام نہیں کرتے۔" زرش سر ہلاتے ہوئے بولی پھر مزید گویا ہوئی۔

"ویسے آپ کا یہ شوق بہت منفرد ہے آئی مین ہر کوئی پڑھانے سے شغف نہیں رکھتا۔"

Digitized by Google

"یو آر رائٹ زرش..... بٹ جب میں کلاس نائنتھ میں تھا اپنے ایک ٹیچر سرسرفراز حسین سے بہت انسپائر تھا مجھے پڑھانے کا شوق انہی سے پیدا ہوا۔" شاہ ویز سہولت سے بولا تو مزید اس بارے میں کچھ اور پوچھنا اس نے مناسب نہیں سمجھا پھر دونوں اِدھر اُدھر کی باتوں میں لگ گئے تھے۔

❁ ..... ✿ ..... ❁

زوہیب کی بدتمیزیوں اور منہ زوریوں کے باعث علیشبہ اور زرش کے درمیان ایک کھنچاؤ پیدا ہوگیا تھا علیشبہ بجائے زوہیب کو بازرکھنے کے الٹا زرش کو پریشرائز کررہی تھی کہ وہ زوہیب سے دوستی کرلے۔

"تمہارے اس چھچھورے سال میز ڈکزن میں مجھے رتی بھر بھی دلچسپی نہیں' تم اس کو سمجھاتی کیوں نہیں' آخر وہ کیوں ملک الموت کی طرح میرے پیچھے پڑا ہوا ہے۔" ایک دن زرش کا پیمانہ ضبط لبریز ہو ہی گیا اس نے اپنا نمبر بھی چینج کر لیا تھا مگر نیا نمبر بھی اس کے ہاتھ آ گیا تھا' حالانکہ اپنا نیا نمبر اس نے علیشبہ تک کو اس لیے نہیں دیا تھا جس کا علیشبہ نے کافی برا منایا تھا۔

"تم اپنے آپ کو سمجھتی کیا ہو زرش' زوہیب پورے پاکستان کی انتہائی مشہور و معروف گارمنٹس فیکٹری کے مالک کا بیٹا ہے تم جیسی لڑکیاں تو اسے ہر قدم پر مل جاتی ہیں۔"

"واٹ ڈو یو مین تم جیسی لڑکیاں؟" علیشبہ کی گوہر افشانی پر زرش نے مشتعل ہوکر پوچھا۔

"اگر زوہیب مل اونر یا بزنس ٹائیکون کا بیٹا ہے تو میرے ڈیڈی کو بھی تم اچھی طرح جانتی ہو' میں بھی کوئی چھوٹے گھرانے کی لڑکی ہرگز نہیں ہوں سمجھیں۔" دونوں کو بے تحاشا غصے میں دیکھ کر نائمہ' سیما خائف سی ہوگئی جو لائبریری کے پیچھے بنے چھوٹے سے گراؤنڈ میں بیٹھیں ایک دوسرے پر گولے برسانے پر آمادہ نظر آرہی تھیں۔

"گائز پلیز تم دونوں کیوں لڑ رہی ہو' علیشبہ یار کول ڈاؤن۔" سیما درمیان میں مداخلت کرتے ہوئے بولی۔

"نائمہ یہ اپنے کزن کو کیوں نہیں منع کرتی' علیشبہ یہ بات کیوں بھول گئی ہے کہ میں اس کی دوست ہوں۔" زرش انتہائی چڑ کر بولی۔

"اونہہ تمہاری دوستی پر میں لعنت بھیجتی ہوں' پہلے تو خود لڑکوں کو متوجہ کرتی ہو پھر جب وہ پیچھے آئیں تو یوں نیک بی بی بن جاتی ہو۔" علیشبہ انتہائی رعونت سے اس پر نگاہ ڈال کر وہاں سے چلتی بنی' جب کہ علیشبہ کی بات پر چند ثانیے کے لیے وہ کھلے منہ سے اسے دیکھتی رہ گئی' اسے یقین ہی نہیں آرہا تھا کہ علیشبہ جو اس کی دوستی کا دم بھرتی تھی اس نے یہ الفاظ استعمال کیے ہیں۔

"یہ..... یہ کیا کہہ گئی ہے مجھے۔" زرش کچھ دیر بعد حواس میں آئی تو انتہائی اچنبھے کے عالم میں نائمہ' سیما سے استفسار کیا جو خود بھی علیشبہ کے ان جملوں پر حیران و پریشان سی کھڑی تھیں۔

"چھوڑو زرش' علیشبہ کا تو دماغ خراب ہوگیا ہے۔" نائمہ سنبھلتے ہوئے زرش کو ٹھنڈا کرنے کی غرض سے بولی مگر زرش علیشبہ کی بات پر بہت ہرٹ ہوئی تھی سو خاموشی سے انہیں اپنے گھر جانے کا بتا کر وہ کیمپس سے چلی گئی تھی۔

❁ ..... ✿ ..... ❁

آج نیناں کی سالگرہ تھی افتخار صاحب نے بڑے اعلیٰ پیمانے پر گھر کے وسیع لان میں انتظامات کروائے ہوئے تھے۔ ریڈ میکسی میں نفاست سے کیے گئے میک اپ میں نفیس سی جیولری میں نیناں بے پناہ خوب صورت لگ رہی تھی جبکہ زرش نے بھی میکسی ہی زیب تن کی ہوئی تھی بلیک رنگ کی اسٹائلش سی میں وہ بھی بہت اٹریکٹو اور حسین دکھائی دے رہی تھی' اس طرح کی تقریبات بزنس کی مضبوطی میں بہت معاون ثابت ہوتی ہیں اور افتخار صاحب ایسے مواقعوں سے خوب فائدہ اٹھانا بہت اچھی طرح سے جانتے تھے' آج نیناں اس تقریب کی جان تھی بہت سی پسندیدہ نگاہیں اس کی جانب اٹھ رہی تھیں مگر وہ سب سے بے نیاز تھی۔

"اف نیناں اب پلیز کیک بھی کاٹ چکو اور کتنی دیر لگاؤ

Digitized by Google

گی۔" زرش اکتائے ہوئے انداز میں بولی۔

"تمہیں کس بات کی جلدی ہے ابھی وقت ہی کتنا ہوا ہے؟" نیناں زرش کو تقریباً ڈپٹتے ہوئے بولی جب کہ اس کی منتظر نگاہیں بار بار داخلی دروازے کی جانب اٹھ رہی تھیں۔

"ہوں لگتا ہے کہ تمہیں کسی خاص مہمان کے آنے کا انتظار ہے؟" زرش لمحوں میں اس کی بے چینی بھانپ کر اس سے شوخی سے بولی تو نیناں لمحے بھر کو سٹپٹائی جبکہ اسی پل دروازے سے مسز عالم اور شاہ ویز اور ماموں کی فیملی بیک وقت داخل ہوئی۔ بلیک ڈنر سوٹ میں ملبوس شاہ ویز وجاہت و دلکشی کا پیکر لگ رہا تھا جبکہ بلیک پینٹ پر ڈارک میرون شرٹ میں ارسلان کی شخصیت کافی نکھری ہوئی دکھائی دے رہی تھی ان لوگوں کو دیکھ کر نیناں بے ساختہ آگے بڑھی مگر اسی پل ڈیڈی نے اسے آواز دی تو وہ ان کی جانب متوجہ ہوگئی وہ اشارے سے اسے اپنی جانب بلا رہے تھے زرش ناچار ڈیڈی کی جانب بڑھ گئی۔

"ہمدانی صاحب یہ ہے میری چھوٹی بیٹی زرش پرائیویٹ یونیورسٹی سے بی بی اے کر رہی ہے۔" افتخار صاحب زرش کا تعارف کسی سے کروا رہے تھے۔ زرش محض "ہیلو" کہہ کر پھر سوچ میں گم ہوگئی۔

"نیناں کی بے ساختگی ارسلان بھائی کے لیے تھی یا شاہ ویز کے لیے.....؟" وہ خود سے سوال کر رہی تھی۔ جب ہی ڈیڈی نے اسے ٹوکا۔

"بیٹا انکل تم سے کچھ پوچھ رہے ہیں۔" زرش یک دم ہڑبڑا سی گئی۔

"اوہ آئی ایم سوری انکل کیا پوچھ رہے تھے آپ؟" زرش خود کو سنبھال کر جلدی سے بولی۔

"بھئی افتخار صاحب آپ کی بیٹی بہت پریٹی ہے۔" ہمدانی صاحب زرش کو دیکھ کر ہنس کر افتخار صاحب سے بولے تو وہ فخریہ انداز میں اثبات میں سر ہلا گئے جبکہ زرش موقع سے فائدہ اٹھا کر انہیں بہانہ کر کے وہاں سے کھسک آئی نیناں کیک کاٹ چکی تھی اور اب تمام مہمان کھانے کی طرف متوجہ تھے۔

"اجالا باجی ہشام آپ دونوں کو کچھ چاہیے تو میں لے آؤں۔" زرش نے اِدھر اُدھر دیکھا پھر فوراً اجالا سے استفسار کیا۔ "یار ارسلان بھائی کہاں گئے؟ مجھے نظر نہیں آ رہے۔"

"دراصل ارسلان کو اپنے آفس کے کام سے بہت ضروری جانا تھا لہٰذا ہمیں چھوڑ کر وہ فوراً چلا گیا۔" اجالا سہولت سے بولی تو زرش خاموش سی ہوگئی۔

"ہیلو بلیک بیوٹی آج تو تم ہمیں پہچان ہی نہیں رہیں۔" عقب سے سلمان کی شوخ آواز ابھری تو زرش پلٹ کر خوش گواری سے بولی۔

"میں نے تو تمہیں پہچان لیا تھا مگر تم ہی کہیں اور گم تھے۔" بھئی انکل کی بیٹی سے باتیں کرتے دیکھ کر وہ خود ہی سلمان کے پاس نہیں گئی تھی سو وہ بھی طنز کر گئی جس پر سلمان قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔

"ارے یار وہ تو بس ایسے ہی۔" سلمان نے کہا مگر زرش اس کی جانب متوجہ نہیں تھی اس نے تمام محفل پر ایک نگاہ ڈالی نیناں اور شاہ ویز دونوں ہی اسے نظر نہیں آئے تھے۔

❁ ..... ✿ ..... ❁

بیڈ پر نیم دراز شاہ ویز لیپ ٹاپ پر کوئی ضروری کام کر رہا تھا جب ہی ہلکی سی دستک دے کر کیلی بیگم چلی آئیں۔

"ارے ممی آپ..... کوئی بات تھی تو مجھے بلا لیا ہوتا۔" شاہ ویز انہیں کمرے میں آتا دیکھ کر بولا۔

"کیوں بیٹا کیا میں تمہارے کمرے میں نہیں آ سکتی۔" وہ نرمی سے بولیں تو شاہ ویز خفیف سا ہوگیا۔

"میرا یہ مطلب نہیں تھا ممی آپ جب چاہیں جس وقت چاہیں آ سکتی ہیں۔" وہ فوراً اپنی بات کی وضاحت کر کے بولا اور لیپ ٹاپ بستر پر رکھ کر بیڈ کی پائنتی پر ممی کے ہمراہ بیٹھ گیا۔

"شاہ ویز میں چاہتی ہوں کہ اب تم شادی کر لو اتنا عرصہ تم اپنی من مانی کرتے رہے مگر اب تمہیں میری بات

Digitized by Google

مانتی ہوگی۔" آخری جملہ وہ قدرے ناراضی سے بولیں تو شاہ ویز بے ساختہ ہنس دیا۔

"میری آزادی آپ کو اچھی نہیں لگ رہی۔" وہ نروٹھے پن سے بولا تو ممی نے صاف نفی میں سر ہلایا' جس پر وہ قہقہہ لگا کر ہنس دیا' بیٹے کا خوشگوار موڈ دیکھ کر لیلیٰ بیگم فوراً بولیں۔

"شاہ ویز میں نے تمہارے لیے ایک لڑکی پسند کی ہے۔"

"اچھا کب اور کہاں؟" وہ قدرے حیرت سے بولا۔

"تمہیں اس سے کیا مطلب کہ کب اور کہاں پسند کی بس میں چاہتی ہوں کہ....." بولتے ہوئے وہ یک دم رکی معاً ذہن میں کچھ خیال آیا تو قدرے الجھ کر اسے دیکھ کر گویا ہوئیں۔

"شاہ ویز تمہیں تو کوئی لڑکی پسند نہیں؟ میرا مطلب ہے کہ....." وہ خود ہی جملہ ادھورا چھوڑ کر خاموش ہوگئیں۔

"اچھا آپ یہ تو بتایئے وہ موصوفہ ہے کون جسے آپ نے میرے لیے پسند کیا ہے؟" وہ مزے سے بولا تو لیلیٰ بیگم یک دم پُرجوش ہوگئیں۔

"وہ زرش....."

"واٹ..... نو نیور ممی پلیز مزید کچھ اور نہیں کہیے گا۔" شاہ ویز انتہائی بیزاری و ناگواری سے ان کی بات درمیان میں ہی اچکتے ہوئے بولا۔

"اُفوہ تم میری بات پوری تو سنو میں زرش کے لیے نہیں کہہ رہی بلکہ زرش کی کزن اجالا کا ذکر کر رہی ہوں۔" انہوں نے جلدی بات مکمل کی کہ مبادا وہ پھر جذباتی ہو کر کہیں ان کی بات بیچ میں ہی نہ کاٹ دے۔

"اجالا..... کون اجالا؟" وہ الجھ کر بولا۔

"ارے بھئی شہر بانو بھابی کی بھتیجی اجالا' زرش کی ماموں کی بیٹی۔" وہ یاد دلاتے ہوئے بولیں تو شاہ ویز کو یک دم یاد آ گیا۔

"وہ اجالا..... جو دوگز کا دوپٹہ اوڑھے ہمیشہ نگاہیں نیچے کیے ہی مخاطب ہوتی ہے۔"

"ہاں ہاں وہی۔" لیلیٰ بیگم پُرجوش انداز میں بولیں۔

"مگر ممی وہ تو بہت بیک ورڈ سی لڑکی ہے' آئی مین ہمارے اور ان کے معیار زندگی میں بہت فرق ہے' آئی تھینک وہ اس ماحول میں ایڈجسٹ نہیں کر سکے گی اور ہو سکتا ہے کہ ہمارے درمیان بھی ذہنی ہم آہنگی نہ ہو سکے۔" شاہ ویز صاف گوئی سے بولا تو لیلیٰ بیگم حلاوت سے گویا ہوئیں۔

"بیٹا اجالا بیک ورڈ لڑکی نہیں' پڑھی لکھی' سمجھدار اور زندگی کے تقاضوں کو بخوبی طور پر سمجھنے والی لڑکی ہے' افتخار بھائی کے گھر میری اس سے دو تین بار ملاقات ہو چکی ہے اور پھر بیٹا تمہیں بھی تو حد سے زیادہ آزاد اور بے لگام لڑکیاں پسند نہیں ہیں' اجالا تمہارے لیے ان شاءاللہ بہت اچھی جیون ساتھی ثابت ہوگی۔" شاہ ویز چند ثانیے کچھ سوچتا رہا پھر دھیرے سے بولا۔

"آپ نے ابو سے بات کی؟"

"نہیں میں نے سوچا پہلے تم سے بات کر لوں' پھر ان سے کر لوں گی۔"

"ٹھیک ہے ممی اگر آپ چاہتی ہیں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" یک دم شاہ ویز نے اپنی ممی کی خوشی کی خاطر او کے کر دیا جبکہ لیلیٰ بیگم نے فرط مسرت سے شاہ ویز کو اپنے سینے سے لگا لیا۔

"یار عالم میرے خیال میں اب وہ وقت آ گیا ہے جب ہماری دوستی رشتے داری میں بدل جائے۔" افتخار صاحب سنجیدگی سے بولے تو عالم صاحب نے چونک کر خوشگوار حیرت سے انہیں دیکھا۔

"ڈیٹس گریٹ یار میں بھی یہ بات سوچ رہا تھا۔"

"ٹھیک ہے تو پھر اس سنڈے کو تم شاہ ویز اور بھابی کے ہمراہ ہمارے گھر ڈنر پر آ جاؤ' باقی معاملات ہم اس دن طے کر لیتے ہیں۔" وہ سگار کا گہرا کش لگاتے ہوئے بولے تو عالم صاحب نے خوشی سے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

❁ ..... ✿ ..... ❁

افتخار صاحب نے جب گھر میں اس رشتے کا تذکرہ کیا

Digitized by Google

تو شہر بانو بیگم اور زرش کو کوئی اعتراض نہیں ہوا مگر جب نیناں کو بتایا تو وہ بری طرح منھ سے اکھڑ گئی۔

"میری زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ آپ لوگوں نے بنا مجھے بتائے میری مرضی جانے بغیر کیسے کرلیا؟"

"کیوں بیٹا کیا تمہیں شاہ ویز پسند نہیں؟" شہر بانو بیگم نے نیناں کا جذباتی انداز دیکھ کر کچھ خائف سی ہو کر پوچھا۔

"اس کا مطلب ہے کہ نیناں شاہ ویز میں انٹرسٹڈ نہیں ہے تو پھر.....!" زرش فقط اتنا ہی سوچ پائی کہ اسی دم ڈیڈی کی گرجدار آواز گونجی۔

"تم ابھی اتنی سمجھدار نہیں ہوئیں کہ اتنے بڑے فیصلے خود کرتی پھرو شاہ ویز تمہارے لیے ہر لحاظ سے پرفیکٹ ہے تم سمجھ گئے ناں؟"

"نو نیور میں شاہ ویز سے ہرگز شادی نہیں کرسکتی ڈیڈی' پلیز مجھے فورس مت کریں۔" نیناں چیخ کر بولی۔

"تمہیں شاہ ویز سے ہی شادی کرنا پڑے گی میں عالم حیدر سے کمٹ منٹ کرچکا ہوں۔" افتخار صاحب ہنوز لہجے میں بولے۔

"افوہ..... آپ دونوں کیوں اس قدر جذباتی ہو رہے ہیں پلیز غصہ ختم کیجیے ہم سہولت سے بھی تو بات کرسکتے ہیں ناں۔" شہر بانو بیگم باپ اور جوان اولاد کو الجھتا دیکھ کر خائف ہو کر بولیں۔

"میں تمہارے شاہ ویز سے شادی سے انکار کی وجہ جان سکتا ہوں؟" افتخار صاحب اپنی بیگم کی بات کو نظر انداز کر کے کڑے تیور لیے بولے تو نیناں چند ثانیے کے لیے خاموش رہی پھر آہستگی و نرمی سے بولی۔

"وجہ آپ کو کچھ دنوں میں بتادوں گی۔"

"نو وے تم ابھی اور اسی وقت وجہ بتاؤ گی۔" وہ ہٹیلے لہجے میں بولے تو نیناں نے ماں کو مدد طلب نگاہوں سے دیکھا۔

"افتخار آپ پلیز اپنے روم میں جائیے ورنہ آپ کا بی پی شوٹ کر جائے گا میں نیناں سے پوچھتی ہوں۔" افتخار صاحب بیٹی پر ایک سلگتی نگاہ ڈال کر اپنے کمرے کی جانب چل دیئے جبکہ نیناں بھی پلٹ کر اپنے روم کی طرف بڑھ گئی البتہ زرش اور شہر بانو بیگم نے اس پل سکون کا سانس لیا طوفان وقتی طور پر ٹل گیا تھا۔

❁ ..... ❁ ..... ❁

عالم حیدر نے جب اپنے فیصلے کے بارے میں لیلیٰ بیگم اور شاہ ویز کو بتایا تو دونوں چپ کے چپ رہ گئے۔

"تم دیکھنا اب ہمارا بزنس کس طرح آگے بڑھے گا' یہ شادی ہمارے لیے کتنی فائدہ مند ثابت ہوگی' اس کا تو تم دونوں کو اندازہ ہی نہیں۔" عالم حیدر بے تحاشا خوشی کے عالم میں بول رہے تھے جبکہ لیلیٰ بیگم ملول سے چہرے سمیت بیٹھی ہوئی تھیں۔ "شاہ ویز اس سنڈے ہم تمہاری منگنی کی ڈیٹ فکس کردیں گے اوکے۔" اپنی جون میں کہہ کر عالم حیدر لاؤنج سے باہر نکل گئے جبکہ دونوں ماں بیٹے خاموش نظروں سے محض ایک دوسرے کو دیکھتے رہ گئے تھے۔

❁ ..... ❁ ..... ❁

"نیناں یار تم مجھے تو بتادو کہ آخر وہ کون شخص ہے جس کی خاطر تم نے ڈیڈی کے سامنے علم بغاوت لہرایا ہے۔" زرش نے بہت عاجزی سے اس سے دریافت کیا' نیناں نے چند ثانیے اپنے سے دو سال چھوٹی بہن کو دیکھا پھر ایک گہری سانس کھینچ کر دھیرے سے بولی۔

"ارسلان۔"

"کیا.....! ارسلان بھائی؟ یو مین ارسلان بھائی.....اوُ میرے اللہ..... وہی ناں ہمارے ماموں کے بیٹے۔" زرش انتہائی ششدر ہو کر بستر سے اچھل کر بے یقین لہجے میں بولی جبکہ دروازے سے اندر داخل ہوتی شہر بانو بیگم کی دل کی دھڑکنیں مدھم سی ہوگئیں انہیں سمجھ میں نہیں آیا کہ اس خبر پر انہیں دکھی ہونا چاہیے یا خوش۔

"نہیں خالہ بختاور کا بیٹا۔" نیناں جل کر بولی تو زرش بے ساختہ زور و شور سے ہنسنے لگی۔

"زرش کی بچی تمہیں کسی سوجھ رہی ہے اور یہاں میری جان پر بنی ہوئی ہے۔" نیناں چڑ کر بولی تو زرش بھی معاملے کی نزاکت سمجھ کر فوراً سنجیدہ ہوگئی۔

Digitized by Google

"مگر نیناں ڈیڈی تو ارسلان بھائی کا پروپوزل ریجیکٹ کر چکے ہیں' وہ ہمارے ننھیال والوں کو پسند نہیں کرتے ناں۔"

"جو بھی ہو زرش میں شادی کروں گی تو صرف ارسلان اعزاز سے ورنہ نہیں..... مجھے تو سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر اس میں کیا برائی ہے' ملٹی نیشنل کمپنی میں اعلیٰ عہدے پر فائز ہے' ہائی کوالیفائیڈ ہونے کے ساتھ اٹریکٹو اور ہینڈسم بھی ہے' اچھے خاندان سے ہے۔" نیناں جذباتی انداز میں بولتی چلی گئی جبکہ شہر بانو بیگم انتہائی خاموشی سے دروازے سے ہی واپس لوٹ گئی تھیں۔

❁ ..... ✿ ..... ❁

نیناں پوری طرح افتخار صاحب کے آگے ڈٹ گئی ارسلان کا نام سن کر ان کے دل پر بجلی سی گری مگر نیناں کسی طوران کی بات ماننے پر آمادہ نہیں تھی' افتخار صاحب نے ہر حربہ آزما لیا تھا مگر نیناں کی نہ ہاں میں نہیں بدلی۔

"ٹھیک ہے اگر تمہیں اپنی من مانی کرنی ہے تو شوق سے کرو مگر ارسلان سے شادی کے بعد اس گھر کے دروازے تمہارے لیے ہمیشہ کے لیے بند ہو جائیں گے' یہی نہیں تمہیں میری پراپرٹی سے ایک پھوٹی کوڑی بھی نہیں ملے گی' میری تمام جائیداد کی وارث صرف زرش ہوگی۔" افتخار صاحب نے آخری حربہ آزمایا جو کہ ناکام ثابت ہوا۔

"مجھے منظور ہے ڈیڈی۔" نیناں کا جواب سن کر افتخار صاحب اندر سے بری طرح ہل گئے مگر بظاہر پُرسکون رہے۔

"ٹھیک ہے ارسلان سے کہو دو گواہوں اور قاضی کو ساتھ لے آئے میں تم پر ایک پھوٹی کوڑی بھی خرچ نہیں کروں گا۔" وہ رعونت سے بول کر اٹھ گئے جبکہ زرش اور شہر بانو بیگم سانس روکے ساکت بیٹھی رہیں۔

افتخار صاحب نے عالم حیدر سے انتہائی شرمندہ ہو کر معافی مانگی اور نیناں کی گستاخی کی بابت بتایا عالم حیدر کو غصہ تو بے تحاشہ آیا مگر مصلحت کے پیش نظر بمشکل اپنے اشتعال کو روکا افتخار نے بڑی آسانی سے ان کے خوابوں پر پانی پھیر دیا تھا۔

"تم شرمندہ کیوں ہو رہے ہو افتخار بس اولاد کے آگے والدین کو مجبور ہونا ہی پڑتا ہے۔" بظاہر وہ نرمی سے بولے مگر اندر ہی اندر وہ پیچ و تاب کھا رہے تھے' اس بات پر افتخار صاحب نے انہیں تشکر آمیز نگاہوں سے دیکھا تھا۔

❁ ..... ✿ ..... ❁

زوہیب نے زرش کو بری طرح ستا رکھا تھا' زرش کا دل چاہ رہا تھا کہ کہیں سے کوئی پستول اس کے ہاتھ لگ جائے اور وہ اسے شوٹ کر دے جبکہ زوہیب کے لیے زرش ایک چیلنج بن گئی تھی وگرنہ اس کو لڑکیوں کی کوئی کمی نہیں تھی' زرش سے بھی زیادہ خوب صورت لڑکیاں محض اس کے ایک اشارے کی منتظر تھیں' اب تو اکثر و بیشتر زوہیب علیشبہ سے ملنے کے بہانے کیمپس بھی آ جاتا تھا' زرش اور علیشبہ کے درمیان دوستی نہیں رہی تھی' علیشبہ نے بھی سیما' نائمہ اور زرش کا گروپ چھوڑ کر دوسرے گروپ کی لڑکیوں سے دوستی کر لی تھی جو اس کے جیسی ہی خصلت کی مالک تھیں' شاہ ویز نے بھی کئی بار زوہیب کو زرش کے اردگرد منڈلاتے دیکھ چکا تھا۔

نیناں اور ارسلان کی شادی انتہائی سادگی سے انجام پا گئی تھی' ایک جانب شہر بانو بیگم کا دل بہت خوش تھا کہ ان کے مرحوم بھائی اور بھابی کی لائق و فائق نشانی ان کا بھتیجا داماد بن گیا جبکہ دوسری طرف افتخار صاحب کے رویے کی بدولت وہ بہت ملول و غمگین تھیں' نکاح محض سات آٹھ لوگوں کی موجودگی میں ہوا تھا' جس میں افتخار صاحب نے شرکت بھی نہیں کی تھی' رخصتی کے وقت شہر بانو بیگم نے چپکے سے اپنے زیورات نیناں کو دینا چاہے تھے مگر نیناں نے انتہائی سہولت و نرمی سے انکار کرتے ہوئے کہا تھا۔

"مما مجھے صرف آپ کی دعاؤں کی ضرورت ہے اور ویسے بھی اب اس گھر کے تنکے پر بھی میرا کوئی حق نہیں۔" شہر بانو بیگم نے روتے ہوئے اسے گلے لگایا تو زرش کی آنکھوں سے بھی سیل رواں جاری ہو گیا تھا' نیناں کی شادی کو لے کر اس کے دل میں ہزاروں ارمان تھے جو اب

Digitized by Google

حسرت بن چکے تھے۔ نیناں کے رخصت ہوجانے کے بعد دونوں ماں بیٹی ایک دوجے سے لپٹ کر بے تحاشا رو دی تھیں۔

❁ ..... ❁ ..... ❁

موسم نے اچانک کروٹ بدلی تھی' نجانے کہاں سے بے تحاشا بادل آسمان میں اُمڈ آئے تھے' جنہوں نے چاروں طرف سے فلک کو گھیر لیا تھا' زرش شاپنگ کی غرض سے مارکیٹ آئی ہوئی تھی مگر موسم کے خطرناک تیور دیکھ کر وہ گھر جانے کا سوچ ہی رہی تھی کہ یکا یک بوندا باندی شروع ہوگئی اور دیکھتے ہی دیکھتے اس نے موسلا دھار بارش کا روپ دھار لیا' پل بھر میں زرش کے کپڑے پوری طرح بھیگ گئے تھے۔ وہ جلدی سے گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ پر آ بیٹھی اور گاڑی اسٹارٹ کرلی تھی۔

❁ ..... ❁ ..... ❁

"اوہ نو اس گاڑی کو ابھی خراب ہونا تھا۔" خیابان سحر کے پاس اس کی گاڑی ایک جھٹکے سے بند ہوگئی۔ زرش نے پریشان ہوکر شیشہ صاف کرکے باہر دیکھا تو یک دم خوشی سے اچھل گئی وہ اتفاق سے شاہ ویز کے گھر کے قریب ہی موجود تھی۔

"میں شاہ ویز کو فون کرکے یہاں بلا لیتی ہوں۔" یہ سوچ کر اس نے بیگ سے اپنا سیل فون نکالا مگر سگنلز بارش کی وجہ سے غائب تھے۔ وہ کوفت زدہ سی ہوئی پھر کچھ سوچ کر زرش ہمت کرکے گاڑی سے باہر نکلی' وہ تقریباً بھاگتے ہوئے شاہ ویز کے گھر کا دروازہ عبور کرگئی تھی' چوکیدار نے بتایا کہ صاحب اور بیگم صاحبہ تو گھر پر نہیں ہیں البتہ شاہ ویز موجود ہے۔ زرش ملازم سے پوچھتی شاہ ویز کے کمرے کی جانب آ گئی اسے ایک بار بھی اپنے بھیگے کپڑوں کا خیال نہیں آیا جو اس کے وجود سے بری طرح چپک کر رہ گئے تھے۔ دستک کی آواز پر شاہ ویز چونکا مگر اگلے ہی پل زرش کو اس حالت میں اپنے کمرے میں دیکھ کر وہ اچھا خاصا شاکڈ رہ گیا۔

"ایم سوری شاہ ویز میں اچانک یہاں آ گئی آپ پلیز مجھے....." کہتے ہوئے اچانک زرش کی نگاہ اپنے وجود پر پڑی تو بے تحاشہ بوکھلا گئی بلو کیپری پر آف وائٹ ٹاپ اس خدوخال کو پوری طرح عیاں کر رہا تھا۔ زرش کو کچھ نہیں سوجھا تو بے ساختہ واپسی کے لیے قدم بڑھائے تھے لیکن شاہ ویز نے زرش کا راستہ بے اختیار روک لیا' زرش نے الجھ کر استفہامیہ نگاہوں سے دیکھا مگر اگلا پل بے حد بھاری تھا' اس وقت شاہ ویز ہوش وخرد کی دنیا سے بے گانہ ہوکر شیطان کا روپ دھار چکا تھا۔

❁ ..... ❁ ..... ❁

شہر بانو بیگم موسم کی ستم ظریفی دیکھ کر بار بار زرش کے سیل فون پر ٹرائی کر رہی تھیں مگر وہ آف جا رہا تھا۔

"یا اللہ میری بچی کی حفاظت کرنا۔" وہ بے ساختہ خود سے بولیں پھر ریسیور کریڈل پر رکھ کر اپنے شوہر کے پاس آ کر گویا ہوئیں جو انتہائی بے فکری سے اسپورٹس چینل دیکھنے میں محو تھے۔ "آپ پلیز جا کر تو دیکھیں یہ زرش کہاں رہ گئی مجھ سے شاپنگ کا کہہ کر گئی تھی اور موسم بھی کتنا خراب ہو رہا ہے میرا تو دل بیٹھا جا رہا ہے۔" وہ پریشانی وخدشوں میں گھر کر بولیں۔

"افوہ بیگم تمہیں میں نے کتنی بار سمجھایا ہے کہ مڈل کلاس ماؤں کی طرح پریشان مت ہوا کرو..... زرش کوئی دو سال کی بچی نہیں ہے جو کہیں کھو جائے گی' اب پلیز مجھے ڈسٹرب مت کرو آ جائے گی وہ۔" انتہائی بے زاری سے بول کر افتخار صاحب ایک بار پھر ٹی وی کی جانب متوجہ ہوگئے۔

"آپ کو کیا معلوم افتخار بیٹی کس قدر نزاکت وحساسیت کا پیکر ہوتی ہے دو سال کی بچی ہو یا بائیس سال کی اس کی عزت' پندار اور آبرو کی حفاظت کس قدر پیچیدہ اور نازک ہوتی ہے یہ آپ جیسے باپ ہرگز نہیں سمجھ سکتے۔" وہ انتہائی تلخی سے خود سے بولی تھیں۔

❁ ..... ❁ ..... ❁

زرش ابھی تک بے پناہ متحیر وششدر تھی کہ ساکے ساتھ اتنا بڑا سانحہ ہوچکا ہے' وہ محض چند لمحوں میں ہی اپنی

Digitized by Google

نسوانیت وقار اپنی آبرو سب کچھ لٹا بیٹھی تھی شاہ ویز عالم اس کے ساتھ ایسا سلوک کرے گا یہ تو اس نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا وہ یونہی شاکڈ کیفیت میں تنہا کمرے میں بیٹھی تھی جب ہی موبائل کی بجتی پپ نے اس کی محویت کو توڑا جو تسلسل سے بجے چلی جارہی تھی انتہائی دقتوں سے اپنا بیگ جو پاس ہی پڑا اسے دکھائی دیا اس میں سے موبائل نکالا تو اسکرین پر گھر کا نمبر دیکھ کر بے ساختہ اس کے لبوں سے ایک زخمی سسکی نکلی آنسوؤں کا ریلا تمام بند توڑ کر آنکھوں کے رستے نکلتا چلا گیا وہ بے اختیار موبائل سینے سے لگا کر بے تحاشا روتی چلی گئی۔ موبائل بند ہو کر چند ثانیے بعد پھر شور مچانے لگا تھا بڑی مشکلوں سے زرش نے خود کو بولنے پر آمادہ کیا۔

"ہے..... ہیلو مما....." بے ساختہ ایک آہ اس کے لبوں سے نکلی۔

"زرش بیٹا کہاں ہو تم.....؟ تم ٹھیک تو ہو ناں میں بہت فکر مند ہو رہی ہوں۔"

"مم..... میں ٹھیک ہوں مما' دراصل میری گاڑی خراب ہوگئی تھی تو میں عالم انکل کے گھر چلی آئی۔" مما کی فکر میں ڈوبی آواز سن کر وہ بمشکل بولی۔

"زرش کیا تم رو رہی ہو جانو' تمہاری آواز اتنی بھاری کیوں ہو رہی ہے؟" شہر بانو بیگم نے تڑپ کر استفسار کیا۔

"نہ..... نہیں مما' وہ دراصل بارش کی وجہ سے سگنل ٹھیک نہیں آرہے اس لیے آپ کو میری آواز صحیح سے سنائی نہیں دے رہی۔" وہ ناہموار لہجے میں بولی۔

"او کے بیٹا میں ابھی گاڑی بھجواتی ہوں تم کو لینے کے لیے۔" یہ سن کر زرش نے خاموشی سے فون بند کر دیا اور یونہی گم صم سی بیٹھی رہی' جب ہی شاہ ویز عالم کمرے میں داخل ہوا۔

"میرے خیال میں اب تمہیں گھر جانا چاہیے' ویسے اس بات کا تذکرہ اگر تم کسی سے کرو گی تو مجھے کوئی فرق نہیں پڑے گا' البتہ تمہاری عزت کی دھجیاں ضرور بکھر جائیں گی۔" شاہ ویز کے ان جملوں پر زرش نے انتہائی تحیر کے عالم میں سر اٹھا کر اسے دیکھا جس کے خوب صورت چہرے پر اس پل ڈھونڈے سے بھی کوئی ندامت شرمندگی کا معمولی سا بھی رنگ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

"اتنی حیرت سے کیوں دیکھ رہی ہو مجھے' میں چائنیز تھوڑی بول رہا ہوں۔" وہ استہزائیہ لہجے میں بولا جبکہ زرش کی کیفیت میں کوئی فرق نہیں آیا۔

"وہ کم آن زرش اس بات کو تم اتنا کیوں محسوس کر رہی ہو' آئی تھنک یہ سب تمہارے لیے نیا تو نہیں ہوگا۔" اس پل شاہ ویز کے جملوں سے زرش کو لگا کہ جیسے شاہ ویز نے جیتے جی اسے مار ڈالا ہو۔

چند ثانیے وہ اسے پھٹی پھٹی نگاہوں سے دیکھتی رہی پھر روبوٹ کی مانند اٹھی اور شاہ ویز کے پاس آ کر زوردار تھپڑ اس کے چہرے پر رسید کر دیا۔ شاہ ویز اس حملے کے لیے قطعاً تیار نہیں تھا پہلے تو بوکھلایا مگر اگلے پل اشتعال کی تند لہر اس کے وجود میں ابھری' دوسرا پل زرش کے لیے حیران کن تھا شاہ ویز نے ویسا ہی تھپڑ اس کو لوٹا دیا تھا۔

"تم خود کو سمجھتی کیا ہو' کون سی نیک پارسا اور حیادار لڑکی ہو تم..... بلکہ تم جیسی لڑکیاں تو کھلے عام دعوت گناہ دیتی ہیں۔" شاہ ویز عالم کی گل افشانی پر زرش نے تھرا کر اسے دیکھا۔ "اونہہ نفرت ہے مجھے تم جیسی لڑکیوں سے جو عورت کے مقدس اور معتبر مقام کی دھجیاں اڑا کر انہیں بازار کی زینت بنا دیتی ہیں۔" وہ چلا کر بولا تو زرش بری طرح سہم گئی پھر انتہائی جنونی انداز میں اس کے بازو میں اپنی انگلیاں بڑی بے دردی سے گاڑھ کر بولا۔

"اس وقت تم سراپا گناہ بن کر میرے کمرے میں آئی تھیں' میں فرشتہ نہیں ہوں زرش بی بی جیتا جاگتا انسان اور مرد ہوں' سمجھیں۔" یہ کہہ کر اس نے اپنا ہاتھ جھٹکا اور کمرے سے نکل گیا جبکہ زرش وہیں فرش پر ڈھے گئی۔

نجانے کیسے وہ گھر پہنچی تھی' افتخار صاحب تو اپنے کمرے میں آرام کرنے کی غرض سے جا چکے تھے جبکہ شہر بانو بیگم بہت بے قراری سے لاؤنج میں چکر لگاتیں زرش کا انتظار کر رہی تھیں' گم صم سی زرش نے جونہی لاؤنج میں قدم رکھا

Digitized by Google

ماں کے دل کو بیٹی کے لٹنے کی خبر ہوگئی' زرش کو اجڑا دیکھ کر انہوں نے بے ساختہ سینے پر ہاتھ رکھا اور کھڑے قدم سے فرش بوس ہوگئیں۔

مما کو گرتا دیکھ کر زرش ایک چیخ مار کر خود کی حالت کو بھلا کر ماں کی جانب دوڑی تھی۔

❁ ..... ✿ ..... ❁

شہر بانو بیگم کو دل کا دورہ پڑا تھا اس وقت انہیں انتہائی نگہداشت کے وارڈ میں رکھا گیا تھا' زرش کا رو رو کر برا حال تھا جبکہ لیلیٰ بیگم اس کو سنبھالنے کی بھرپور کوشش کر رہی تھیں۔ انہیں کیا معلوم تھا کہ اس سب کا ذمہ داران کا اپنا بیٹا ہے' اللہ اللہ کر کے انہیں ہوش آیا تو سب نے سکھ کا سانس لیا اور پھر اسی وقت زرش نے اپنے دل میں مصمم ارادہ کر لیا کہ اپنی ماں کی خاطر وہ اپنی متاع زیست کے یوں بے دردی سے لٹ جانے کا ہرگز سوگ نہیں منائے گی' وہ انتہائی فریش انداز میں شہر بانو بیگم کے سامنے آئی تھی' جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ ارسلان اور نیناں بھی افتخار صاحب کی غیر موجودگی میں چپکے سے ان سے ملنے آتے رہے تھے۔ گھر آ کر تو زرش گویا اپنی ماں کا سایہ بن گئی تھی دن و رات ان کی دیکھ بھال کر رہی تھی۔

"میری گڑیا تو بیمار پڑ جائے گی جاؤ جا کر تھوڑا آرام کر لو۔" شہر بانو بیگم اسے پیار کرتے ہوئے بولیں تو زرش نے اپنا منہ ان کے سینے میں چھپا لیا۔

"مجھے آپ کی آغوش میں ہی آرام و سکون ملتا ہے مما..... پلیز آپ مجھ سے دور مت ہوں۔" آخری جملہ وہ کچھ سہم کر بولی تو مما بے اختیار تڑپ اٹھیں۔

"میں جانتی ہوں میری بچی تیرے اندر غم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے ہیں مگر تو نے میری خاطر خود کو سنبھال رکھا ہے' تو تو میری بہت بہادر بیٹی نکلی۔" یہ سن کر زرش کو خود پر اختیار نہ رہا' ماں سے لپٹ کر وہ بے تحاشا رو دی۔

"رو لے میری بچی بہہ جانے دے ان آنسوؤں کو آج جی بھر کر رو لے۔" وہ روتے ہوئے اس کا سر سہلاتے ہوئے بول رہی تھیں۔ پھر بہت سا رونے کے بعد زرش کی سسکیاں کچھ تھمیں تو مما نے دھیرے سے استفسار کیا۔

"وہ ظالم شاہ ویز ہی تھا ناں؟" زرش نے سر اٹھا کر مما کو دیکھا پھر انتہائی بے دردی سے آنسو اپنی ہتھیلیوں سے صاف کر کے بولی۔

"قصوروار وہ نہیں بلکہ میں ہوں مما..... شاہ ویز بالکل ٹھیک کہتا ہے ہم جیسی آزاد اور بولڈ لڑکیاں ہی مردوں کو دعوت گناہ دیتی ہیں اور بعد میں واویلا مچاتی ہیں۔"

"قصوروار تم نہیں بلکہ تمہارے ڈیڈی ہیں جنہوں نے ماڈرن اور بولڈ بنانے کے چکر میں تمہیں ایسے راستے کی جانب راغب کیا حالانکہ میں تو ہمیشہ انہیں منع کرتی رہی تھی۔"

"میں جانتی ہوں مما مگر اس وقت آپ مجھے غلط اور ڈیڈی صحیح لگتے تھے۔" وہ دکھ و افسردگی کے عالم میں بولی تو ایک بار پھر مما نے اسے اپنے گلے سے لگا لیا تھا۔

❁ ..... ✿ ..... ❁

زرش دو ماہ سے کیمپس نہیں آ رہی تھی اور اس بات کو شاہ ویز شدت سے محسوس کر رہا تھا۔

"اونہہ..... مجھے اس سے کیا کہ وہ آ رہی ہے یا نہیں۔" وہ سر جھٹک کر خود سے بولا' جب کلاس لے کر وہ اپنے روم میں آیا تو اس کے پیچھے پیچھے جبران چلا آیا۔

"یار یہ آج کل زرش افتخار کیمپس کیوں نہیں آ رہی..... تمہیں تو معلوم ہی ہوگا آخر تمہارے ابا کے دوست کی بیٹی ہے کہیں شادی وادی تو نہیں ہوگئی اس کی؟" جبران اپنے مخصوص انداز میں بولا۔

"یار مجھے کیا پتہ وہ کیوں نہیں آ رہی؟" شاہ ویز چڑ کر بولا۔

"یار تو اس بے چاری سے اتنی خار کیوں کھاتا ہے ویسے ایک بات بتاؤں پوری کلاس میں وہی لڑکی سب سے زیادہ معقول اور معصوم ہے ہاں یہ درست ہے کہ اس کا پہناوا خاصا بولڈ ہے مگر اندر سے وہ بہت سادہ اور بھولی ہے۔" نجانے کیوں زرش کی تعریف اسے ایک آنکھ نہیں بھا رہی تھی۔

Digitized by Google

"خیریت.....؟ تو بڑا اس سے ایمپریس دکھائی دے رہا ہے۔" وہ طنز اُبولا۔

"میں تو حقیقت بیان کررہا ہوں یار وہ دوسری لڑکیوں سے بہت مختلف ہے۔" جبران سنجیدگی سے بولا تو شاہ ویز نے مزید کچھ اور بولنا مناسب نہیں سمجھا اور خاموشی سے دوسرے لیکچر کی تیاری میں لگ گیا تھا۔

❁.....✿.....❁

زرش آج نیناں کے گھر آئی ہوئی تھی اس گھر میں عجیب سا سکون و طمانیت تھی' نیناں کو مکمل ہاؤس وائف کے روپ میں دیکھ کر زرش کو بہت خوشی ہوئی تھی۔

"او..... میرے اللہ نیناں مجھے یقین نہیں آرہا جس لڑکی کو انڈہ تک بوائل نہیں کرنا آتا تھا' اس نے آج اتنی ساری ڈشز وہ بھی اتنی مزے دار بنائی ہیں کہ جواب نہیں۔"

"دراصل ارسلان اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ کھانا ملازمین پکائیں۔" نیناں شرمگیں آمیز مسکراہٹ سمیت بولی تو اجالا اور ہشام دونوں ہنس دیئے۔

"ارے زرش یہ میڈم ہمارا اور ارسلان کا اتنا خیال رکھتی ہیں کہ سچ میں بالکل کاہل بنادیا ہے ہمیں۔"

"یا اللہ کوئی اتنا بھی بدل سکتا ہے۔" وہ حیرت و مسرت میں گھر کر بولی تو نیناں زرش کی جانب جھک کر سرگوشی میں بولی۔

"پیار انسان کو بالکل بدل دیتا ہے۔" اس بات پر زرش نے انتہائی چونک کر اپنی بہن کو دیکھا جس کے چہرے پر اس پل حقیقی خوشیوں کے رنگ قوس وقزح کی مانند جگمگا رہے تھے۔ بے ساختہ زرش نے ان خوشیوں کے دائمی ہوجانے کی دعا کرڈالی تھی۔

❁.....✿.....❁

آج کیمپس میں سمسٹر کا آخری پیپر تھا' تقریباً سارے اسٹوڈنٹس ہی جاچکے تھے جبکہ جبران بھی جلدی ہی نکل گیا تھا۔ شاہ ویز پیپرز کی جانچ پڑتال کررہا تھا کہ جب ہی علیشبہ بغیر دستک دیئے شاہ ویز کے روم میں آدھمکی' پیپرز دیکھنے میں محو شاہ ویز کو کھٹکے کی آواز پر گمان ہوا کہ شاید چپڑاسی ہے مگر اچانک لیڈیز پرفیوم کی مہک اس کے نتھنوں سے ٹکرائی تو بے ساختہ اس نے سر اٹھا کر دیکھا' علیشبہ کی اس پل یہاں موجودگی اسے کسی خطرے کا سگنل معلوم ہوئی جو انتہائی بے باکی سے اس کی جانب دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔

"تم اس وقت میرے کمرے میں کیوں آئی ہو؟" شاہ ویز اس کو انتہائی ناگواری سے دیکھ کر سختی سے گویا ہوا تو وہ کھل کر مسکراتی ہوئی اس کے مقابل آکر اپنے دونوں ہاتھ میز پر رکھ کر قدرے جھکتی ہوئی بولی۔

"تم نے تو مجھے بلایا نہیں تو سوچا میں خود ہی چلی آؤں۔"

"اوہ یو شٹ اپ اینڈ گیٹ لاسٹ..... نکل جاؤ میرے روم سے۔" وہ تقریباً دھاڑنے والے لہجے میں بولا مگر مقابل پر مطلق اثر نہیں ہوا' وہ بڑے مزے سے کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔

"تم نے سنا نہیں نکلو میرے کمرے سے۔" شاہ ویز کی بات پر علیشبہ نے ایک بھرپور انگڑائی لیتے ہوئے بے حیائی کا مکمل نظارہ پیش کیا مگر شاہ ویز نے سرعت سے اپنی نگاہوں کا زاویہ بدلا۔

"اونہہ تم تو یوں نگاہ پھیر رہے ہو جیسے کوئی فرشتہ ہو' میں جانتی ہوں شاہ ویز ڈیئر تم فرشتہ نہیں ہو..... کلبوں میں جانا' ڈرنک کرنا اور....."

"تم کہنا کیا چاہتی ہو؟" وہ اس کی بات قطع کرکے زہر خند لہجے میں بولا تو وہ انتہائی مکروہ ہنسی ہنس کر بولی۔

"جب یہ سب شوق پال رکھے ہیں تو مجھ سے گریز کیوں' کیا میں....."

"بکواس بند کرو گھٹیا لڑکی اور فوراً یہاں سے نکلو ورنہ میں تمہیں دھکے دے کر یہاں سے نکال باہر کروں گا۔" انتہائی اشتعال کے باعث شاہ ویز کو لگا جیسے اس کے خون میں انگارے دوڑ رہے ہوں اس کا دل شدت کے ساتھ چاہا کہ ابھی اور اسی وقت اس لڑکی کا قتل کردے۔

"میں تو یہاں سے چلی جاؤں گی مگر تمہیں ذلت و رسوائی کے گڑھے میں دھکیل کر۔" وہ انتہائی اطمینان سے

Digitized by Google

بولی تو شاہ ویز نے ناسمجھی والے انداز میں اسے دیکھا۔

"چیئر پرسن روم میں اس وقت بھی موجود ہیں بس میرے تھوڑا شور مچانے کی دیر ہے اور پھر اسی دروازے سے رسوائی اندر داخل ہو کر تمہارے گلے آ لگے گی۔" علیشبہ اپنے ناخنوں سے کھیلتی ہوئی خباثت سے بولی تو اس پل شاہ ویز کو یوں محسوس ہوا کہ اس کے پیروں تلے زمین نہیں ہے اور وہ ہوا میں معلق ہے۔

"واٹ.....! تم اتنی گری ہوئی لڑکی ہو گی اس کا مجھے اندازہ نہیں تھا۔" وہ تاسف سے بولا۔

"مجھے لیکچر دینے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے اب بولو تمہارا فیصلہ کیا ہے ایک لڑکی کے ہاتھوں ذلت وتذلیل کا مزہ چکھنا چاہتے ہو یا....." ابھی وہ فقط اتنا ہی بولی تھی کہ اچانک دروازہ ناک ہوا اور چپڑاسی اپنے مخصوص اسٹائل میں ٹرے لیے اندر داخل ہوا۔

"سوری سر آپ نے چائے لانے کا کہا تھا مگر میں تھوڑا دیر سے آیا۔"

"تم بالکل صحیح وقت پر آئے ہو رفیق۔" شاہ ویز انتہائی استہزائیہ انداز میں علیشبہ کو دیکھتے ہوئے بولا جب کہ رفیق نے ہونق ہو کر شاہ ویز کو دیکھا اس کی بات اس کے پلے نہیں پڑی تھی۔

"رفیق میرے روم کا یہ لاک آج ہی خراب ہوا ہے دراصل جبران نے غلط چابی ڈال کر اسے کھولنے کی طبع آزمائی کی تھی کیونکہ اصل چابی آج میں روم میں ہی بھول گیا تھا غلط چابی سے دروازہ تو کھل گیا مگر خرابی یہ ہو گئی کہ اگر اسے اندر سے بند کر دو تو بظاہر لاکڈ نظر آتا ہے مگر باہر سے کھلا رہتا ہے۔" شاہ ویز انتہائی طنزیہ انداز میں علیشبہ کے چہرے کو دیکھتے ہوئے مسکراتے ہوئے بولا جس کی بوکھلاہٹ اور شکست خوردہ انداز اسے بہت مزہ دے رہا تھا۔

"ارے کوئی مسئلہ نہیں سر جی نیا لاک لگ جائے گا۔" رفیق اپنے مخصوص اسٹائل میں بولا۔

"رفیق مجھے ذرا دیر ہو رہی ہے تم یہ پیپر زمیری الماری میں رکھ کر تالا لگا دینا اور ان محترمہ کے جانے کے بعد کمرہ بھی بند کر دینا۔" وہ کہہ کر ایک زہر خند نگاہ علیشبہ پر ڈال کر کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

❁.....✿.....❁

افتخار صاحب خوشی کے مارے پاؤں زمین پر ٹک ہی نہیں رہے تھے۔ ملک کے انتہائی معروف بزنس مین ہمدانی جان نے اپنے بیٹے کا رشتہ زرش کے لیے بھیجا تھا۔

"تم دیکھنا شہر بانو اس رشتے داری سے میرے بزنس کو کتنا فائدہ پہنچے گا مجھے تو ابھی تک یقین ہی نہیں آ رہا۔" شہر بانو بیگم خاموشی سے اپنے شوہر کی خوشی دیکھ رہی تھیں مگر ان کے اندر سناٹا ہی سناٹا تھا۔

"زوہیب ہمدانی کا اکلوتا بیٹا ہے بہت لاڈلہ اور چہیتا۔" اندر آتی زرش زوہیب کا نام سن کر بری طرح چکرا سی گئی پھر بڑی مشکل سے دیوار کو تھاما "ڈیڈی کی آواز کمرے سے باہر صاف آ رہی تھی۔

"ہمدانی بتا رہا تھا کہ زوہیب کی ہی ایما پر وہ یہ رشتہ دے رہے ہیں زوہیب چاہتا ہے کہ شادی جلد سے جلد ہو جائے۔" یہ سن کر زرش زمین پر بیٹھتی چلی گئی۔

"ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا اس سے بہتر ہے کہ میں کسی کنویں میں چھلانگ لگا کر اپنی جان دے دوں۔" وہ خود سے بولی پھر ایک جھٹکے سے اٹھ کر وہ کمرے میں داخل ہو گئی۔

"ارے زرش آؤ آؤ بھئی کچھ سنا تم نے۔" افتخار صاحب فرط مسرت سے بولے۔

"جی ڈیڈی میں نے سب کچھ سنا۔" وہ سپاٹ لہجے میں بولی پھر انتہائی مضبوط لہجے میں گویا ہوئی۔

"میں زوہیب سے شادی نہیں کروں گی ڈیڈی کسی قیمت پر بھی نہیں۔"

"کیا.....! دماغ تو نہیں چل گیا تمہارا؟ اپنے حواسوں میں تو ہو تم۔" افتخار صاحب کو اس پل اپنی بیٹی کی ذہنی حالت پر شبہ ہوا۔

"ڈیڈی اس بدکار آوارہ اور گھٹیا انسان سے شادی

Digitized by Google

کرنے سے بہتر ہے کہ میں موت کو گلے لگالوں۔"

"زرش میری بچی یہ کیا کہہ رہی ہو تم۔" شہر بانو بیگم زرش کی بات پر تڑپ کر آگے بڑھتے ہوئے بولیں۔

"اونہہ یہ ہیں میری بیٹیاں ارے کیا کچھ نہیں کیا میں نے ان دونوں کے لیے ہر طرح کی آسائشیں اور آرام مہیا کیا کبھی کسی بات پر روک ٹوک نہیں کی پوری آزادی دی اور یہ دونوں مجھے یہ صلہ دے رہی ہیں۔" افتخار صاحب زہر خند لہجے میں بولے۔

"کاش ڈیڈی..... آپ اتنی آسائشیں اور آزادی نہ دیتے تو شاید آج میری زندگی اس موڑ پر نا آتی۔" زرش اپنے آپ سے انتہائی دکھ سے بولی۔

"دیکھو زرش زوہیب ہمدانی کا اکلوتا بیٹا ہے چلو ٹھیک ہے بے جالاڈ پیار میں وہ بگڑ گیا ہے مگر ان خامیوں کو مردوں کی شان سمجھا جاتا ہے اور پھر ایسا مرد جس کا بزنس آدھی دنیا سے زیادہ ممالک میں پھیلا ہوا ہو ہمدانی بزنس ٹائیکون ہے اور زوہیب اس کا اکلوتا بیٹا..... ارے تمہاری تو سات نسلیں عیش کریں گی۔" افتخار صاحب نرمی سے سمجھاتے ہوئے بولے تو زرش نے ایک زخمی نگاہ اپنے باپ پر ڈالی اس کے دل میں ایک ہوک سی اٹھی۔

"کیا باپ ایسے ہوتے ہیں؟" وہ خود سے بولی پھر انتہائی خاموشی سے پلٹ کر کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔

❁ ..... ✿ ..... ❁

پارکنگ ایریا تک پہنچ کر شاہ ویز کو یوں لگا جیسے وہ طویل مسافت طے کر کے یہاں پہنچا ہو اپنی گاڑی سے پشت ٹکا کر وہ آنکھیں موند کر گہری گہری سانسیں لینے لگا تھوڑی دیر پہلے والا واقعہ پوری جزئیات سمیت اس کی نگاہوں میں گھوم گیا تھا۔

"یا اللہ تیرا احسان عظیم ہے کہ تو نے بروقت رفیق کو وہاں بھیج دیا ورنہ....." اتنا سوچ کر ہی اسے جھرجھری سی آ گئی مگر اچانک ہی اس کے دماغ میں اسپارک ہوا۔

"زرش....." گاڑی کا لاک کھولتے ہوئے بے اختیار اس کے لبوں سے برآمد ہوا اور پھر نجانے کہاں سے بے قراری اور اضطراب کا سمندر اس کے وجود میں امڈ آیا وہ انتہائی بے چینی سے اپنی پیشانی رگڑتے ہوئے گاڑی میں بیٹھا اور بڑی مشکل سے گاڑی اسٹارٹ کی اور زن سے لے اڑا تھا۔

❁ ..... ✿ ..... ❁

"مما پلیز ڈیڈی کو سمجھائیے میں زوہیب جیسے اوباش انسان سے ہرگز شادی نہیں کرنا چاہتی اور....." ہچکیوں کے درمیان بولتی زرش لمحہ بھر کو رکی پھر انتہائی اذیت محسوس کر کے دھیرے سے بولی۔

"ویسے بھی اب میں شادی کے قابل بھی کہاں ہوں۔"

"زرش ایسا کیوں بول رہی ہو تم' میری جان اس حادثے کو ایک بھیانک خواب سمجھ کر بھول جاؤ۔" مما اسے پیار کرتے ہوئے محبت سے بولیں۔

"بھولنا اگر اتنا آسان ہوتا تو آج ہر انسان اپنے حال میں مست و مگن ہو کر زندگی کی رونقوں سے صرف قہقہے اور مسرتیں کشید کر رہا ہوتا یہ یادیں بہت بڑا عذاب ہوتی ہیں مما۔" وہ کھوئے ہوئے انداز میں بولی پھر یک لخت چونک کر مما کو دیکھ کر کہا۔

"مما پلیز آپ ڈیڈی کو روکیے مجھے کسی قیمت پر بھی زوہیب کی دلہن نہیں بننا۔"

"اچھا..... اچھا میری بچی تو ذہن پر بوجھ مت لے ابھی تیری ماں زندہ ہے کوئی تجھ سے زبردستی نہیں کر سکتا' میں بات کروں گی تمہارے ڈیڈی سے۔" شہر بانو زرش کو سینے سے لگا کر بولیں تو زرش نے بھی خاموشی سے اپنی آنکھیں موند لی تھیں۔

❁ ..... ✿ ..... ❁

لیلیٰ بیگم ہلکی سی دستک دے کر شاہ ویز کے کمرے میں داخل ہوئیں تو حیران و پریشان سی رہ گئیں' پورا کمرہ بے ترتیبی کا شکار تھا۔ کوئی بھی چیز اپنے ٹھکانے پر نہ تھی حالانکہ شاہ ویز تو بہت نفاست پسند تھا چیزوں پر بھی گرد جمی ہوئی تھی انہیں یک دم اپنی ملازمہ پر غصہ آیا۔

"یہ رضیہ نے تمہارے کمرے کی صفائی کتنے دنوں

Digitized by Google

نے نہیں کی؟" ممی کی غضب سے آواز ابھری تو کھڑکی سے باہر کی طرف دیکھتے ہوئے شاہ ویز نے چونک کر رخ موڑ کے ممی کو دیکھا۔

"شاہ ویز بیٹا کیا ہوگیا ہے تمہیں..... دو دن سے تم کہیں باہر نہیں گئے یونہی کمرے میں بند ہو اور یہ کمرے کی حالت کیا بنا رکھی ہے؟" لیلیٰ بیگم آخر میں اِدھر اُدھر نگاہ دوڑاتے ہوئے گویا ہوئیں تو شاہ ویز ایک گہری سانس بھر کر بولا۔

"رضیہ کو میں نے ہی صفائی کرنے سے منع کیا تھا ممی۔"

"مگر کیوں بیٹا؟" وہ استعجابیہ لہجے میں بولیں۔

"بس ایسے ہی آپ بیٹھیں تو سہی۔" وہ نرمی سے بولا تو کچھ سوچ کر وہ آگے بڑھیں اور شاہ ویز کے ہمراہ کاؤچ پر بیٹھ گئیں۔

"شاہ ویز اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟"

"ارادہ کس چیز کا؟" ممی کی بات پر وہ ناسمجھی والے انداز میں بولا۔

"ارے بھئی شادی کا ارادہ..... نیناں کے انکار پھر ارسلان سے شادی کے بعد حالات کچھ نازک ہوگئے تھے تم تو جانتے ہو ناں کہ تمہارے ابو افتخار بھائی کی کتنی چاپلوسی کرتے ہیں اس وقت میں اجالا کا تذکرہ کرتی تو یقیناً وہ افتخار بھائی کی خاطر راضی نہیں ہوتے۔" ممی تفصیلاً بولیں تو شاہ ویز نے یونہی پوچھ لیا۔

"ممی اجالا کا تعلق مڈل کلاس گھرانے سے ہے کیا ابو ایک مڈل کلاس لڑکی کو قبول کرلیں گے؟"

"مگر وہ مڈل کلاس لڑکی ان کے بیٹے اور بیوی کی پسند بھی تو ہے..... میرے خیال میں وہ اعتراض تو ضرور کریں گے مشکل سے ہی سہی مگر مان بھی جائیں گے۔" ممی آخر میں پُرجوش انداز میں بولیں تو شاہ ویز انہیں دیکھ کر رہ گیا پھر دھیرے سے گویا ہوا۔

"ممی اجالا ایک بہت اچھی لڑکی ہے شریف باکردار اور باوقار مگر شاید میں اجالا کے قابل نہیں ہوں۔"

"کیوں بیٹا ایسا کیوں کہہ رہے ہو تم؟" وہ انتہائی چونک کر پریشان کن لہجے میں بولیں۔

"ممی میں بالکل سچ کہہ رہا ہوں میں اجالا جیسی شفاف لڑکی کے لیے بالکل مناسب نہیں ہوں اُس کو یقیناً مجھ سے بہتر جیون ساتھی ملے گا۔" لیلیٰ بیگم سمجھیں کہ یقیناً اسے کوئی اور لڑکی پسند آ گئی ہے مگر شاہ ویز واقعی خود کو اجالا جیسی لڑکی کے لائق نہیں سمجھ رہا تھا اونچی سوسائٹی کی کچھ خرافتوں میں وہ زیادہ تو نہیں مگر تھوڑا بہت ضرور مبتلا تھا اور سب سے بڑھ کر تو یہ کہ اس نے ایک معصوم لڑکی کی عزت کو تار تار کر کے دھتکارا تھا۔ ممی ناراض سے انداز میں اٹھ کر شاہ ویز کے کمرے سے باہر نکل گئیں جبکہ شاہ ویز انہیں روک بھی نہیں سکا یونہی شکست زدہ سا بیٹھا رہا تھا۔

❁ ..... ❁ ..... ❁

نیناں کا تھوڑی دیر پہلے فون آیا تھا اور جو خوش خبری اس نے زرش کو سنائی تھی اسے سن کر اتنے عرصے بعد وہ دل سے بے حد خوش ہوئی تھی بہت جلد وہ خالہ جانی بننے والی تھی نیناں بتا رہی تھی کہ ارسلان اور اجالا اس کا بے حد خیال رکھ رہے ہیں۔ یہ سب جان کر زرش اپنی بہن کے لیے بے حد مسرور تھی شہر بانو بیگم بھی یہ خبر سن کر بہت خوش ہوئیں اور فوراً شکرانے کے نوافل بجالائیں جبکہ افتخار صاحب نے اس خبر پر کسی بھی قسم کے ردعمل کا اظہار نہیں کیا تھا۔

زرش مما کو دوا دے کر انہیں آرام کرنے کا کہہ کر جونہی ان کے کمرے سے باہر آئی ملازمہ نے کسی مہمان کے آنے کا مژدہ سنایا۔

"کون مہمان؟" زرش نے استفہامیہ انداز میں پوچھا۔

"جی وہ بڑے صاحب کے دوست کے بیٹے شاہ ویز صاحب آئے ہیں میں نے انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا ہے جی۔" ملازمہ کے منہ سے یہ بات سن کر زرش کے وجود کو زوردار جھٹکا لگا۔

"شاہ ویز اور یہاں.....!" ملازمہ کہہ کر جا چکی تھی جبکہ زرش گم صم سی کھڑی رہ گئی کافی وقت گزر جانے کے بعد وہ

Digitized by Google

جیسے ہوش میں آئی اپنے آپ کو انتہائی دقتوں سے سمیٹ کر وہ ڈرائنگ روم کی جانب آئی' سیاہ ملگجے شلوار سوٹ میں وہ اس پل بہت ویران و پژمردہ لگی اسے اندر آتا دیکھ کر شاہ ویز تیزی سے کھڑا ہوا چند ثانیے دونوں کے درمیان خاموشی رہی پھر بڑی ہمت کر کے شاہ ویز نے استفسار کیا۔

"زرش کیسی ہو تم؟" اس بات پر زرش نے جن نگاہوں سے بے ساختہ شاہ ویز کو دیکھا وہ اسے بری طرح خفیف کر گیا' وہ پھیکی سی ہنسی ہنس کر بولی۔

"کیوں کیسی لگ رہی ہوں آپ کو یا پھر کیسا ہونا چاہیے مجھے؟" اس بات پر کچھ پل کے لیے تو شاہ ویز کچھ بول ہی نہیں سکا۔

"آنٹی کی طبیعت اب کیسی ہے؟"

"ہوں بہتر ہیں۔" وہ مختصراً بولی۔

"تم نے کیمپس آنا کیوں چھوڑ دیا؟"

"کیوں مجھے آنا چاہیے تھا؟" شاہ ویز کے سوال پر اس نے نہایت عجیب سا سوال کیا تو وہ بے اختیار اپنے ہونٹوں کو بھینچ کر رہ گیا پھر دھیرے سے گویا ہوا۔

"میں نے سنا ہے کہ زوہیب نے تمہیں پرپوز کیا ہے مگر تم شادی کرنے سے انکاری ہو۔"

"اوہ تو آپ مجھے اس رشتے کے لیے راضی کرنے آئے ہیں یقیناً ڈیڈی نے آپ کو میرے پاس بھیجا ہے ناں؟" وہ استہزائیہ انداز میں بولی تو شاہ ویز تیزی سے گویا ہوا۔

"نہیں ایسا بالکل نہیں ہے اس بات کا تذکرہ تو مجھ سے ابو نے کیا تھا۔"

"تو پھر کیا آپ مجھے زوہیب سے شادی کرنے کی مبارک باد دینے آئے ہیں؟" وہ ایک بار پھر طنزاً بولی۔

"فار گاڈ سیک زرش تم مجھے اتنا غلط کیوں سمجھ رہی ہو میں تو تم سے معافی مانگنے آیا تھا۔" وہ عاجزی سے بولا۔

"معافی.....! کس بات کی معافی؟" وہ انتہائی انجان بن کر بولی تو شاہ ویز ایک گہری سانس بھر کر رہ گیا۔

"زرش میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔" اپنے تئیں اس نے دھماکہ کیا مگر وہ جھیل کی مانند بالکل پُرسکون رہی۔

"اپنے کیے کی تلافی کے طور پر یا مجھ پر احسان عظیم کرنے کا موڈ ہے آپ کا۔" شاہ ویز نے بے تحاشا الجھ کر اسے دیکھا' کل کی زرش اور آج کی زرش میں زمین آسمان کا فرق تھا۔

"اگر آپ کو مہمان بننے کا شوق ہو ہی گیا ہے تو اپنی مہمانداری کہیں اور دکھایئے میں بالکل بھی انٹرسٹڈ نہیں ہوں۔" سپاٹ لہجے میں بول کر وہ سامنے والی دیوار پر لگی پینٹنگ کو دیکھنے لگی شاہ ویز کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ اس لڑکی کو کیسے سمجھائے جو اس پل اسے چٹان کی مانند سخت دل دکھائی دے رہی تھی۔

"زرش میں واقعی اپنے کیے پر بہت نادم و شرمندہ ہوں اور تم سے معافی کا خواستگار بھی ہوں۔"

"ہوں کسی کی ذات کا بے دردی کے ساتھ قتل کر دو اور پھر ایک لفظ بول دو سوری اور پھر ہر ظلم سے بری الذمہ ہو جاؤ۔" وہ اسی پوزیشن میں پینٹنگ پر نگاہیں جمائے بولی۔

"میں ہر صورت میں تلافی کرنے کو تیار ہوں زرش۔" وہ انتہائی عاجزی سے بولا تو زرش نے بے پناہ تڑپ کر اس کی آنکھوں میں جھانک کر کہا۔

"جو نقصان آپ نے میرا کیا ہے اس کی تلافی کسی طور ممکن نہیں شاہ ویز صاحب....." پھر یک دم وہ گہری گہری سانسیں لینے لگی اور اپنے آپ کو سنبھال کر بولی۔ "آپ کی آفر کا بہت بہت شکریہ مجھے ذرا کچھ کام ہے سو پلیز ایکسکیوز می۔" شاہ ویز کو ڈرائنگ روم میں تنہا چھوڑ کر وہ باہر نکل گئی تھی۔

❁.....✿.....❁

پہلی بار شہر بانو بیگم اپنی اولاد کے لیے ڈھال بن گئی تھیں وگرنہ اپنے شوہر سے وہ تمام زندگی دبتی آئی تھیں' ہمیشہ ان سے ڈرتی رہی تھیں مگر آج زرش کے لیے وہ انتہائی سخت و مضبوط عورت کے روپ میں شوہر کے مقابل آئی تھیں خود افتخار صاحب بھی شہر بانو بیگم کا یہ رنگ دیکھ کر

Digitized by Google

بے حد حیران تھے' بظاہر تو وہ معاملے کی نزاکت کے پیش نظر خاموش ہو گئے تھے مگر ان کے ارادے کیا تھے یہ کسی کو معلوم نہیں تھا' زرش ماں کو یوں دیکھ کر بے حد خوش تھی اپنی ماں کی آغوش میں آج اسے عجیب سے تحفظ اور سائبانی کا احساس ہوا تھا مگر عقب میں کھڑی تقدیر تو ایک کاری وار کرنے کو تیار کھڑی تھی' زرش سے رات گئے باتیں کرتے ہوئے اچانک ان کے دل میں بے حد شدید تکلیف اٹھی اور زرش کے دیکھتے ہی دیکھتے ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی' زرش کی ہذیانی چیخوں نے گھر تو کیا پورے محلے کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ آن واحد میں گھر لوگوں سے بھر گیا' جب کہ زرش ہوش و خرد سے بیگانہ ہو چکی تھی' جب اسے ہوش آیا تو شہر بانو بیگم اپنے آخری سفر کے لیے تیار تھیں' زرش ماں کے تابوت سے لپٹ کر بری طرح رودی جبکہ نیناں' اجالا اسے سنبھالتے ہوئے خود بھی بے قابو ہونے لگی تھیں۔

سوئم کے بعد جب سب مہمانوں نے اپنے گھروں کی راہ لی تو اجالا' نیناں اسے زبردستی اپنے ساتھ لے آئیں۔ زرش کی حالت شدت غم سے بے حد خراب تھی' گو کہ نیناں کو بھی بے پناہ رنج تھا مگر زرش کی حالت کے پیش نظر وہ بہت ضبط اور حوصلے سے کام لیے اسے سنبھال رہی تھی' ارسلان' اجالا سب دن رات اس کی دلجوئی میں لگے ہوئے تھے مگر اسے کسی پل قرار نہیں آ رہا تھا' یا تو وہ خلاؤں میں تکنے لگتی یا پھر 'مما مما' کہہ کر زور زور سے رونے لگتی' ایک رات جب خواب میں آ کر شہر بانو بیگم نے اسے اپنے سینے سے لگایا اور صبر و ہمت کی تلقین کی تو تب کہیں جا کر اس کے بے قرار دل کو قرار آیا پھر سب کی محبت و توجہ سے وہ کچھ سنبھل سی گئی اور اپنے گھر جانے کا ارادہ کیا' نیناں اور اجالا نے اسے روکنا چاہا مگر آخر کب تک وہ بہن کے سسرال میں رہتی سو اپنے گھر چلی آئی' گھر آ کر ایک بار پھر اس کے زخموں پر لگے ٹانکے انتہائی بے دردی سے کھلتے چلے گئے' وہ بے تحاشہ رودی' مما کی کمی ہر چیز میں اسے محسوس ہو رہی تھی۔

❁ ..... ✿ ..... ❁

عالم حیدر کا بی پی اچانک خطرناک حد تک شوٹ کر گیا جس کے باعث انہیں فالج کا اٹیک ہو گیا' دایاں بازو اور ٹانگ ان کی بالکل ناکارہ ہو گئی تھی۔ شاہ ویز کو اس صورت حال کے پیش نظر یونیورسٹی سے ریزائن دینا پڑا اور اس نے بزنس سنبھال لیا' پہلے کی بات کچھ اور تھی کیونکہ عالم حیدر بہت خوبی سے بزنس چلا رہے تھے مگر اب شاہ ویز کو ہی بزنس سنبھالنا تھا' لہٰذا اس نے اپنی تمام تر توجہ بزنس پر مرکوز کر لیں' فرصت کے لمحات اور انتہائی مصروفیت کے پلوں میں بھی زرش افتخار کا خیال اسے بار بار آ کر ستاتا رہتا تھا۔

زرش جونہی کچن سے نکلی افتخار صاحب کے ہمراہ ایک الٹرا ماڈرن خاتون کو انتہائی کھلکھلاتے ہوئے لاؤنج میں داخل ہوتے دیکھ کر تحیر و استعجاب کے دریا میں غوطے لگانے لگی' وہ جانتی تھی کہ ڈیڈی کے کچھ خاص شوق ہیں مگر گھر سے باہر کی حد تک مگر آج ایک عورت کو یوں باپ سے اٹھکیلیاں کرتے دیکھ کر وہ بھونچکا رہ گئی۔

"ساحرہ ڈارلنگ' تمہارا سینس آف ہیومر کمال کا ہے۔" ڈیڈی کی چہکتی ہوئی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی تو اس کا سکتہ چھن سے ٹوٹا۔

"ڈیڈی..... یہ کون ہے..... آپ اسے ہمارے گھر پر کیوں لائے ہیں؟" زرش کی بات پر اس خاتون نے کافی ناگواری سے زرش کو دیکھا۔

"زرش بیٹا یہ تمہاری نئی ممی ہیں ساحرہ۔" افتخار صاحب نے بڑے آرام سے زرش کے سر پر ایٹم بم پھوڑا' زرش کو لگا جیسے اس کا وجود اس دھماکے سے ریزہ ریزہ ہو کر فضاؤں میں پھیل کر خاک بن گیا ہو۔

"کیا..... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں ڈیڈی؟ میری ماں کا کفن بھی ابھی میلا نہیں ہوا اور آپ نے دوسری شادی رچالی' آپ ایسا کس طرح کر سکتے ہیں' ڈیڈی آپ کو ذرا شرم نہیں آئی؟" وہ حیرت و صدمے میں گھر کر انتہائی دقتوں سے بولی۔

"شٹ اپ زرش بی ہیو یور سیلف میں تمہارا باپ ہوں سمجھی۔" وہ ڈپٹ کر بولے۔

Digitized by Google

"افتخار تمہاری بیٹی تو کافی ال مینرڈ ہے۔" وہ خاتون ناک سکیڑ کر بولیں۔

"ہوں میں نے ہی اسے سر چڑھا رکھا ہے تم جاؤ اپنے کمرے میں اور ہاں..... اپنی شادی کی تیاری کرو میں جلد زوہیب سے تمہاری شادی کر رہا ہوں۔" افتخار صاحب آخر میں اسے بری طرح جھڑکتے ہوئے بولے تو زرش اپنی سسکیوں کو بمشکل روکتی ہوئی تیزی سے وہاں سے بھاگ گئی تھی۔

❁ ..... ✿ ..... ❁

زرش نے یہ گھر چھوڑنے کا مصمم ارادہ کرلیا تھا اور اپنے ضروری پیپرز کینیڈین ایمبیسی میں جمع کروا کر ویزہ کے لیے اپلائی کر دیا وہ جلد سے جلد یہ ملک چھوڑ کر یہاں سے دور چلے جانا چاہتی تھی۔ فی الحال وہ گرلز ہوسٹل شفٹ ہوگئی تھی اپنے اوپر گزری قیامت کی خبر اس نے نیناں کو بھی نہیں دی تھی کیونکہ آج کل اس کی حالت بہت نازک تھی' زرش کچھ ضروری سامان کی خریداری کر کے اسٹور سے باہر آئی تو گاڑی پارک کرتے شاہ ویز کی نگاہ اس پر پڑی' کچھ سوچ کر وہ جان بوجھ کر زرش کے سامنے نہیں آیا' زرش گاڑی میں آ کر بیٹھی تو انتہائی احتیاط سے اس نے گاڑی زرش کی گاڑی کے پیچھے لگادی پھر گاڑی کو گرلز ہوسٹل کی عمارت میں جاتے دیکھ کر شاہ ویز باہر ہی رک گیا اور ایک ٹھنڈی سانس بھر کے وہاں سے چلا گیا۔

نیناں نے چاند سے بیٹے کو جنم دیا تو یہ خبر سنتے ہی زرش دوڑی چلی آئی۔ نیناں کے بیٹے کو گود میں لے کر اسے پیار کرتے ہوئے بے ساختہ زرش کو مما کی یاد آئی اور لمحہ بھر میں اس کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگ گیا۔ وہ اسے خود سے لپٹا کر بے تحاشا رو دی' نیناں بھی ماں کو یاد کر کے بے ساختہ سسک اٹھی جبکہ اجالا دونوں کو سنبھالنے میں لگ گئی۔

زرش نیناں کی میڈیسنز لے کر میڈیکل اسٹور سے نکلی تو ارسلان کو آتے دیکھا۔

"ارسلان بھائی آپ کا صاحب زادہ تو بالکل آپ کی کاربن کاپی ہے۔" زرش چہک کر بولی تو ارسلان ہنوز سنجیدگی سے اسے دیکھتا رہا۔

"کیا بات ہے ارسلان بھائی سب ٹھیک تو ہے ناں آپ مجھے اس طرح کیوں دیکھ رہے ہیں؟" اس نے کچھ پریشانی و حیرت سے پوچھا۔

"ہوں میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ تم کتنی اجنبی اور غیر ہوگئی ہو۔" ارسلان ایک ہنکارا بھر کر بولا۔

"کیا مطلب ارسلان بھائی میں کچھ سمجھی نہیں؟ آپ پلیز کھل کر بات کیجیے۔"

"یہاں آؤ میرے ساتھ۔" ارسلان اس کا ہاتھ پکڑ کر ہاسپٹل کے اندر بنے چھوٹے سے باغیچے کی جانب لے آیا اور اسے ساتھ لیے ایک سنگی بینچ پر بیٹھ کر بولا۔

"اتنا سب کچھ ہوگیا اور تم نے ہمیں بتانا تک گوارا نہیں کیا؟" ارسلان شکایت آمیز لہجے میں بولا تو یک دم زرش کی آنکھوں سے آنسو کے موتی تیزی سے گرنے لگے۔

"ارسلان بھائی وہ نیناں کی کنڈیشن....."

"مگر تم مجھے اور اجالا کو تو بتا سکتی تھی ناں اور گھر چھوڑ کر تم ہوسٹل کیوں چلی گئیں گھر کیوں نہیں آئیں؟"

"میں آپ لوگوں پر بوجھ نہیں بننا چاہتی تھی۔" وہ اپنے آنسو ہتھیلی سے صاف کرتے ہوئے بولی تو ارسلان نے اس کے سر پر پیار سے چپت رسید کرتے ہوئے کہا۔

"پاگل..... نہیں کبھی بھائی پر بوجھ ہوتی ہیں کیا؟"

"نہیں بالکل نہیں۔" وہ دھیرے سے ہنس کر بولی پھر مزید گویا ہوئی۔ "کچھ ہی دنوں میں میرا ویزہ آجائے گا تو میں کینیڈا چلی جاؤں گی میں یہاں سے بہت دور جانا چاہتی ہوں۔"

"اکیلی..... تم وہاں یوں تنہا کیسے رہو گی؟" ارسلان اسے دکھ سے دیکھ کر دھیرے سے بولا تو زرش ایک گہری سانس بھر کر رہ گئی۔

"اکیلے رہنے کی عادت سی ہوگئی ہے اور..... تنہائی مجھے اچھی لگنے لگی ہے اور پھر....." وہ پل بھر کو ٹھہری پھر مسکراتے ہوئے بولی۔ "میں کئی بار کینیڈا جا چکی ہوں' وہاں مجھے کوئی دقت نہیں ہوگی۔ آپ بے فکر رہیے۔"

Digitized by Google

"ہوں کافی سمجھدار ہوگئی ہو تم۔" ارسلان مسکراتے ہوئے بولا تو وہ بھی مسکرادی۔

"وقت وحالات سب کچھ سکھا دیتے ہیں ارسلان بھائی۔" زرش دھیرے سے اپنے دل میں بولی تھی۔

❁ ..... ❁ ..... ❁

برستی بارش کو دیکھ کر یک لخت تلخ ووحشت ناک یادوں کا ریلا اس کے اندر امڈ آیا اس دن بھی وہ شاپنگ کرنے کی غرض سے باہر نکلی ہوئی تھی اور آج بھی..... بے ساختہ اس نے اپنے سراپے پر نگاہ ڈالی ڈھیلے ڈھالے شلوار قمیص میں چادر کی مانند لپٹے دوپٹے کو دیکھ کر اس نے ایک اطمینان بھری سانس لی یہ محض اتفاق تھا یا شاہ ویز اس کے تعاقب میں مال تک آ گیا تھا مگر اس پل اپنے سامنے اس کو دیکھ کر زرش کو بے پناہ نفرت محسوس ہوئی۔

"کیسی ہو زرش؟"

"میرے راستے میں آنے کا مقصد؟" اس نے چڑ کر پوچھا۔

"تمہارے ہر راستے میں صرف میں ہی ہوں۔"

"اوہ شٹ اپ....." کہہ کر وہ انتہائی بے زاری سے وہاں سے مڑی اور تیزی سے مال سے نکل کر پارکنگ لاٹ کی جانب آئی کہ اچانک ایک لینڈ کروزر سرعت سے اس کے قریب آئی اور دو لڑکوں نے بڑی سہولت سے اسے دھکیل کر جیپ کے اندر پھینک دیا' آن واحد میں یہ کیا ہوا چند ثانیے تو زرش کچھ سمجھ ہی نہیں سکی کہ اس کے ساتھ ہوا کیا ہے اور جب حواس ٹھکانے آئے تو اس پر یہ راز منکشف ہوا کہ وہ اغوا کی جا چکی ہے دو لڑکے جنہوں نے اسے پکڑ کر گاڑی میں ڈالا تھا وہ آگے بیٹھے تھے جب کہ بیک سیٹ پر اس کے برابر میں بھی کوئی شخص براجمان تھا' اپنے منتشر حواسوں کو جمع کر کے بمشکل اس نے گردن موڑ کر اس شخص کو دیکھنا چاہا تو وہ جہاں کی تہاں بیٹھی کی بیٹھی رہ گئی۔ زوہیب ہمدانی انتہائی خباثت سے اسے دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔

"تت..... تم تمہاری ہمت کیسے ہوئی یہ گھٹیا حرکت کرنے کی۔" وہ ٹوٹی پھوٹی زبان میں انتہائی وقت سے بولی۔

"ارے میری جان' تم نے ابھی میرا گھٹیا پن پوری طرح سے دیکھا کہاں ہے۔" زوہیب نے اس کا بازو اپنی جانب کھینچا' وہ انتہائی تڑپ کر دور ہوئی۔

"خبردار جو اپنے گندے ہاتھوں سے مجھے چھونے کی کوشش کی ورنہ میں....." وہ فقط اتنا ہی بولی تھی کہ زوہیب نے ایک زوردار طمانچہ اس کے چہرے پر رسید کیا' اور پھر دوسرے پل اس پر جیسے جنون سوار ہوگیا اور زرش کے چہرے پر تھپڑوں کی بارش کردی' زرش نیم بے ہوش سی ہوگئی جب ہی ایک لڑکے نے کہا۔

"باس کوئی گاڑی ہمیں فالو کر رہی ہے۔" زرش کے مردہ ہوتے حواس پر یہ لفظ زندگی بن کر گرے وہ بے ساختہ زیر لب بڑبڑائی۔

"شاہ ویز۔"

"اوہ یہ کون ہمارا پیچھا کر رہا ہے' گاڑی اور تیز چلاؤ۔" زوہیب گھبرا کر بولا۔

شاہ ویز بوجھل قدموں سے مال سے باہر آیا تو یک دم اس کی نگاہوں کے حصار میں زرش کے اغوا ہونے کا منظر بخوبی آ گیا' جسے دو لڑکے بڑی سہولت سے لینڈ کروزر میں ڈال کر یہ جا وہ جا ہو گئے تھے۔ اس پل شاہ ویز کو لگا جیسے اس کی پوری کائنات لٹنے کے قریب ہو' وہ پاگلوں کی طرح دوڑتا ہوا اپنی گاڑی کی جانب آیا اور انتہائی تیزی سے گاڑی وہاں سے نکال کر اس لینڈ کروزر کو اپنی نظروں میں رکھ لیا' زوہیب کے بندوں نے اس کی گاڑی پر فائر بھی کیے مگر فاصلہ زیادہ ہونے کے سبب نشانہ چوک گیا' تقریباً آدھا گھنٹے چوہا بلی کا کھیل چلتا رہا جبکہ زرش نیم بے ہوش سی سیٹ پر پڑھے گئی تھی۔

"سرتاج ایسا کرو گاڑی کی اسپیڈ ذرا کم کرو اس لڑکی کو باہر پھینکنا پڑے گا' کچھ ہی دنوں میں الیکشن ہونے والے ہیں پاپا تو میری جان ہی لے لیں گے' اس وقت ہم کوئی اسکینڈل افورڈ نہیں کر سکتے۔" زوہیب فکر آمیز انداز میں پیشانی کو انگلیوں سے مسلتے ہوئے بولا تو سرتاج نے گاڑی

Digitized by Google

کی رفتار دھیمی کی اور زوہیب نے سرعت سے اسے انتہائی بے دردی سے سڑک کے پاس لگیں جھاڑیوں میں پھینک دیا اور پھر گاڑی زن سے اڑ گئی۔

"اونہہ سالی اگر بڑے باپ کی بیٹی نہ ہوتی تو یوں زندہ نہ چھوڑتا۔" زوہیب پیچ وتاب کھا کر بولا جبکہ پیچھے آتے شاہ ویز نے زرش کو باہر پھینکنے کا منظر بخوبی دیکھ لیا تھا' اسے لگا جیسے اسٹیئرنگ اس کے ہاتھ سے بے قابو ہو جائے گا اور وہ ایکسیڈنٹ کر بیٹھے گا' ایکسیلیٹر پر پاؤں پوری طرح سے رکھ کر اس نے گاڑی کی رفتار خطرناک حد تک بڑھائی' بجلی کی سی تیزی سے شاہ ویز نے وہاں پہنچ کر گاڑی کا دروازہ کھولا اور دیوانہ وار بھاگتا ہوا جھاڑیوں کی طرف پہنچا زرش کے ساکت جسم کو انتہائی بے قراری سے اپنی بانہوں میں لے کر اس کی نبض کو ٹٹولا جو اس پل بہت مدھم چل رہی تھی جبکہ چہرے پر جگہ جگہ خراشوں کے علاوہ انگلیوں کے نشانات بھی واضح تھے اور ہونٹوں کے کناروں سے خون بھی رس رہا تھا۔

"زرش میری جان....." شاہ ویز نے بے اختیار اسے سینے سے لگایا اور رونے لگا تھا۔

❁ ..... ✪ ..... ❁

اللہ کا لاکھ لاکھ کرم ہوا کہ زرش کو معمولی خراشوں کے علاوہ کوئی گہری چوٹ نہیں آئی تھی۔ شاہ ویز سیدھا اسے اپنے دوست کے پرائیویٹ کلینک لے آیا تھا' وگرنہ ایسے کیسز میں کافی پوچھ گچھ کی جاتی ہے۔ زرش کے زخموں کی مرہم پٹی کر دی گئی تھی اب وہ دواؤں کے زیر اثر سکون سے سو رہی تھی۔ ارسلان اور نیناں کو فون کر کے شاہ ویز نے یہاں بلا لیا تھا اور تمام صورت حال سے بھی آگاہ کر دیا تھا جسے سن کر ارسلان کا خون کھول اٹھا تھا۔

"ریلیکس ہو جاؤ ارسلان اس کتے کو تو ہم ایسی سزا دیں گے کہ ساری عمر وہ یاد کرے گا۔" شاہ ویز خود بھی مشتعل تھا مگر اس پل جوش سے نہیں ہوش سے کام لینے کی ضرورت تھی کیونکہ زوہیب بہت اثر و رسوخ رکھنے والے باپ کا بیٹا تھا۔

"شاہ ویز میری بہن کی کیا حالت ہو گئی ہے' پھولوں جیسی نازک اندام میری بہن کن حالتوں میں جا پہنچی ہے' اگر تم نہ بتاتے کہ وہ ہاسپٹل میں رہ رہی ہے تو ہمیں شاید معلوم ہی نہ ہوتا۔" نینا رزش کو دیکھ کر بے اختیار پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تو ارسلان اسے سنبھالنے لگا' جبکہ شاہ ویز نے اسے دیکھ کر بے پایاں اذیت کے احساس سے اپنی آنکھیں بند کی تھیں۔

"اس کی ان حالتوں کا ذمہ دار میں ہی ہوں۔" وہ خود سے بولا اور پھر تیزی سے باہر نکل گیا تھا۔

❁ ..... ✪ ..... ❁

زرش جلدی جلدی اپنے سامان کی پیکنگ کر رہی تھی۔ آج علی الصبح کی فلائٹ سے وہ ٹورینٹو کے لیے روانہ ہو رہی تھی۔

"اوہ میرا پاسپورٹ کدھر گیا؟ کہاں رکھ دیا میں نے....." وہ خود سے بولی۔ نیناں' ارسلان' اجالا یہاں تک کہ ڈیڈی نے بھی اسے روکنا چاہا تھا مگر وہ رکنے کو بالکل تیار نہیں تھی ان دو ماہ میں ڈیڈی کے اندر بہت تبدیلی آ گئی تھی' اچانک انہیں ساحرہ کے ہاتھوں کھائی ٹھوکر سے اپنی بیٹیوں کی قدر و منزلت معلوم ہو گئی تھی۔ ساحرہ افتخار صاحب سے کافی کچھ سمیٹ کر بھاگ گئی تھی۔ اس دھوکے کے بعد ان کی آنکھیں کھل گئی تھیں اور بیٹیوں کے لیے حقیقی پیار امڈ آیا تھا۔ ہوسپٹل سے ڈسچارج ہو کر وہ ارسلان اور نیناں کے ہمراہ ان کے گھر چلی آئی تھی اور صرف دو دن بعد ہی ٹی وی پر بریکنگ نیوز اس نے سنی تھی۔

"ملک کے مشہور و معروف مل اونر ہمدانی جان کا بیٹا زوہیب ہمدانی جان روڈ ایکسیڈنٹ میں ہلاک....." یہ سن کر زرش کو عجیب سی طمانیت کا احساس ہوا جبکہ شاہ ویز قدرت کے اس انتقام پر اش اش کر اٹھا' اس دن کے بعد سے شاہ ویز نے اسے فون نہیں کیا تھا' لاشعوری طور پر زرش اس کی کال کی منتظر تھی جو کچھ بھی تھا صرف اس کی بدولت ہی اس کی زندگی سلامت تھی ورنہ اگر شاہ ویز اس کے پیچھے نہ آتا تو زوہیب اس کے ساتھ نجانے کیا سلوک کرتا' یہ سوچ کر ہی اس کی روح کانپ جاتی تھی۔ افتخار صاحب کے گھر

Digitized by Google

آج کافی رونق تھی۔ ارسلان، نیناں، اجالا، ہشام اور ننھے حاشر کی بدولت گھر کے سناٹے ختم ہوگئے تھے، شام کو لیلیٰ بیگم اور عالم حیدر بھی آن پہنچے تھے۔ عالم حیدر اب اسٹک کے سہارے تھوڑا چلنے پھرنے کے قابل ہوگئے تھے۔ اس جھٹکے نے ان کے بھی اندر سے دنیا و دولت کی ہوس ختم کردی تھی۔

ان دونوں کے ہمراہ شاہ ویز کو نہ پا کر وہ کچھ مایوس سی ہوئی، پھر کچھ سوچ کر اس نے شاہ ویز کا نمبر ملایا..... صرف آدھے گھنٹے میں شاہ ویز خوشگوار حیرت لیے اس کے مقابل کھڑا تھا۔

"مجھے تو یقین ہی نہیں آرہا تھا کہ تم نے مجھے کال کر کے بلایا ہے۔" زرش لان میں رکھی کرسی پر دھیرے سے بیٹھتے ہوئے اس کی بات نظر انداز کر کے گویا ہوئی۔

"دراصل آپ کا ایک قرض ہے مجھ پر۔"

"قرض آپ پر..... کیسا قرض؟" شاہ ویز اس کے سامنے چیئر پر بیٹھتے ہوئے بولا، بلیک جینز پر اسکن ٹائٹ مسٹرڈ ٹی شرٹ میں وہ ہمیشہ کی طرح وجاہت و دلکشی کا شاہکار لگ رہا تھا۔

"اس دن اگر آپ نہ ہوتے تو شاید آج میں زندہ نہ ہوتی۔" ریڈ اینڈ گرین کلر کے سوٹ میں وہ آہستگی سے گویا اقرار کرتے ہوئے بولی۔

"زرش جب تک میں زندہ ہوں تمہیں کسی قسم کا نقصان نہیں ہوسکتا۔"

"اللہ کے لیے آپ ایسی بات مت کیجیے۔" زرش بے ساختہ اٹھتے ہوئے تڑپ کر بولی تو شاہ ویز نے اسے نا سمجھنے والے انداز میں دیکھا۔

"دراصل مما بھی مجھ سے یہی کہتی تھیں اور پھر....." اتنا کہہ کر اس کی آواز آنسوؤں میں ڈوب گئی۔

"زرش پلیز مت بہاؤ آنسو، یہ میرے دل پر گرتے ہیں۔" شاہ ویز انتہائی بے بسی سے بولا تو زرش نے بے تحاشا تلملا کر سر اٹھا کر اس سے کہا۔

"آپ ہی نے یہ آنسو میری آنکھوں، میرے دل،

aanchalpk.com
مغربی اور مشرقی ادب کی منتخب کہانیوں کا مجموعہ
ماہنامہ نئے افق کراچی
شائع ہوگیا ہے
افسانہ افسانہ کا مزہ دیتی سچی تحریریں
ایسی کہانیاں جو اس سے قبل آپ نے نہیں پڑھی ہوں گی
مغربی ادب سے انتخاب
جرم و سزا کے موضوع پر ہر ماہ منتخب ناول
مختلف ممالک میں پلنے والی آزادی کی تحریکوں کے پس منظر میں
معروف ادیبہ زریں قمر کے قلم سے مکمل ناول
ہر ماہ خوب صورت تراجم دیس بدیس کی شاہکار کہانیاں
اس کے علاوہ
اور بہت کچھ آپ کی پسند اور آرا کے مطابق
کسی بھی قسم کی شکایت کی صورت میں
021-35620771/2
0300-8264242

Digitized by Google

میری روح میں بھر دیئے ہیں اور اب آپ کہتے ہیں کہ یہ آنسو آپ کے دل میں گرتے ہیں' اف کتنے دو غلے ہیں آپ۔" شاہ ویز اس کی بات پر گہری سانس بھر کر رہ گیا۔

"یہ حقیقت ہے کہ تمہیں آنسو دینے کا ذمہ دار میں ہی ہوں مگر یقین کرو زرش یہ آنسو دینے کے بعد میں نے ایک پل بھی سکون کا نہیں گزارا' میں نے تمہارے ساتھ بہت ظلم کیا ہے جس کے لیے میں تم سے معافی کا طلب گار ہوں۔" زرش نے اس بات پر نم آنکھوں سے اسے دیکھا۔

"کیمپس میں جب تم لڑکوں سے ایس ایم ایس پر بات کرتی تھیں نجانے کیوں مجھے بے چینی سی ہوتی تھی' مجھے تمہارے پہناوے' تمہاری عادات واطوار پر اعتراض تھا مگر مجھے خود پر تمہارا تو جہ نہ دینا بھی بہت کھلتا تھا' شاید اس لیے کہ میں ہر لڑکی کی خصوصی توجہ وستائش کا عادی جو ہو گیا تھا۔" زرش ناچاہتے ہوئے بھی توجہ سے سنے گئی۔

"اور جس دن وہ حادثہ ہوا تم یقین کرو اس حرکت میں میری کوئی شعوری کوشش نہیں تھی' میں ہرگز ایسا نہیں چاہتا تھا مگر....." اتنا کہہ کر وہ رکا تو زرش نے بے ساختہ اپنے لبوں کو بھینچا۔ "میں اندر سے بہت نادم تھا مگر تم پر ظاہر نہیں کیا اور پھر علیشبہ....."

علیشبہ کی کارستانی سن کر زرش حقیقی معنوں میں ششدر سی رہ گئی۔

"اس وقت مجھے احساس ہوا کہ تمہاری عزت کو روند کر میں نے تم پر کتنا بڑا ظلم کر دیا' علیشبہ کے اس عمل سے میں نے سوچا کہ اگر اس دن کیمپس میں علیشبہ میری عزت داغ دار کر دیتی تو کیا ہوتا؟ میں تو ایک مرد ہو کر بھی یہ سب کچھ سوچ کر کانپ اٹھا اور تم ایک لڑکی ہو کر یہ سب کیسے سہہ گئی۔" وہ گہری ندامت سے بولا تو زرش ایک تھکی سانس لیتے ہوئے بولی۔

"قصور میرا بھی تھا' جس حالت میں' میں بناء سوچے سمجھے آپ کے کمرے میں چلی گئی تھی' ایسا ہونا کوئی اچنبھے کی بات نہیں تھی..... وہ کہتے ہیں ناں کہ جب تک عورت خود بڑھاوا نہ دے مرد اس کے قریب آنا تو دور اس سے بات تک نہیں کر سکتا' آپ نے ٹھیک کہا تھا ایسے لباس پہن کر شرافت کی تمنا کرنا خاصا مضحکہ خیز ہے خود دعوت گناہ دینا اور پھر واویلا مچانا واقعی قابل اعتراض ہے۔"

"مجھے معلوم ہے زرش اس میں تمہاری کوئی شعوری کوشش نہیں تھی تمہیں تو خود نہیں معلوم تھا کہ ایسے لباس پہن کر تم پر کیا آفت ٹوٹ سکتی ہے' مگر اس دن کے بعد میں نے بھی ان خرافتوں سے توبہ کر لی تھی۔" شاہ ویز سنجیدگی سے بولا تو ایک دم سر جھٹک کر زرش نے اسے دیکھ کر کہا۔

"اینی ویز میں آپ کو تھینکس کہنا چاہ رہی تھی میں کل صبح کی فلائیٹ سے ٹورنٹو جا رہی ہوں۔"

"میں بھی تم سے کچھ کہنا چاہ رہا ہوں زرش۔" اسے وہاں سے پلٹتا دیکھ کر شاہ ویز جلدی سے بولا۔

"فرمایئے۔" وہ استفہامیہ نگاہوں سے دیکھ کر بولی۔

"اللہ کے لیے زرش مجھ پر کچھ تو ترس کھاؤ میں ساری زندگی کنوارہ نہیں رہنا چاہتا..... پلیز ہاں کہہ دو ناں۔" وہ لجاجت سے بولا تو وہ کچھ خفیف سی ہو گئی۔

"یہ کیا فضول بکواس ہے' میں نے آپ کو کب منع کیا ہے۔"

"کیا تو پھر ابھی میں سب کو جا کر بتاتا ہوں کہ تم راضی ہو۔" فرط جوش ومسرت میں گھر کر وہ جلدی سے اندر کی جانب بڑھا جبکہ زرش نے انتہائی سرعت سے گھبرا کر اس کا بازو پکڑا۔

"کیا مطلب ہے آپ کا؟ یہ میں کہاں سے بیچ میں آ گئی۔" وہ چڑ کر بولی۔

"تم..... ارے احمق میں تم ہی سے تو شادی کروں گا۔" پہلے تو شاہ ویز نے اسے حیرت سے دیکھا پھر اسے بچوں کی طرح سمجھایا۔

"واٹ..... کیا آپ نے سوچا بھی کیسے' میں آپ سے ہرگز شادی نہیں کروں گی۔" زرش اسے ڈپٹتے ہوئے بولی تو شاہ ویز کا منہ لٹک گیا۔

"کیوں مجھ میں کیا کمی ہے؟"

"کمی تو نہیں مگر زیادتیاں بہت ہیں۔" وہ طنز سے بولتی

Digitized by Google

اندر کی جانب بڑھی تو یک دم شاہ ویز اس کے مقابل آ گیا وہ اس سے ٹکراتے ٹکراتے بچی۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے شاہ ویز..... پلیز مجھے اندر جانے دیں ابھی تک میری پیکنگ بھی ادھوری ہے اور پاسپورٹ بھی تلاش کرنا ہے۔" وہ بمشکل خود کو سنبھال کر چڑ کر بولی۔

"تمہارا پاسپورٹ تو یہاں ہے۔" یہ کہہ کر شاہ ویز نے اپنی پچھلی جیب سے پاسپورٹ نکال کر اس کی نگاہوں کے سامنے لہرایا تو انتہائی بھونچکی سی ہو کر وہ پاسپورٹ اور شاہ ویز کو دیکھے گئی۔

"یہ..... یہ آپ کے پاس کہاں سے آیا؟" وہ تقریباً ہکلا کر بولی۔

"میری اکلوتی سالی نیناں نے یہ کارِ خیر انجام دیا ہے۔" وہ چہک کر بولا تو زرش نے پاسپورٹ جھپٹنے کی غرض سے تیزی سے ہاتھ بڑھایا مگر شاہ ویز پہلے ہی الرٹ تھا سرعت سے اپنا ہاتھ پیچھے ہٹالیا۔

"تھوڑا صبر کرلو ناں پھر ہم دونوں ساتھ چلیں گے ٹورینٹو ہنی مون منانے۔" وہ انتہائی دلکشی سے بولا تو وہ بری طرح تلملا گئی۔

"آپ ضرورت سے زیادہ فری ہو رہے ہیں۔" یہ کہہ کر جونہی اس نے اندر قدم بڑھائے لاؤنج میں سب کو انتہائی خوشگوار ماحول میں باتیں کرتے دیکھا تو ٹھٹک گئی۔

"بس بھائی صاحب آپ ابھی اور اسی وقت ہمارا منہ میٹھا کروائیے اور شادی کی تاریخ دے دیجیے اپنی بہو زرش کو میں جلد سے جلد اپنے گھر لے جانا چاہتی ہوں۔" لیلیٰ بیگم کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی تو انتہائی اچنبھے سے زرش نے مڑ کر شاہ ویز کو دیکھا جو سینے پر ہاتھ باندھے اسے والہانہ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا جب سے اس نے لیلیٰ بیگم کو اپنی پسند سے آگاہ کیا تھا تب ہی سے وہ اس کے سر ہو گئی تھیں کہ وہ فوراً انہیں زرش کے گھر لے کر چلے۔

"تو آپ نے اپنے پیرنٹس کو اس وجہ سے یہاں بھیجا ہے؟" وہ دانت پیس کر بولی۔

"ارے بھابی میں زرش کی مرضی کے بغیر تو ہاں کہہ ہی نہیں سکتا۔" افتخار صاحب کی آواز اندر سے ابھری تو زرش کافی چونک کر تھوڑا اندر داخل ہوئی جب کہ لاؤنج میں بیٹھے تمام نفوس نے ان دونوں کو دروازے پر کھڑے دیکھا۔

"ڈیڈی زرش کو کوئی اعتراض نہیں ہے آپ بس شادی کی تاریخ فکس کیجیے بلکہ ایسا کیجیے اگلے ماہ اجالا کی شادی کے ساتھ ہی زرش کو بھی رخصت کر دیجیے۔" نیناں چہک کر زرش کو پیار بھری نگاہوں سے دیکھ کر بولی تو زرش بری طرح سٹپٹا گئی۔

"زرش بیٹا کیا نیناں ٹھیک کہہ رہی ہے تمہیں اس رشتے سے انکار نہیں ہے؟" ڈیڈی حلاوت سے بولے تو بے اختیار زرش نے رخ موڑ کر اپنے برابر کھڑے شاہ ویز کو دیکھا جو آنکھوں میں محبت و چاہت کے رنگ لیے اسے پیار بھری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

"مگر....." وہ اتنا ہی بولی تھی کہ پورے لاؤنج میں سناٹا سا چھا گیا شاہ ویز کی آنکھوں میں مسرت کی جلتی جوت یک لخت بجھ سی گئی تھی۔

"مگر ڈیڈی یہ تو بہت جلدی ہے۔" زرش کا اتنا کہنا تھا کہ سب انتہائی خوش و پُرجوش ہو کر ایک دوسرے کو مبارک باد دینے لگے۔

"تھینک یو زرش..... مجھے معتبر کرنے کا بہت شکریہ۔" شاہ ویز انتہائی محبت میں بولا تو زرش نے شرگیں مسکراہٹ کے ساتھ ہلکے سے سر ہلایا اسے یقین ہو چلا تھا کہ اب شاہراہ زیست شاہ ویز کے سنگ گل گلزار ہو چکی ہے اور وفا کے دیپ چہار سو روشن ہو اٹھے ہیں۔

Digitized by Google

ہومیوکارنر

طلعت نظامی

موتیا بند

سفید موتیا Cataract

بینائی یا نظر میں آہستہ آہستہ کمزوری کی ایک بڑی وجہ آنکھوں میں موتیا بند اترنا ہے اسے سفید موتیا بھی کہتے ہیں سفید موتیے کی بیماری میں آنکھ کے لینس یا عدسے دھندلے پڑنے لگتے ہیں یہ شکایت بھی اکثر عمر کے ساتھ ہوتی ہے اس کا علاج آپریشن کے ذریعے ہوتا ہے۔ جب بھی موتیا کی وجہ سے دیکھنے یا پڑھنے لکھنے میں دقت محسوس ہونے لگے تو اسے آپریشن کے ذریعے نکالا جاسکتا ہے جدید طریقوں اور سہولتوں کی موجودگی میں اب پہلے کی طرح اس بات کا انتظار نہیں کرتے کہ موتیا پک جائے پھر آپریشن ہو ایک بار آنکھ میں موتیا بننا شروع ہوجائے تو پھر دواؤں سے یہ روکنا مشکل ہوجاتا ہے سفید موتیا کے آپریشن میں آنکھ سے لینس اتار دیتے ہیں اس لیے آپریشن کے بعد صحیح طرح دیکھنے کے لیے مصنوعی لینس کی ضرورت ہوتی ہے عام طور پر اس کے لیے خاص قسم کے موٹے شیشے والی عینک استعمال کی جاتی ہے اگر مریض کی ایک آنکھ سے موتیا اتارا گیا ہے اور اس کی دوسری آنکھ کی بینائی یا روشنی ٹھیک ہے تو فوراً عینک نہیں دی جاسکتی کیونکہ عینک لگانے سے اسے ہر چیز نظر آئے گی عینک اس وقت لگ سکتی ہے جب موتیا یا کسی اور وجہ سے دوسری آنکھ کی روشنی بھی کم ہوجائے۔

موتیا بند کے آپریشن کے بعد موٹے شیشوں کی عینک کے بجائے اندرونی طور پر لگائے جانے والے لینس بھی استعمال کیے جاسکتے ہیں یعنی (Contact Lenses) یہ پلاسٹک کے باریک لینس ہوتے ہیں جو سامنے کی طرف قرنیہ پر رکھ دیے جاتے ہیں لیکن انہیں بہت زیادہ صاف رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے جن ممالک میں گرد و غبار زیادہ ہوتا ہے وہاں ان لینس کا استعمال مشکل ہوجاتا ہے نظر کی درستی کا ایک تیسرا طریقہ بھی ہے جس میں آپریشن کے ساتھ ہی آنکھ میں پلاسٹ کے باریک لینس کی پیوند کاری کردی جاتی ہے اس لینس کو انگریزی میں (Intraocularlens) کہتے ہیں۔

اسباب مرض:

بڑھاپا، مرض ذیابیطس، امراض گردہ مثلاً سوزش گردہ، آنکھ پر چوٹ لگنا، یا لینس میں کسی چیز کا چلے جانا، آتشک، مرگی، ارگٹ اور نیف تھے لین کے استعمال سے نیز بجلی کے شاک سے بھی یہ مرض ہوجاتا ہے بعض حالتوں میں یہ مرض موروثی ہوتا ہے۔

علامات مرض:

آنکھ کا معائنہ کرنے پر پتا چلتا ہے کہ پتلی کے پیچھے خاکستری مائل یا نیلگوں سفیدی مائل رنگ کی شے دکھائی دیتی ہے جو درحقیقت آنکھ کا دھندلا پائیدا موتی ہوتا ہے مریض کی کیس ہسٹری دریافت کرنے سے معلوم ہوگا کہ بینائی رفتہ رفتہ کم ہوگئی ہے ہر ایک چیز دگنی دکھائی دیتی ہے بیمار کو آنکھ کے سامنے جالا سا معلوم ہوتا ہے چراغ کی شعاعیں منتشر اور چراغ بہت بڑا دکھائی دیتا ہے۔ چاند کو دیکھنے سے دو چار چاند دکھائی دیتے ہیں۔

علاج:

ابتدائی کیس ہومیو پیتھک ادویات کھلانے سے صحت یاب ہوجاتے ہیں ابتدا میں کلکیریا فلور ۱۲ دن میں دو مرتبہ پندرہ دن تک استعمال کرائیں اگر بہتری نہ ہوتی نظر آئے تو اس کو چھوڑ کر کہنا بیس انڈیکا ۳ استعمال کرائیں فلورک ایسڈ ۴ بھی مفید ہوتا ہے اور اس طرح کاسٹی کم، کونیم، کاپی کم، فاسفورس، کیلپل اور سلیشیا بھی مفید ہیں۔

سینی دیریا میری ٹیما Q:

دو قطرے آنکھ میں تین مرتبہ روزانہ ڈالنے چاہیے تین ماہ تک استعمال کرنے سے مکمل صحت یابی ہوجاتی ہے۔

اگر موتیا بند کا کیس اتنا ترقی یافتہ ہوچکا ہو کہ مذکورہ بالا ادویات اس کے دور کرنے میں ناکام ثابت ہوتی ہو تو پھر آپریشن کرانے کی ضرورت ہوتی ہے۔

کالا موتیہ (Glaucoma)

آنکھ کی بینائی کو بہت زیادہ نقصان پہنچانے والی ایک اور خطرناک بیماری ہے جسے کالا موتیا، کالا پانی یا نیلوا کہتے ہیں اس میں آنکھ کے اندر پانی کا دباؤ یا پریشر بہت زیادہ بڑھ جاتا ہے جس سے رگ بصارت (Optic nerve) کو سخت نقصان پہنچتا ہے اور اکثر آنکھ کی روشنی ختم ہوجاتی ہے۔ کالا موتیا کی عام طور پر دو اقسام ہیں پہلی قسم میں بیماری اچانک شروع ہوتی ہے آنکھ اور سر میں سخت درد ہوتا ہے کبھی نے کبھی ہوتی ہے آنکھ کا ڈھیلا پتھر کی طرح سخت ہوجاتا ہے بیمار آنکھ کی پتلی دوسری پتلی سے بڑی نظر آتی ہے مریض کو روشنی کے گرد رنگین دائرے نظر آتے ہیں اس قسم کی بیماری میں بڑی جلدی اندھے ہونے کا خطرہ ہوتا ہے اس لیے ڈاکٹر کے پاس جانے میں دیر نہیں کرنی چاہیے بیماری کی دوسری قسم میں مرض آہستہ آہستہ شروع ہوتا ہے اس میں درد نہیں ہوتا مریض اس بیماری پر دھیان نہیں دیتے پہلے آہستہ آہستہ بینائی کمزور ہوتی ہے علم اس وقت ہوتا ہے جب آنکھوں کی روشنی بالکل ضائع ہوجائے اس لیے کالے موتیے کے مرض میں دیر سے علاج

Digitized by Google

شروع کرنا اپنی آنکھوں کی روشنی ضائع کرنے کے برابر ہے۔

اسباب مرض:

جب آنکھ کے ڈھیلے میں بعض وجوہات سے رطوبت کی پیدائش اور جذب میں طبعی مناسبت نہیں رہی اور نقص واقع ہوجاتا ہے تب یہ مرض پیدا ہوتا ہے۔ کبھی ناسور یا سوراخ قرنیہ یا آنکھ کے مولی کا اپنی جگہ سے اکھڑ جانا بھی اس کے اسباب ہیں۔

اقسام مرض: (Type)

یہ مرض چار قسم کا ہوتا ہے۔

1۔ شدید 2۔ مزمن 3۔ نوبتی 4۔ ثانوی

علامات مرض: (Clinical Feature)

ابتدائے مرض میں کبھی کبھی آنکھ کے آگے اندھیرا آجاتا ہے چراغ کے گرد رنگین دائرہ نظر آتا ہے کرۂ چشم کی سختی بڑھتی جاتی ہے اور میدان بصارت رفتہ رفتہ تنگ اور روز بروز کم ہوتی جاتی ہے۔

شدید گلاکوما:

اس میں کرۂ چشم سرخ اور سخت ہوتا ہے اور اس میں شدت کا درد ہوتا ہے قرنیہ کے گرد سرخ حلقہ دکھائی دیتا ہے آنکھ کی پتلی پھیل جاتی ہے اور بے حس ہوتی ہے۔ بصارت بہت جلد اور کبھی دو تین روز میں زائل ہوجاتی ہے۔

مزمن گلاکوما: (Chronic Gloucoma)

اس میں ابتدائی علامات دیر تک رہتی ہے ڈھیلے کی سختی اور نظر کی کمی بتدریج واقع ہوتی ہے ذرد کبھی ہلکا اور کبھی بالکل نہیں ہوتا۔

نوبتی گلاکوما:

اس میں شدید گلاکوما کی علامات ہوتی ہیں جو بالآخر مزمن صورت میں بدل کر باعث زوال چشم ہوا کرتا ہے۔

ثانوی گلاکوما:

ناسور یا سوراخ قرنیہ سے یہ مرض ہوجایا کرتا ہے۔

تشخیص مرض:

اس مرض کو سفید موتیا سے تشخیص کرنا ضروری ہے چنانچہ گلاکوما کی تشخیص علامات مندرجہ ذیل ہیں۔

۱:۔ پتلی کی رنگت سبز ہوتی ہے۔

۲:۔ آنکھ کا ڈھیلا پتھر کی طرح سخت ہوتا ہے۔

۳:۔ آنکھ اور کن پٹی میں سخت درد ہوتا ہے۔

۴:۔ چراغ کے گرد سرخ حلقہ نظر آتا ہے۔

۵:۔ پتلی سست، بے حرکت ہوجاتی ہے۔

۶:۔ میدان بصارت تنگ ہوجاتا ہے اور بعید نظری (Hypermetropia) کی شکایت ہوجاتی ہے۔

علاج:

ہیلا ڈونا:

روشنی ناقابل برداشت ہو، آنکھیں اور چہرہ سرخ ہوں جب گلاکوما یعنی سبز موتیا کے پیدا ہوجانے کا ڈر ہو سر درد ہو آنکھوں کے سامنے چنگاریاں اڑتی دکھائی دیتی ہوں اور وزن اور دباؤ محسوس ہو۔

چائنا:

بینائی دھندلی، بینائی یکا یک کم ہوجائے، کمزوری بہت ہو جب اخراج خون یا پیپ کا دیر تک مریض شکار رہ چکا ہو یا مریضہ کافی عرصہ تک بچہ کو دودھ پلاتی رہی ہو۔

فاسفورس:

جب چیزیں اور آنکھوں کی رنگت قدرتی ہو اور دور کی اشیا دھندلی دکھائی دیتی ہو آنکھوں کے سامنے سیاہ دھبے دکھائی دیتے ہوں اور بینائی کم ہو یہ دوائی بوڑھے اور کمزور اشخاص کی کمزوری نظر میں مفید ہوتی ہے۔

نکس و امیکا:

بینائی میں وقفہ کے بعد نقص واقع ہوتا ہو، سر درد ہو جب مکان کے اندر بیٹھا رہنے دماغی محنت زیادہ کرنے بدہضمی یا نشوں کے استعمال کا مریض عادی رہا ہو۔

مرکیورس کار:

پتلی سکڑتی ہو بینائی دھندلی، روشنی سے ڈر لگتا ہو اور آگ کی چمک آنکھوں کو نہ بھاتی ہو یہ دوائی اور بھی کارگر ہوتی ہے۔

جلسی میہ:

روشنی بہت بھاتی ہو ایک ایک کے دو دو نظر آتے ہوں، بصارت صاف، ذہن کند اور خانہ چشم میں درد ہوتا ہو جب کثرت محنت کو نین نوشی کے باعث بینائی میں نقص آجائے تو یہ دوائی سودمند ہوتی ہے۔

یوفریزیا:

آنکھوں سے بکثرت پانی خارج ہوتا ہو نیز جب کہ گلاکوما عارضہ نزلہ کے باعث شروع ہوا ہو۔

آرنیکا:

آنکھ کے ڈھیلے پڑھتے ہوئے دکھتے ہوں، کمزوری نظر بوجہ بیرونی صدمہ کے ہو یا بوجہ نقص یا مخصصہ ہو اور آنکھ کی پتلی سکڑی ہوئی ہو۔

Digitized by Google

میمونہ رومان

مسز نگہت غفار..... کراچی

یہ دل کا چور اس کی ضرورتیں تھیں بہت
ورنہ ترکِ تعلق کی صورتیں تھیں بہت
فراز دل کو نگاہوں سے اختلاف رہا
وگرنہ شہر میں ہم شکل صورتیں تھیں بہت

پروین افضل شاہین..... بہاولنگر

کتاب کھول رہا تھا وہ اپنے ماضی کی
ورق ورق پہ بکھرتا گیا میرا چہرہ

ارم کمال..... فیصل آباد

بارش ہوئی تو پھولوں کے بدن چاک ہوگئے
موسم کے ہاتھ بھیگ کے سفاک ہوگئے
بادل کو کیا خبر کہ بارش کی چاہ میں
کیسے بلند وبالا شجر خاک ہوگئے

مدیحہ نورین مہک..... گجرات

تیرے لوگوں سے گلہ ہے میرے آئینوں کو
ان کو پتھر نہیں دیتا تو بینائی دے

تمثیلہ لطیف

ضبط کی گرہیں کھلیں ہاتھوں سے میرے اس طرح
ریزہ ریزہ خواہشوں کے عکس بھی دھندلا گئے

سعدیہ حورین حوری..... بنوں' کے پی کے

اب تیرے واسطے لے آؤں کہاں سے اُس کو
وہ جو اِک میں تھا' دفنائے ہوئے عرصہ ہوا

فریدہ فری..... لاہور

ایک برس کے موسم چار
سردی گرمی بسنت بہار
پانچواں موسم پیار کا موسم
چاہت کے اظہار کا موسم

فیاض اسحاق..... سلدنوالی

تمہارے شہر کا موسم بڑا سہانا لگے
میں ایک شام چرالوں اگر برا نہ لگے
تمہارے بس میں اگر ہو تو بھول جاؤ ہمیں
تمہیں بھلانے میں شاید ہمیں زمانہ لگے

عنبہ آرزو چودھری..... گجرات

میں سر جھکا کے کہہ دوں گی اپنے رب کے سامنے
کہ ہزاروں گناہ ہوگئے تیری رحمت کے ناز پہ

شزا بلوچ..... جھنگ' صدر

ناداں ہیں وہ جن کو ہے غم نامیوں کا رنج
ہم کو تو راس آئے نہ شہرت کے رات دن

سمیرا سواتی..... بھیر کنڈ

لگتا ہے بہت دیر رُکے گی میرے گھر میں
اس رات کی آنکھوں میں شناسائی بہت ہے

سیّدہ لوبا سجاد..... کھروڑ پکا

ہری ہے شاخِ تمنا ابھی جلی تو نہیں
جگر کی آگ دبی ہے مگر بجھی تو نہیں
جفا کی تیغ سے گردن وفا شعاروں کی
کٹی ہے برسرمیداں مگر جھکی تو نہیں

عابدہ احمد..... فیصل آباد

رین اندھیری ہے اور کنارہ دُور
چاند نکلے تو پار اُتر جائیں

سلمیٰ عنایت حیا..... کھلا بٹ ٹاؤن شپ

یہ تم سے کہہ دیا کس نے کہ بازی ہار بیٹھے ہیں
ابھی تم پہ لٹانے کو ہماری جان باقی ہے

اقرا جٹ..... منچن آباد

مجھے چین کیوں نہیں پڑتا
ایک ہی شخص تھا جہان میں کیا

صبا زرگر' ذکا زرگر..... جوڑہ

توڑ دیے ہیں میں نے گھر کے سب ہی آئینے
پیار میں ہارے ہوئے لوگ مجھ سے دیکھے نہیں جاتے

حاجرہ نعیم..... مورگاہ' راولپنڈی

اک لمحہ ملا تھا کہنے کو

Digitized by Google

زندگی بھر کی بات کیا کرتے

انعم زہرہ..... ملتان

کبھی ہاتھوں سے گرتی ریت دیکھی ہے
کچھ اس طرح سے مجھ سے دُور ہوتے جارہے ہو تم

طیبہ سعدیہ عطاریہ..... کٹھیالہ

کیوں شرمندہ کرتے ہو یہ رسمی باتیں پوچھ کر
حال میرا وہی ہے جو تم نے بنا رکھا ہے

اقصیٰ اشمل وٹو..... ایبٹ آباد

درختوں کی رہ گزر میں چمک چھوڑ جاؤں گی
پہچان اپنی دُور تک چھوڑ جاؤں گی
خاموشیوں کی موت گوارا نہیں مجھے
شیشہ ہوں ٹوٹ کر بھی کھنک چھوڑ جاؤں گی

رابعہ انعم..... سرگودھا

شام آرہی ہے، ڈوبتا سورج بتائے گا
تم اور کتنی دیر ہو، ہم اور کتنی دیر

وزیر خلفر..... آزاد کشمیر

جس دل آراء کی خاطر پائی رسوائی بہت
ہم نے اپنے عشق کی سچائی دکھلائی بہت
کیا ملا تجھے زنجیر رفاقت توڑ کر
تو بھی تنہا میں بھی تنہا اور تماشائی بہت

نورین مسکان سرور..... سیالکوٹ ڈسکہ

خُود سے روٹھوں تو کئی روز نہ خود سے بولوں
پھر کسی درد کی دیوار سے لگ کر رو لوں
تو سمندر ہے تو پھر اپنی سخاوت بھی دکھا
کیا ضروری ہے کہ میں پیاس کا دامن کھولوں

جلزبہ عباسی..... مری

دیکھ فرعون کے لہجے میں کوئی بات نہ کر
ہم تو پاگل ہیں خداؤں سے اُلجھ جاتے ہیں

ثنا رسول ہاشمی..... صادق آباد

کچھ تو پاس بچا کر رکھو سب کچھ کاروبار نہ جانو
دل کے دروازے مت کھولو اس گھر کو بازار نہ مانو
مانا رستہ کٹھن بہت ہے، پھر بھی سایہ دار شجر ہے
ٹہنی کو تلوار نہ سمجھو آنچل کو دیوار نہ جانو

اریبہ نعیم..... کراچی

کیا کہیں کتنے مراسم تھے ہمارے اس سے
وہ جو اِک شخص ہے منہ پھیر کے جانے والا

ولید عزیز..... حافظ آباد

بھری بزم میں راز کی بات کہہ دی
بڑا بے ادب ہوں سزا چاہتا ہوں

مہوش اقبال..... حیدرآباد

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن

ہالہ سلیم..... کراچی

لفظوں کے ستم لہجوں کے آزار بہت ہیں
کہنے کو اس شہر میں غم خوار بہت ہیں

سدرہ شاہین..... پیرووال

ممکنہ فیصلوں میں رک جبر کا فیصلہ بھی تھا
ہم نے تو ایک بات کی اس نے کمال کردیا

عائشہ سلیم..... کراچی

وہ بھلے لوگ تھے مگر ان سے
کیسے کیسے فریب کھائے ہیں

وقاص عمر..... حافظ آباد

تن من اپنا خاک کیا پھر نگری ایک بسائی تھی
جاتے سے جو پلٹ کر دیکھا اک اک اینٹ پرائی تھی
کس کی جاز نجیر ہلاتے، کس سے جا کرتے فریاد
اپنے ساتھ تو ایک خدا تھا، اس کے ساتھ خدائی تھی

biazdill@aanchal.com.pk

Digitized by Google

ڈش مقابلہ

طلعت اعجاز

کشمیری چکن پلاؤ

اجزاء:۔

چاول	دو کپ
مرغی	آدھا کلو
نمک	حسب ذائقہ
دہی	ایک کپ
لال مرچ پاؤڈر	ایک کھانے کا چمچ
دھنیا پاؤڈر	ایک کھانے کا چمچ
کالی مرچ پاؤڈر	ایک کھانے کا چمچ
گھی	حسب ضرورت
ہری الائچی	چار عدد
لونگ	چھ عدد
دار چینی	چار عدد
زیرہ	دو کھانے کے چمچ
لہسن کے جوئے	پانچ عدد
ادرک	چھوٹا ٹکڑا
ہری مرچ (کٹی ہوئی)	چار عدد
کشمش	پانچ عدد
پیاز	دو عدد
پانی	اڑھائی کپ

ترکیب:۔

سب سے پہلے چاولوں کو دھو کر بیس منٹ کے لیے بھگو لیں، اس کے بعد مرغی کو دھو کر اس پر نمک لگا دیں۔ اس کے بعد الگ سے دہی میں نمک، لال مرچ پاؤڈر، دھنیا پاؤڈر اور کالی مرچ شامل کرنے کے بعد دہی کو اچھی طرح پھینٹ لیں اور ایک طرف رکھ دیں، اب ایک پتیلی میں گھی ڈال کر گرم کریں اور اس میں ہری الائچی، لونگ، دار چینی اور زیرہ فرائی کر لیں پھر پیاز شامل کر کے ہلکا براؤن کر لیں اب لہسن کے جوئے اور ادرک شامل کر کے اسے ہلکا سا فرائی کریں اس کے بعد ہری مرچ ڈال دیں، پھر پھینٹا ہوا دہی شامل کر کے اسے ہلائیں اور دو منٹ تک پکائیں جب تک تیل اوپر نہ آ جائے پھر مرغی اور نمک شامل کر کے پانچ سے سات منٹ تک تیز آنچ پر پکائیں، پھر اس میں کشمش شامل کر کے اسے تھوڑا سا پکائیں، اب اڑھائی کپ پانی شامل کر کے چاول ڈال دیں اور آنچ تیز کر کے ڈھک کر پکنے دیں، جب پانی خشک ہو جائے تو اس کو دم پر رکھ دیں پلاؤ پک جائے تو رائتہ کے ساتھ پیش کریں۔

محرر تبسم ناز.....قصور

مٹن زعفرانی پلاؤ

اجزاء:۔

بکرے کا گوشت (بون لیس)	ایک کلو
بڑی الائچی	دو عدد
ثابت گرم مصالحہ	ایک چائے کا چمچ
لہسن، ادرک پیسٹ	دو چائے کے چمچ
نمک	حسب ذائقہ
تیل	ایک کپ
چھوٹی الائچی	تین عدد
کھویا	ایک کلو
چاول	ایک کلو
چینی	تین کھانے کے چمچ
دودھ (دودھ میں زعفران بھگو دیں)	دو کھانے کے چمچ
زعفران	ایک چائے کا چمچ
انڈہ (ابلا ہوا)	ایک عدد
میوہ	حسب ضرورت
جائفل جاوتری	ایک چائے کا چمچ

ترکیب:۔

گوشت میں تھوڑا سا پانی، الائچی، ثابت گرم مصالحہ، لہسن، ادرک پیسٹ اور نمک ڈال کر گوشت گلا لیں، گوشت الگ کر لیں اور یخنی الگ کر لیں، آدھی یخنی میں چاول نمک ڈال کر ابال لیں۔ ایک پتیلی میں تیل گرم کر کے اس میں چھوٹی الائچی

Digitized by Google

ڈالیں پھر یخنی سے گوشت نکال کر ڈالیں اور فرائی کرلیں۔ بچی ہوئی بقیہ یخنی ڈالیں چاول، چینی، زعفران والا دودھ، جائفل، جاوتری ڈالیں نمک کر کے سیوہ اور ابلا ہوا انڈا ڈال دیں پھر دم پر رکھ دیں۔ تیار ہونے پر کھویا چھڑک کر سرو کریں۔

ثنا فرحان.....ملتان

پنجابی یخنی پلاؤ

اجزاء:۔

چاول (بھیگے ہوئے)	تین سو گرام
چکن (لیگ پیس)	آدھا کلو
پیاز	دو عدد
سونف (ثابت)	ایک کھانے کا چمچ
دھنیا (ثابت)	ایک کھانے کا چمچ
سونٹھ	ایک درمیانہ ٹکڑا
بڑی الائچی	چار سے پانچ عدد
تیز پتے	دو عدد
لونگ	ایک چائے کا چمچ
دار چینی	دو ٹکڑے
ہری مرچ (درمیان سے کٹی ہوئی)	چار سے پانچ عدد
نمک	حسب ذائقہ
دہی	آدھا پاؤ
چکن کی یخنی	سوا ڈیڑھ گلاس
آلو بخارے	ایک سو گرام
ٹماٹر (کیوبز کیے ہوئے)	دو عدد
ململ کا کپڑا	ایک ٹکڑا

ترکیب:۔

پہلے پیاز کو باریک سلائس کر کے تیل کے ساتھ پکنے کے لیے چھوڑ دیں، ململ کے کپڑے میں سونف، دھنیا اور سونٹھ باندھ کر پیاز کے ساتھ شامل کردیں، جیسے جیسے پیاز پکتی جائے اس میں بڑی الائچی، تیز پتے، لونگ اور دار چینی شامل کریں، جب پیاز تھوڑی گولڈن ہونے لگے تو اس میں چکن بھی شامل کر کے اتنا بھونیں کہ چکن پر اچھا سا رنگ آجائے۔ پھر ہری مرچ، نمک، دہی اور یخنی شامل کردیں، جب یخنی پکنا شروع ہوجائے تو اس میں آلو بخارے، ٹماٹر اور چاول شامل کردیں۔ جب چاولوں میں کنی بننے کا عمل شروع ہوجائے تو چیک کرلیں کہ یخنی میں ہلکا پن ہو تو تھوڑا سا یخنی کا اضافہ اور کردیں۔ اب اسے کس کر کے ڈھک سے دس منٹ کا دم دے دیں مزیدار پنجابی یخنی پلاؤ تیار ہے۔

کلثوم ضیاء.....ہری پور ہزارہ

باربی کیو سیخ کباب پلاؤ

اجزاء:۔

قیمہ	آدھا کلو
براؤن پیاز (پیسٹ)	دو کھانے کے چمچ
نمک	حسب ذائقہ
ادرک پیسٹ	ایک چائے کا چمچ
ہرا دھنیا	آدھا کپ
ہری مرچ	تین عدد
لیمن	تین کھانے کے چمچ
زیرہ (کٹا ہوا)	ایک چائے کا چمچ
تیل	حسب ضرورت
چاول (بھگو دیں)	آدھا کلو
پودینہ	آدھی گٹھی
ہری مرچ	چار، پانچ عدد
پیاز (سلائس کرلیں)	دو عدد
زیرہ	ایک چائے کا چمچ
لونگ	چار عدد
سیاہ مرچ	آٹھ عدد
دار چینی	ایک انچ کا ٹکڑا
جائفل جاوتری	چوتھائی چائے کا چمچ
لہسن ادرک پیسٹ	ایک کھانے کا چمچ
دہی	آدھا کپ
زردے کا رنگ	ایک چٹکی
دودھ	چوتھائی کپ
تیل	آدھا کپ
یخنی	حسب ضرورت

Digitized by Google

ترکیب:۔

قیمہ میں تمام مصالحہ ڈال کر چوپر میں پیس لیں اور دو تین انچ کے کباب سیخوں پر لگا دیں اور باربی کیو کریں تھوڑے تیل کا برش کریں۔ سینک کرا تار لیں۔

چاول بنانے کے لیے:۔

دیگچی میں تیل گرم کر کے پیاز فرائی کریں لائٹ گولڈن ہو تو تھوڑی نکال لیں زیرہ، لونگ، سیاہ مرچ، دار چینی اور لہسن ادرک ڈال کر فرائی کریں وہی جائفل جاوتری ڈال کر فرائی کریں بھیگی چاول اور نمک ڈال کر پکائیں یخنی خشک ہو جائے تو چاولوں پر زردے کا رنگ دودھ میں مکس کر کے ڈالیں پھر براؤن پیاز، بار بی کیو، کباب، پودینہ، ہری مرچ ڈال کر دم پر رکھیں رائتہ سلاد کے ساتھ سرو کریں۔

ام طفور..... آزاد کشمیر

فش پلاؤ

اجزاء:۔

سری فش	آدھا کلو
چاول (بھیگے ہوئے)	تین سو گرام
ادرک لہسن کا پیسٹ	ایک کھانے کا چمچ
گرم مصالحہ (پسا ہوا)	ایک چائے کا چمچ
ہلدی	ایک چائے کا چمچ
نمک	حسب ذائقہ
تیل	حسب ضرورت
گھی	آدھا کپ
پیاز	دو عدد
گرم مصالحہ (ثابت)	حسب ضرورت
ہری مرچ	چار سے پانچ عدد
کڑی پتے	دس سے بارہ عدد
سفید زیرہ	ایک چائے کا چمچ
کالا زیرہ	ایک چائے کا چمچ
ٹماٹر (ابلے چھوٹے کٹے ہوئے)	دو عدد

ترکیب:۔

سب سے پہلے مچھلی کے چھوٹے پیس کاٹ لیں۔ پھر ان میں ادرک لہسن کا پیسٹ، پسا گرم مصالحہ، ہلدی اور تھوڑا سا نمک لگا کر میری نیٹ کر لیں، اب انہیں تھوڑے سے تیل میں شیلو فرائی کر کے ایک طرف رکھ دیں۔ پھر ایک پین میں گھی گرم کر کے پیاز، ثابت گرم مصالحہ، ہری مرچ، کڑی پتے، سفید زیرہ اور کالا زیرہ شامل کر کے ایک سے دو منٹ تک بھونیں۔ پھر اس میں سوا سے ڈیڑھ گلاس تک پانی شامل کریں۔ جب پانی گرم ہو جائے تو بھیگے ہوئے چاول شامل کر دیں۔ جب چاول پھول کر اوپر آنے لگیں تو اس میں ٹماٹر اور فرائی کی ہوئی مچھلی شامل کر کے مکس کریں اور آٹھ سے دس منٹ کا دم دے دیں، تیار ہونے پر گرما گرم نکال کر سرو کریں۔

ہاجرہ ناز..... بھاگووال

شاہی ٹکڑے

اشیاء:

رنگین سویاں	آدھا کپ
دودھ	ایک لیٹر
چینی	آدھا کپ
کھویا	آدھا کپ
بادام پستہ	حسب ضرورت
ڈبل روٹی کے سلائس	آٹھ عدد
تیل یا گھی	تلنے کے لیے
چینی	آدھا کپ
پانی	آدھا کپ

ترکیب:

دودھ کو ابال لیں، چینی اور سویاں ڈال کر پکائیں۔ سویاں نرم ہو جائیں تو چولہا بند کر دیں اور ڈش میں نکال لیں۔ ڈبل روٹی کو کسی بھی شیپ میں کاٹ کر فرائی کریں۔ چینی میں پانی ڈال کر پکائیں کہ چینی گھل جائے۔ اب فرائی سلائس شیرے میں ڈال کر نکال کر سویوں پر رکھیں۔ سلائس پر کھویا بادام پستہ رکھ کر پیش کریں۔

جویریہ ضیاء..... کراچی

Digitized by Google

نیرنگ خیال

ایمان وقار

نعت رسول مقبول ﷺ

کبھی ہم کو بھی دَر پہ بلانا یارسول اللہ ﷺ
اپنا دیدار کرانا یارسول اللہ ﷺ
بڑی حسرت ہے کبھی دیکھیں ہم بھی مدینہ
زیارت کروانا یارسول اللہ ﷺ
عزت ملی ہے جہاں میں، لیا ہے جس نے بھی نام تیرا
مقدر میرا بھی چمکانا یارسول اللہ ﷺ
عمر بیت جائے تیرے ہی قدموں میں
اپنے دَر کا غلام بنانا یارسول اللہ ﷺ
تجھے دیکھوں تو کسی کو دیکھ نہ سکوں
جنوں کا عالم ہو کچھ ایسا یارسول اللہ ﷺ

(ایس گوہر طور.....تاندلیانوالہ)

نعت رسول مقبول ﷺ

تو ہے محبوبِ ربِ ذوالجلال
اے پیکر حسن و جمال ﷺ
تجھ سا جہاں میں کوئی نہیں
اے رسولِ بے مثال ﷺ
تجھ کو کریں پھول پتے سلام
اے بی بی آمنہ کے لال ﷺ
دشمن بھی دے تیری مثال
اے شہنشاہِ خوش خصال ﷺ
باتوں سے تیری خوشبو ملے
اے سلطانِ شیریں مقال ﷺ
تیرے ذکر سے پاؤں سکوں
اے دافعِ رنج و ملال ﷺ

(عائشہ اختر بٹ.....سرگودھا)

آنچل

میرے جیون کے ہر اک پل کا سہارا آنچل.....!
میری ہستی کو بہت تو نے نکھارا آنچل.....!
جب بھی مجھ پہ کوئی مشکل پڑی میں تنہا ہوئی
بعد رب کے تجھے اس دل نے پکارا آنچل.....!
لڑکپن سے میں جوانی کے دوراہے پہ کھڑی
بس یہ کہتی رہی جاں سے پیارا آنچل.....!
تم نہ ہوتے تو بھلا کون مسیحا بنتا؟
بن تیرے کیسے میرا ہوتا گزارا آنچل.....!
ہاتھ جب بھی میرے اٹھے ہیں دعا میں اکثر
میں نے مانگا ہے فقط ساتھ تمہارا آنچل.....!
ساری دنیا میں مجھے تو نے کی پہچان عطا
اور مضبوط ہوا ساتھ ہمارا آنچل.....!
لوگ جلتے ہیں تو جلتے رہیں اپنا کیا ہے
ہم نے کب دنیا میں کسی کا کچھ بگاڑا آنچل.....!
تم یونہی پھولو پھلو شاد اور آباد رہو
دور ہوتا نہ کبھی ہم سے خدارا آنچل.....!

(نازیہ کنول نازی.....ہارون آباد)

غزل

صبر سے دوستی بھی کرنی تھی
یوں بسر زندگی بھی کرنی تھی
نیند روٹھی تھی ایک مدت سے
خواب سے دشمنی بھی کرنی تھی
کچھ تقاضے تھے کچی عمروں کے
کیا کروں دل لگی بھی کرنی تھی
ساتھ حق کا وہ کیوں نہ دیتے آج
ان کو جنت کھری بھی کرنی تھی
اک محبت کی آڑ لے کر گل
زیست میں روشنی بھی کرنی تھی

(سباس گل.....رحیم یار خان)

دعا

میں قسمت کو جگانا چاہتی ہوں

Digitized by Google

مدینے میں ٹھکانہ چاہتی ہوں
گناہوں سے بھری دُنیا سے جاکر
وہاں آنسو بہانا چاہتی ہوں
جسے دیکھوں تو روشن ہوں یہ آنکھیں
وہی منظر سہانا چاہتی ہوں
جو ہاتھ آجائے اب خاکِ مدینہ
اسے سرمہ بنانا چاہتی ہوں
جو میری روح کو گلزار کردے
وہی پودا لگانا چاہتی ہوں
جہاں ملتا ہے بن مانگے ہی سب کو
وہاں خاموش جانا چاہتی ہوں
میں دُنیا سے کنول اُکتا چکی ہوں
یہاں سے جلد جانا چاہتی ہوں
(یاسمین کنول.....پسرور)

شہرِ دل

سرِ شہرِ دل کیا ہوا چلی
میرے شجر کیسے اُکھڑ گئے
میرے پھول کیسے بکھر گئے
وہ جو نیند اپنے ہاتھ میں
کہاں رتجگوں کی نذر ہوئی
جو اُدھار مانگ کے لائے تھے
وہی زیست کیسے سزا ہوئی
جو جلا تھا پیار کے نام پر
وہ چراغ کیسے دھواں ہوا
کیوں ٹھہر گئے، سرِ شام ہی میرے قافلے
میرے راستے
میری قربتیں کیوں فنا ہوئیں
کہاں آ کے ٹوٹے ہیں رابطے
میرے جسم و جاں کے حصار میں
کہاں چاہتوں کو زوال تھا
کہاں رابطوں کو ملال تھا
میرے بادباں کیوں سمٹ گئے
کیسے نغموں کو جلا ملی
چلو پوچھتے ہیں وفاؤں سے
کہاں ہم سے کوئی خطا ہوئی
(منزہ ہاشمی.....گوجرانوالہ)

غزل

اپنے دل کا حال سنانا بھول گئی
کیا تھی دل کی بات بتانا بھول گئی
جن گلیوں میں تیرا آنا جانا تھا
ان گلیوں میں آنا جانا بھول گئی
میں تو اب ان وصل کی لمبی راتوں میں
آنکھوں میں کچھ خواب سجانا بھول گئی
بھول گئی تم کون سے رستے آتے ہو
رستوں پر پھر پھول بچھانا بھول گئی
جانے کس کی یاد میں سب کچھ بھول گئی
کس کو کھویا کس کو پایا بھول گئی
آج فری گھر میں اس کو آنا تھا
بالوں میں بھی پھول سجانا بھول گئی
(فریدہ فری.....لاہور)

غزل

تیرا میرا ہے سلسلہ کچھ اور
درد کچھ اور ہے دوا کچھ اور
وہ جو دیکھے تو سانس رُک جائے
دیکھنا وہ ہے دیکھنا کچھ اور
سوچتے کیوں ہو وہ جو لوگ کہیں
مختلف اُن سے سوچنا کچھ اور
میری تقدیر میں رقم تھا جو
میں تو سمجھی تھی کچھ وہ تھا کچھ اور
یہ اچانک جو مہرباں تُو ہوا
اس میں ہے تیرا فائدہ کچھ اور
بات وہ تیرے وصل میں کب ہے

Digitized by Google

ہجر کا تو ہے ذائقہ کچھ اور
مجھ پہ خانم خدا نے رحمت کی
سوچا کچھ اور تھا ملا کچھ اور
(فریدہ خانم.....لاہور)

غزل

برس برس سے تمہارے ہی دھیان میں گم تھا
زمیں تھا میں مگر آسمان میں گم تھا
مجھے خبر ہی نہیں تھی ہوا کی سازش کی
میں اِک پرندہ تھا اپنی اُڑان میں گم تھا
سمے کی اوٹ سے اِک یاد نے پکارا تھا
میں اُس گلی کے پرانے مکان میں گم تھا
مجھے لگا کہ یہ سب باتیں میری باتیں ہیں
میں ایک درد بھری داستان میں گم تھا
زمانہ اور ہی کچھ کہہ رہا تھا دل کچھ اور
میں اِک عجیب سے وہم و گمان میں گم تھا
میں کس کو بات سناتا جو بات سچی تھی
تمام شہر تو جھوٹے بیان میں گم تھا
(وقاص عمر.....بنگلہ نو حافظ آباد)

لہجے

اذیت نظر نہیں آتی؟
تکلیف محسوس نہیں ہوتی
تمہیں اپنی کہی باتوں سے
مرے چہرے پر کوئی بات نظر نہیں آتی؟
وقت کی گردش میں
اگر دُکھ کم ہو بھی جائیں
تو یاد رکھنا
لفظ جیسے بھی ہوں
لہجے گر کڑوے ہوں
بھولے نہیں جاتے
(نرمین سرحیو.....حیدر آباد)

غزل

اسے میں نے ہی لکھا تھا
کہ لہجے برف ہو جائیں تو پگھلا نہیں کرتے
پرندے ڈر کے اُڑ جائیں تو پھر لوٹا نہیں کرتے
اسے میں نے ہی لکھا تھا
یقین اُٹھ جائے تو شاید کبھی واپس نہیں آتا
ہواؤں کا کوئی طوفان کبھی بارش نہیں لاتا
اسے میں نے ہی لکھا تھا
(یاسمین مشتاق چوہدری.....چیچہ وطنی)

غزل

میری زندگی ہے ہواؤں کے بس میں
کہ ناؤ ہے اب ناخداؤں کے بس میں
ہے مجرم سزا دینے والوں میں شامل
سبھی بے گناہ ہیں سزاؤں کے بس میں
جہاں والے ہر شے کو خود چھینتے ہیں
ہم ہی رہ گئے ہیں دعاؤں کے بس میں
فقط میں نہیں اِک زمانہ ہے اُلجھا
زمانے تیری ان اداؤں کے بس میں
بہاریں بھی اپنا مقدر ہیں انجم
ابھی زندگی ہے خزاؤں کے بس میں
(صباحت انجم)

لوٹ آؤ

وہ جامن کے درختوں پر
لکھا تھا تم نے میرا نام
وہ اس کی ٹھنڈی چھاؤں میں
جو عہد تم نے کیے تھے
میں اس کے پاس بیٹھ کر
تمہارا انتظار کرتا ہوں
چاہے جیسا بھی ہو موسم
میں تم کو یاد کرتا ہوں
کبھی تو تم بھی آؤ گے
مجھے اپنا بناؤ گے

Digitized by Google

سنو! وعدے نبھاؤ ناں
سنو! تم لوٹ آؤ ناں
(سیّد عبادت کاظمی.....ڈیرہ اسماعیل خان)

غزل

بے تاب سے رہتے ہیں تیری یاد میں اکثر
شب بھر نہیں سوتے تیری یاد میں اکثر
بے درد زمانے کا بہانہ سا بنا کر
ہم ٹوٹ کے روتے ہیں تیری یاد میں اکثر
ہم تجھ کو بھلا دیں یہ تو ممکن ہی نہیں
ہم خود کو بھول جاتے ہیں تیری یاد میں اکثر
(ارم ریاض.....برنالی)

غزل

تیرے کاندھے کی شال بن جاؤں
کوئی ایسی مثال بن جاؤں
تجھ میں جیون گزار دوں اپنا
میں محبت کی ڈھال بن جاؤں
جس میں یادوں کا شہر بستا تھا
وہ دسمبر کا سال بن جاؤں
مجھ سے بچھڑو تو اس طرح بچھڑو
میں سراپا سوال بن جاؤں
کاش مجھ میں ہی تُو دکھائی دے
میں بھی حسن و جمال بن جاؤں
مجھ سے باہر کے راستے ڈھونڈے
ایک ایسا میں جال بن جاؤں
پھر سے مسجد میں گونج سی اُٹھے
میں بھی راشد، بلالؓ بن جاؤں
(راشد ترین.....مظفر گڑھ)

غزل

ہاتھ میں اِک کتاب رکھتی ہوں
اور اس میں گلاب رکھتی ہوں
مجھ سے کوئی سوال مت کرنا
ورنہ میں بھی جواب رکھتی ہوں
کس کو کتنا خلوص دینا ہے
اُس کا پورا حساب رکھتی ہوں
تم ستاروں کی بات کرتے ہو
پاؤں میں ماہتاب رکھتی ہوں
لوگ یہ بات بھول جاتے ہیں
میں بھی آنکھوں میں خواب رکھتی ہوں
کیسی کیسی محبتیں ہیں ملیں
کیسے کیسے عذاب رکھتی ہوں
خود میں تمثیلہ ڈوب جاؤں گی
اپنے اندر چناب رکھتی ہوں
(تمثیلہ لطیف.....سیالکوٹ)

غزل

جینا تو مشکل تھا یارب
مرنا بھی آسان نہیں ہے
کیسے وعدے کیسی قسمیں
اب کوئی پیمان نہیں ہے
جو اپنے ماضی کو بھولے
اس کی کوئی پہچان نہیں ہے
نعرہ لگاتے تھے جو صاحب
اس میں اب کوئی جان نہیں ہے
سب ہی سچے سب ہی اچھے
یہاں کوئی بے ایمان نہیں ہے
مر گئے بھوکے شہر کے لوگ اب
کیا کوئی دھنوان نہیں ہے
میرے خدا سے مانگ پجاری
تیرا کوئی بھگوان نہیں ہے
(فہمیدہ غوری.....کراچی)

biazdill@aanchal.com.pk

Digitized by Google

دوست کا پیغام آئے

ہما احمد

پیاری فرینڈ عریشہ زاہد عرشی کے نام

السلام علیکم! عریشہ مجھے تمہاری دوستی دل و جان سے قبول ہے اور مجھے اچھا لگے گا کہ پیاری سی سویٹ دوست کا اضافہ ہوگیا ہے اور واقعی خوب کہا تم نے کہ خوب نبھے گی اور باقی فرینڈز کیسے ہیں سب۔ نجم انجم آپی (لولی سسٹر) نورین انجم اعوان، وقاص عمر، ستار شد، پروین افضل شاہین، اقراء جٹ، فائزہ بھٹی، شازیہ ہاشم، سحر تبسم سحری اینڈ آنٹی کوثر خالد آپ سب کیسی ہیں، میرے پیارے بھائی عمیر اینڈ علی (مس یو) تاشو اینڈ اقرا اب آئے گا مزہ پھر کالج اور پھر ہم تینوں۔ زبردست کزنوں کیسی ہو۔ اچھا اب اجازت، اللہ حافظ۔

(لیلیٰ رمضان.....وہیواری بھکر)

آنچل کی شہزادیوں کے نام

السلام علیکم! شائستہ کاشف، پروین بھائی، بلال اسلم، نجم انجم، کوثر خالد، اقراء جٹ، اقراء جاوید، بشریٰ جاوید، طیبہ نذیر، مدیحہ کنول، خدیجہ ایمان، روبی علی، دلکش مریم، کوثر خالد مجھے تو آپ بہت یاد آتی ہو۔ میں نے آپ کو فون بھی بہت کیے ہیں۔ میرا نمبر بھی ضرور آیا ہوگا۔ میں بیماری کی وجہ سے آپ کو خوش دکھائی نہیں دیتی مگر میں روحانی علاج کررہی ہوں اور مجھے بے حد سکون ملتا ہے۔ جب تم نے میرے لیے نظم لکھی تھی مجھے بے حد پسند آئی تھی۔ شکریہ۔ ارم کمال، فہمیدہ غوری، فصیحہ آصف، سباس گل، طیبہ عنصر مغل، سنبل کمال زئی، نہی فردوس، سعدیہ ہما شیخ، نگہت غفار، نذہت جبیں، شمینہ وحید کا جل شاہ سب کو بے حد سلام دعا پیار۔

(فریدہ فری.....لاہور)

دوستوں کے نام

کیا حال ہے امید ہے ٹھیک ہوں گی اور خوش بھی۔ آپی آپ کو تو بخت اور ناز یاد بھی نہیں آتی ہوگی لیکن میں آپ کو اور لکھنے پڑھنے والی سب بہنوں کو یاد رکھتی ہوں۔ اپنی زندگی میں بھی اور دعاؤں میں بھی۔ سب سے پہلے بات ہوجائے اس بہن کی جس نے مجھے میری مما کی صحت یابی کی مبارک باد دی ہے، سوری بہنا نام یاد نہیں پر بہت بہت شکریہ۔ طیبہ خاور آنٹی، پروین کوثر آنٹی، ارم آنٹی آپ سب کو سلام، آپ یاد کرو یا نہ کرو میں ہر ماہ آپ کو آئینہ میں یاد دست کا پیغام میں دیکھ کر خوش ہوجاتی ہوں کیونکہ آپ کے بغیر آنچل ادھورا لگتا ہے۔ شگفتہ خان، انعم خان، ثناء خان آپ سب خان کہاں گم ہو یار! آنچل میں انٹری دو۔ تمنا بلوچ، انا احب، نجم انجم آنٹی، عائشہ پرویز، ذکاء ذاکر، جاذبہ عباسی، مدیحہ مہک، مون قریشی، مہل مینا، اقراء جٹ، سمیرا سواتی میں آپ سب کو اپنا دوست مانتی ہوں اور سب کے لیے دعا کرتی ہوں کہ ہمیشہ خوش رہو مسکراتی رہو۔

(بختاور ناز.....سنجر پور)

کچھ اپنوں کے نام

السلام علیکم۔ کیسے مزاج ہیں تمام پڑھنے والوں کے، امید خداوند ہے کہ سب ٹھیک ہوں گے، میں بھی بالکل ٹھیک ہوں۔ سمیرا سواتی میں بالکل بھی مصروف نہیں ہوں، بالکل نویلی ہوں ڈیئر۔ حنا کنول فرحان اگر آپ کو میری آمد اچھی لگتی ہے تو میں آمد کا سلسلہ روکوں گی ہی نہیں پیاری لڑکی۔ رقیہ ناز آپ کا پیار بھرا سلام مجھ تک پہنچ گیا ہے، یاد رکھنے کا بے حد شکریہ۔ اے ایف ایچ ایس فرام کمالیہ پنجاب ہوگئی آپ سے دوستی، اب خوش۔ آپ کو میں اپنی اپنی لگتی ہوں، یہ جان کر بہت خوشی ہوئی۔ اقراء ممتاز میں نہ غائب ہوں نہ ہی گم، جناب اپنے دل میں ڈھونڈیے ہمیں مل جائیں گے آپ کو۔ صغریٰ شہزادی اللہ کا کرم ہے میں بالکل ٹھیک، آپ اپنا احوال بتاؤ۔ نجم انجم اعوان میں آپ کی دعاؤں کے زیر سایا ایک دم ٹھیک، آپ کیسی ہیں۔ ڈاکٹر زارا تعبیر آپ کو کیا لگتا ہے چلو آپی ہی کہہ لو اب۔ علیشہ نور آ ہو جی، اسی ٹھیک جے تسی سناؤ اپنا حال۔ انیلا طالب آپ پر بھی سلامتی ہو، خوش رہو سدا، آمین۔ ۶ ستمبر جمعرات کی صبح سات بجے ہمیں ایک ایسی خوشی اللہ نے عطا کی کہ جسے سن کر سب خوش ہوئے مگر کچھ خوشیاں دیر پا نہیں ہوتیں۔ میرے چھوٹے بھائی کو اللہ نے پہلی اولاد سے نوازا اور وہ بھی بیٹا دیا مگر چند سانسیں ہی اس دنیا میں لے پایا اور سب کی خوشیوں کو اداسی اور ماتم میں بدل گیا۔ ابھی بھی کا ابھی تک برا حال ہے۔ ظاہر ہے وہ ماں ہیں۔ اللہ انہیں صبر

Digitized by Google

دے اور اپنی رحمت و برکت سے نوازے آمین۔ اللہ اولاد کا غم نہ دکھائے آمین۔

(مدیحہ نور مہک..... گجرات)

آنچل فرینڈز کے نام

السلام علیکم! کیسی ہیں آپ سب' امید ہے سب فٹ فاٹ ہوں گے۔ پروین افضل آپی اور دلکش مریم آپی آپ دونوں نے دل خوش کردیا۔ سچی میں آپ کو بتا نہیں سکتی آج آپ کی وجہ سے میں کتنی خوش ہوں۔ اللہ پاک آپ سب کو ہمیشہ خوش اور سلامت رکھے۔ ارم کمال' انعم زہرہ' کوثر خالد کیسے ہو آپ سب' ہائے سمیرا باجی کیسی ہیں' کیسا لگا سرپرائز۔ میں نے سوچا اس دفعہ آپ کو سرپرائز دیتے ہیں۔ ہائے واصفہ کیسی ہو' کرن پروین' خالدہ عبدل' صائمہ باجی کیسی ہو آپ سب۔ خالدہ اور صائمہ باجی آپ دونوں کو شادی کی بہت بہت مبارک باد۔ ربیعہ نذیر تمہیں بھی شادی کی مبارک باد۔ سعیدہ نورین کیسی ہو' آج کل کہاں گم ہو۔ شادی تو نہیں کرلی مجھے بتائے بغیر۔ اگر تم نے شادی کرلی مجھے بتائے بغیر تو پھر میں تمہاری جان نکال دوں گی۔ ہاہاہا..... اور مقدس تمہارا تو یاد ہی نہیں رہا' کیسی ہو گھر میں سب کیسے ہیں۔ گاؤں کب آرہی ہو۔

(اقراء رشید..... بٹر)

ھما احمد اینڈ آنچل والوں کے نام

السلام علیکم! سب سے پہلے میں مینا خان' شازیہ ہاشم' تبسم بشیر' سحر' تبسم کو یہ بتانا چاہتی ہوں کہ آپ کے تبصرے بہت ہی اچھے ہوتے ہیں۔ حسینہ اور شازیہ آپی' ہم آپ دونوں کو بہت شوق سے پڑھتے ہیں۔ اقراجٹ' شازیہ آپی' تبسم' مدیحہ نورین' ارم کمال' پروین آپی' ایس این شہزادی' سمیرا سومرو اور سری' ڈاکٹر زارا سے ہم دونوں دوستی کرنا چاہتی ہیں' ہم سے مراد (رابعہ اینڈ تحریم) ہمیں آپ کے جواب کا انتظار رہے گا۔ اقراء ممتاز' ماہ رخ سیال' صائمہ قریشی اگر آپ سب سرگودھا میں رہتی ہیں تو ہم سے ملیں گی کیا آپ؟ کیونکہ ہماری خالہ وہیں 24 چک میں رہتی ہیں۔ ہمارا وہاں آنا جانا رہتا ہے اور ہاں یہ بھی بتایئے گا کہ آپ سرگودھا میں کہاں رہتی ہیں۔ پلیز ضرور بتایئے گا۔ جازبہ عباسی بہت دنوں بعد نظر آئیں آپ۔ فائزہ بھٹی آپ تو میری بڑی بہن ہیں (ہے نا) آخر میں آپ سب کے لیے دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ان گنت خوشیاں عطا کرے اور سارے غم دور کرے آمین۔ اللہ حافظ۔

(رابعہ احمد بھٹی اینڈ صبیحہ تحریم..... کوٹشاکر' جھنگ)

آنچل کی نٹ کھٹ سی پریوں کے نام

ڈیئر صائمہ مشتاق! بہت افسوس ہوا تمہاری بیٹی کی موت کی خبر سن کر۔ خدا تمہیں ہمت عطا فرمائے آمین۔ عائشہ پرائی تھنک تمہاری سالگرہ دسمبر میں ہے پہلی برتھ ڈے ٹو یو اینڈ دالس میں۔ رقیہ ناز تمہاری سالگرہ ستمبر میں ہے' گزری ہوئی سالگرہ مبارک ہو۔ فائزہ بھٹی کہاں غائب ہیں۔ صغریٰ شہزادی ہم تو ادھر ہی ہیں' کہیں بھی غائب نہیں ہوئے۔ ماہ رخ کافی دنوں بعد آنچل میں انٹری دی ہے' صائمہ مشتاق تمہاری سالگرہ 10 نومبر کو ہے پہلی برتھ ڈے ٹو یو اور آپی ثمینہ تمہاری سالگرہ یکم نومبر کو ہے پہلی برتھ ڈے ٹو یو۔ اقراء جٹ کیا حال ہے۔ ایس این شہزادی' اقصیٰ نذیر' گل بینا خان سب نٹ کھٹ سی پریوں کو میرا سلام ہو۔ شائلہ اصغر تم کیوں ایسے منہ بنا کر بیٹھی ہو' تمہیں بھی وش کرنے لگی ہوں۔ تمہاری سالگرہ 28 اکتوبر کو ہے پہلی برتھ ڈے ٹو یو۔ اب خوش ہو جاؤ۔

(اقراء ممتاز..... سرگودھا)

سویٹ اور کیوٹ فرینڈز کے نام

السلام علیکم! کیسے ہیں سب؟ امید واثق ہے سب اللہ کے کرم سے ٹھیک ہوں گے۔ مدیحہ نورین آپ کیسی ہیں۔ پیپر کیسے ہوئے؟ فائزہ بھٹی آپ کہاں غائب ہو؟ پہلے ہر حصے میں آپ کی نظم' غزل' خط وغیرہ وغیرہ کچھ نہ کچھ نظر آ ہی جاتا تھا لیکن اب آپ تو ایسے غائب ہوئی ہیں جیسے گدھے کے سر سے سینگ اور اپیا کی شادی کی بہت بہت مبارک ہو (مجھے بھی انوائیٹ کرلو) صائمہ مشتاق اینڈ اقراء ممتاز (سرگودھا والیوں) آپ کو بھی سلام اور پیار۔ تمنا بلوچ' انیلا طالب' حنا ارشد' نجم انجم فریدہ فرید' پروین افضل' ارم کمال' نورین انجم' کوثر خالد آپ سب کو بہت بہت بہت پیار..... ارم آپی (اوہ سوری نانی جی) نواسے کی مبارک باد قبول کریں (کافی دیر بعد مجھے ہوش آیا مبارک باد دینے کا ہی ہی ہی) نجم آپی آپ کی پوسٹری بھی اچھی ہوتی ہے۔

Digitized by Google

پروین آنی آپ ہر بات میں پرنس بھیا کو کیوں کھینچ لاتی ہیں (اتنا پیار ماشاء اللہ)۔ فریدہ فرید تسی گریٹ ہو۔ مجھ سے لکھا نہیں جارہا' بھلا کیوں؟ کیونکہ میرا لیٹر شائع ہوگیا ہے جس کی مجھے بالکل بھی امید نہیں تھی۔ ایس این شہزادی کھرل (ہاہاہاہی ہی ہی) کیسی ہو؟ (آپ ہی ہی ہی بہت کرتی ہیں میری طرح ہاہاہا)۔ ڈاکٹر زاہرا تعبیر (مستقبل قریب کی ڈاکٹر) آپ کا تعارف پڑھ کر اچھا لگا۔ اقراء جٹ' ماہ رخ سیال' عائش کشمالے لیلیٰ ریحناز آپ سب کیسی ہیں؟ تمنا بلوچ (سیڈ پرنسز) خوش رہا کریں (سیڈ بندہ اچھا نہیں لگتا اگر وہ ہو بھی کیوٹ)۔ محترمہ فضیلت اکرم صاحبہ (تم ٹھیک ہو مجھے پتا ہے ہی ہی ہی) کبھی وقت پر ریپلائی کردیا کرو (میں بے چاری انتظار کرتی رہ جاتی ہوں)۔ تمہارا ماما کو اللہ صحت دے (آمین)۔ فی امان اللہ۔

(ایمن چوہدری' فضیلت' حمنہ' شازیہ فرام کمالیہ)

پیاری ٹیچر کے نام

السلام علیکم! سب کو ثنا کا سلام قبول ہو۔ میں نے اس سلسلے میں شرکت صرف اور صرف اپنی پیاری سی' کیوٹ سی ٹیچر ثروت کو برتھ ڈے وش کرنے کے لیے کی ہے۔ کیسا لگا مس ثروت آپ کو؟ آپ کو ہمیشہ مجھ سے شکایت رہتی تھی نا کہ میں آپ کو برتھ ڈے وش نہیں کرتی' اس بار میں نے سوچا چلو نئے انداز میں پہلی بار وش کرتی ہوں۔ 19 اکتوبر کو میری پیاری سی ٹیچر کی برتھ ڈے ہے۔ پہلی برتھ ڈے ٹو یو اللہ آپ کو ہزاروں خوشیاں دے آمین ثم آمین۔ مس حنا' آپ کیسی ہیں۔ اللہ پاک آپ کو خوب صورت سا بیٹا عطا فرمائے آمین۔ مجھے پتا ہے میری یہ دونوں ٹیچرز آنچل پڑھتی ہیں تو ان تک میرا پیغام ضرور پہنچ جائے گا۔

(ثنا رویزٹ.....جہلم)

آنچل و فیملی فرینڈز اور وقاص عمر بھائی کے نام

السلام علیکم! میری تمام آنچل کی دوستوں' پریوں کو میرا سلام ہو۔ سب سے پہلے تو یہ کہ میں اپنے امی ابو سے بہت پیار کرتی ہوں۔ میں کافی عرصہ سے آنچل پڑھتی آرہی ہوں۔ آج پہلی دفعہ اس میں لکھنے کی کوشش کی ہے۔ آنچل ایک پرفیکٹ میگزین ہے۔ سارے سلسلے شوق سے پڑھتی ہوں۔ چھوٹی بہنا مریم تم کیسی ہو۔ میری تمام کزنوں رمشاء رانی' عائشہ رانی' اقصیٰ رانی' ردا رانی' امینہ رانی' سعدیہ رانی اور تمام دوستوں ثناء رانی' حفصہ رانی' رمشا رانی' کاشفہ اور افشاں آپ سب کو میرا سلام۔ کیسی ہو آپ سب۔ رابعہ تمہیں بس اتنا بولوں گی کہ سدھر جاؤ۔ تم نے دو اچھے انسانوں کو اپنے کرتوتوں کی وجہ سے کھو دیا ہے۔ وقاص عمر بھائی آپ کیسے ہیں' میں آپ کو آنچل' حجاب میں بہت شوق سے پڑھتی ہوں۔ پلیز وقاص بھائی خوش رہا کریں' آپ کی بہن آپ کے ساتھ ہے۔ میں جانتی ہوں آپ میں بہت حساسیت ہے۔ بلاشبہ وقاص عمر بھائی آپ ایک عظیم انسان ہیں۔ میری دعائیں میرا ساتھ آپ کے ساتھ ہے۔ شازیہ ہاشم میواتی' نجمہ نذیر' بشریٰ کنول' حنا ارشد' ثناء لیاقت آپ سب کو شوق سے پڑھتی ہوں۔ اب اجازت' اللہ حافظ۔

(انعم خضر حیات.....نواں شہر جلالپور بھٹیاں)

آنچل فرینڈز کے نام

ڈیئر صائمہ مشتاق مبارک ہو نیا گھر۔ فائزہ بھٹی کیسی ہو؟ کہاں غائب ہو؟ اقراء جٹ بہت دن ہوگئے کوئی انٹری نہیں۔ ہم تمہیں مس کررہے ہیں۔ نجم انجم اعوان آپ بہت اچھی لگتی ہیں۔ تبسم شبیر اور صفیہ مہر آپ دونوں کی دوستی قبول ہے۔ پکے والے فرینڈز ہوگئے۔ تبسم شبیر آپ شعاع میں بھی لکھتی ہیں۔ آپ سے شعاع میں بھی ملاقات ہوتی رہے گی۔ کرن شہزادی' ایس این شہزادی کھرل' انیلا طالب' گل مینا خان' فائزہ بھٹی' اقراء جٹ' ارم کمال سب کو میری طرف سے چاہتوں بھرا سلام ہو۔ شاہ زندگی تم ہنستی اچھی لگتی ہو۔ ارم کمال' خدا آپ کو صحت کاملہ عطا فرمائے۔ آپ کا سایہ آپ کے بچوں پر یوں ہی قائم ودائم رکھے آمین۔ تمنا بلوچ' نائس نیم۔

(اقراء ممتاز.....سرگودھا)

سب آنچل پڑھنے والوں کے نام

السلام علیکم! آنچل کی تمام کلیوں کیسی ہو سب؟ امید ہے سب فٹ فاٹ اور مزے میں ہوں گی۔ پیاری ارم کمال آنٹی (میں آپ کو آنٹی کہہ سکتی ہوں؟) نجم انجم' پروین افضل شاہین ہمیشہ خوش رہیں اور مجھ ناچیز کو بھی دعا میں یاد رکھا کریں۔ مدیحہ نورین مہک' دلکش مریم' گل مینا خان' حسینہ ایچ ایس' صباذ کا زرگر'

Digitized by Google

انیلا طالب، طاہرہ منور، عائشہ پرویز، شازیہ اختر شازی، لبیقہ احمد، ارم صابرہ، سیدہ جیا عباسی، ریحانہ آفتاب، ستارہ شاز، نازیہ کنول نازی، صبا ایشل، نزہت جبین ضیاء، شازیہ ہاشم آپ سب کو دعا اور سلام۔ وقاص عمر بھائی آپ کو ایوارڈ حاصل کرنے پر بہت بہت مبارک باد۔ اللہ آپ کو لکی ہی کامیابیاں نصیب کرے اور ایسے ہی اپنے قلم سے روشنی بکھیرتے رہیں، آمین۔ سناؤ لیلیٰ رب نواز آپ کیسی ہیں؟ عنزہ یونس آپ کہاں گم ہوگئیں؟ کہیں شادی تو نہیں ہوگئی؟ (ہاہاہا)۔ اقراء جٹ ہنسی مسکراتی رہیں۔ آنٹی کوثر خالد آپ مجھے بہت اچھی لگتی ہیں ہمیشہ خوش رہیں۔ اریشہ زاہد آپ کا بھی رزلٹ آنے والا ہے اللہ تمہیں کامیاب کرے آمین۔ سب کان کھول کر سن لیں میری دسمبر میں سالگرہ ہے، مجھے جو جو وش کرے گا اسے کیک کھلاؤں گی۔ (ہاہاہا)۔ آخر میں آنچل کے لیے ڈھیر ساری دعائیں اللہ تعالیٰ آنچل کو یوں ہی شاد آباد رکھے اور اسی طرح ترقی کی طرف گامزن رہے آمین۔

(رمشاء ملک.....ٹمن)

پیاری دوستوں کے نام

السلام علیکم! پیاری ہو دستو اور میری سسٹرز۔ آپ سب کیسی ہو؟ عابدہ آپی، ثمرہ، ستارہ، رابعہ عبدالرحمٰن، سعدیہ عادل، سعدیہ تمہیں شادی کی سالگرہ کے ساتھ ماما بننے کی بھی بہت بہت مبارک باد۔ پیارے سے بیٹے کی ممابن کر کیسا لگ رہا ہے؟ عید پر فون نہیں کرسکی اس کے لیے سوری۔ حرا قریشی ملتان، ارم کمال فیصل آباد، فائزہ بھٹی پتوکی، انیلا طالب گوجرانوالہ آپ سب کو سلام۔ آنچل دن رات ترقی کرے آمین۔

(افشاں سراج.....عارف والا)

پیارے بھائیوں کے نام

السلام علیکم آپی! وقاص عمر بھائی، نعمان بھائی، حسنین بھائی آپ سب کیسے ہیں، میں آپ تمام بھائیوں کو بہت مس کرتی ہوں۔ وقاص عمر بھائی، حسنین بھائی مجھے آپ دونوں کے ایف اے کے رزلٹ کا بہت انتظار ہے۔ آپ کا منفرد افسانہ "ساون آیا تم نہ آئے" اپنی مثال آپ ہے۔ ستار شاد آپ کی کتاب پڑھ کے اندازہ ہوا کہ تم بہت بہادر لڑکی ہو۔ لیلیٰ رب نواز کیسی ہو آپ؟ میں نے بقول سعدیہ رب نواز پڑھا ہے کہ آپ کا بھی شعری مجموعہ آرہا ہے اور وقاص عمر کے توسط سے آرہا ہے۔ مجھے بہت انتظار ہے۔ بشریٰ کنول، نورین انجم اعوان، شازیہ ہاشم میواتی، ثناء لیاقت آپ سب کو سلام۔ اب اجازت، اللہ حافظ!

(نجمہ نذیر.....ڈی جی خان)

آنچل کی شہزادیوں اور پریوں کے نام

السلام علیکم! آنچل اسٹاف، رائٹرز، ریڈرز اور تمام شہزادیوں اور پریوں کو پیار بھرا سلام اور دعا ہے کہ آپ سب ہمیشہ خوش شاد آباد رہیں آمین۔ ثم آمین۔ ڈیئر فرینڈ سیکنڈ کلاس میں تھی تو پڑھنا شروع کیا، اور اب الحمدللہ سیکنڈ ایئر میں ہوں تو آنچل پڑھتے ہوئے کافی عرصہ ہوگیا ہے اور ظاہری بات ہے اس کے ساتھ آپ سب کے پیغامات بھی پڑھے جاتے تھے۔ بہت اچھا لگتا تھا سب پڑھ کے۔ میں تمام آنچل ریڈرز سے دوستی کی درخواست کرتی ہوں کہ کیا آپ سب مجھ سے فرینڈشپ کریں گی؟ آپ سب کے لیے دعا ہے کہ اللہ پاک آپ سب کی مشکلات آسان فرمائے، آپ کی مصیبتیں دور فرمائے اور آپ کے جو پیارے آپ کو چھوڑ کر جاچکے ہیں، ان کی مغفرت فرمانے کے ساتھ ساتھ آپ سب کو صبر کی توفیق عطا فرمائے آمین ثم آمین۔ اور جن کو شادی کی جلدی ہے ان کو ذرا لنگا کے ہی رکھے (ہاہاہا) جسٹ جوک یار۔ اللہ پاک آپ سب کی تمام جائز حاجات و خواہشات کو پورا کرے، آمین ثم آمین۔ آپ سب سے ایک درخواست ہے کہ کبھی بھی اپنے ماں باپ کا سر مت جھکنے دینا کیونکہ اگر ان کا سر جھک گیا تو پھر وہ زندگی ان کے لیے زندگی نہیں رہتی، قفس بن جاتا ہے۔ اپنی اس دوست سمیعہ سجاول کو دعاؤں میں یاد رکھیے گا اور ہاں، فرینڈشپ کرنے کا دل چاہے تو میری آئی ڈی سمیعہ سجاول 226 ہے یعنی (Samia Sajjawal 226) ہے۔ میں آپ سب کا ویٹ کروں گی۔ آخر میں اس دعا کے ساتھ رخصت چاہوں گی کہ اللہ پاک ہم سب کو اپنی حفظ و امان میں رکھے اور ہمارے ملک کو دشمنوں اور حاسدوں کی نظر بد اور سازشوں سے محفوظ رکھے آمین ثم آمین۔

dkp@aanchal.com.pk

یادگار لمحے

جویریہ سالک

امراض القلوب

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ "اور ان کے مالوں میں سائلین اور محرومین کا حق ہے۔"

جو امیر آدمی غریبوں میں دولت تقسیم کرتا ہے وہ ان پر احسان نہیں کرتا، بلکہ دراصل ان کا حق ادا کر رہا ہوتا ہے۔ اہل ایمان کی یہ صفت ہے کہ وہ دوسروں کو اپنی ذات پر ترجیح دیتے ہیں۔ خود بھوکے رہ جاتے ہیں لیکن حاجت مندوں کی ضروریات کا ہر قیمت پر خیال رکھتے ہیں۔

سورۃ الحشر میں ارشاد ہوا: "اور جو شخص اپنے جی کے لالچ سے بچا لیا گیا تو یہی لوگ ہیں جو فلاح پانے والے ہیں۔"

مال کا حریص ہونا ہر اعتبار سے خطرناک ہے۔ ایسے لوگ دولت پر سانپ بن کر بیٹھ جاتے ہیں۔ وہ خود بھی اپنی دولت سے پوری طرح مستفید نہیں ہوتے۔ قارون سے یہی کہا گیا تھا۔ "اور دنیا میں جو تیرا حصہ بنتا ہے اس کو مت بھول" گویا وہ خود بھی اپنی دولت سے فائدہ اٹھانے سے محروم رہا۔

سورۃ القلم میں جس باغ کے اجڑنے کا ذکر ہے، اس کا بھی یہی حال تھا۔ جن کا وہ باغ تھا، وہ غریبوں اور مساکین کو اس میں سے کچھ بھی دینے کے لیے تیار نہ تھے۔ اگر وہ اس میں سے محتاج لوگوں کو دیتے رہتے تو ان کا باغ سلامت رہتا۔ وہ اس باغ کا پھل توڑنے کے لیے علی الصباح گئے تاکہ کوئی مانگنے والا سوال نہ کرے۔ جب انہوں نے باغ کو اجڑا ہوا دیکھا تو کہنے لگے۔ ہم ہی ظالم ہیں اور ہم میں طغیانی یعنی سرکشی پیدا ہوگئی ہے۔ فصل میں برکت اور اس کی پیداوار بڑھانے کے لیے عشر (پیداوار کی زکوٰۃ) کی ادائیگی کرنی چاہیے۔ یہ بارانی زمینوں کے لیے دسواں حصہ اور نہری زمینوں کے لیے بیسواں حصہ ہے جو دسویں حصہ سے نصف ہے، اس کی ادائیگی سے شکر کا اظہار ہوتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت کا مفہوم ہے کہ ایک بکری ذبح کی گئی اور اس کا گوشت تقسیم کر دیا گیا۔ صرف ایک دستی باقی رہ گئی۔ آقا علیہ السلام نے اس کے بارے میں استفسار فرمایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا کہ اس میں سے سوائے ایک دستی کے کچھ باقی نہیں بچا۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "سارا گوشت ہی بچ گیا سوائے اس دستی کے!"

یعنی جو گوشت اللہ کے راستے میں تقسیم کر دیا گیا ہے، دراصل وہ باقی بچا ہے، کیونکہ وہ آخرت میں کام آنے والا ہے اور جو کتف (دستی) کی شکل میں موجود ہے اسے ہم کھالیں گے، وہ حقیقت میں ختم ہو گیا ہے۔

احادیث نبوی ﷺ میں بخل کو بہت برا جانا گیا ہے۔ بخل کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ کسی کے سامنے سید المرسل صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیا جائے تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہ بھیجے۔ حدیث مبارکہ ہے: "وہ شخص بخیل ہے کہ جس کے سامنے میرا نام لیا جائے تو وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔"

(رحمت ثانی..... کراچی)

کانفیڈنس

ایک بندر نے شیرنی کو پرپوز کر کے گفٹ میں سرخ گلاب دیا۔ شیرنی نے بندر سے کہا۔ "کبھی آئینے میں اپنی شکل دیکھی ہے؟"

بندر نے فخریہ انداز میں کہا۔ "پاگل! صورت پر مت جا..... کانفیڈنس تو دیکھ۔"

(اقراء لیاقت..... حافظ آباد)

بجھے ہمارے عہد کے

حساب کی ٹیچر نے بچے سے کہا۔ "پڑھو گے نہیں تو نمبر بھی نہیں دوں گی۔"

بچہ بولا۔ "میرے پاس انگلش کی میم کا نمبر ہے۔ مجھے آپ کا نمبر چاہیے بھی نہیں۔"

(ثنا جویریہ..... کراچی)

برداشت

اپنے اندر برداشت پیدا کرو یہ سچ ہے کہ ہر بات کا جواب ہوتا ہے، مگر ہر جواب دینے کے لیے نہیں ہوتا۔

Digitized by Google

اصلی رنگ

لوگوں کا اصل رنگ تب سامنے آتا ہے جب آپ ان کے لیے فائدہ مند نہیں رہتے۔

فیصلہ

دنیا میں اچھے برے ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں، ہم ان سے اچھائی سیکھیں یا برائی یہ ہمارا ذاتی فیصلہ ہوتا ہے۔

(مدیحہ نورین مہک..... گجرات)

سنہرے اقوال

زمین کے اوپر عاجزی سے رہنے والے زمین کے نیچے پرسکون رہتے ہیں۔

عزت، احساس، شفقت، اور پیار ایسے ادھار ہیں جو آپ کو واپس ضرور ملیں گے۔

جو استخارہ کرے ناکام، جو مشاورت کرے شرمسار، اور جو میانہ روی اختیار کرے مفلس نہیں ہوتا۔

خوشیاں بھی ساون کے بادلوں کی طرح ہوتی ہیں۔ کوئی نہیں جانتا کب اور کہاں برس جائیں گی۔

وقت اچھا ہو یا برا بدلتا ضرور ہے۔ اس لیے اچھے وقت میں کچھ ایسا برا مت کرو کہ برے وقت میں اچھے لوگ ساتھ چھوڑ جائیں۔

(سمیر سواتی..... بھیر کنڈ)

بیویات

ایک سرپھری بیوی جس نے اپنی بدسلوکی سے شوہر کا جینا حرام کر رکھا تھا۔ ایک روز صبح سویرے شوہر کو بہت احترام اور محبت سے جگایا اور پھر شاندار ناشتہ تیار کر کے اس کے سامنے رکھا۔ اس کا یہ رویہ دیکھ کر میاں چپ نہ رہ سکا اور پوچھ لیا۔

"آج تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟"

بیوی نے کہا۔ "کل ہمسایوں کے گھر گئی تھی۔ وہاں تبلیغ والی بیبیاں آئی ہوئی تھیں۔ انہوں نے بتایا کہ جس مرد کی بیوی بدزبان اور بداخلاق ہوگی۔ اللہ اس مرد کی مغفرت فرما دے گا اور ہو سکتا ہے کہ اس مرد کو بیوی کی بداخلاقی اور بدتمیزی برداشت کرنے پر جنت میں بھی داخل کر دے۔"

خاوند نے حیرت سے کہا۔ "اچھا تو پھر؟"

"تو پھر یہ کہ جنت میں جانا ہے تو اپنے عمل کی وجہ سے جاؤ مسینا بن کر میری وجہ سے کیوں جاتا ہے۔" بیوی نے غرا کر جواب دیا۔

☆.....☆.....☆

بیوی شوہر سے بولی۔ "چلیں آنکھ مچولی کھیلتے ہیں، اگر آپ نے مجھے ڈھونڈ لیا تو ہم شاپنگ پر جائیں گے۔"

شوہر بولا۔ "اگر میں ایسا نہ کر سکا تو؟"

بیوی پیار سے۔ "ہائے ایسا تو مت کہو..... میں دروازے کے پیچھے ہی تو چھپی ہوں گی۔"

(عنبر فاطمہ۔ کراچی)

وعدہ اور یاد

ایک دن دل سے کسی نے پوچھا کہ وعدوں اور یادوں میں کیا فرق ہے!

تو دل نے خوب صورت جواب دیا۔

وعدے انسان توڑتا ہے اور یادیں انسان کو توڑ دیتی ہیں۔

(نور فاطمہ..... خانیوال)

امید

امید ہمیشہ زندہ رہتی ہے۔ بہت سی ناکامیوں کے باوجود انسان یہی سوچتا ہے کہ اگلی بار ایسا نہیں ہوگا۔ بہت سے برے حالات میں بھی ہم امید کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے کیونکہ یہ لفظ ہمارے ضمیر کو اپنے ہونے کا احساس دلاتا ہے۔ انسان کو ہمت نہیں ہارنا چاہیے اور آگے بڑھ کر امید کی رسی کو مضبوطی سے تھام لینا چاہیے۔ کچھ نیا کرنے کی تمنا، کسی کو پا لینے کی امید، نفرتوں کے ختم ہونے، اور افق پر چھا جانے کی امید۔ اپنی صلاحیتوں کو منوانے، اندھیروں کے ختم ہونے، اور نئے جگنوؤں کے چمکنے کی امید۔ اسی لیے تو کہا جاتا ہے کہ امید پر دنیا قائم ہے۔ امید کو کبھی مت چھوڑیں۔ یہ اکثر اوقات انسان کو اتنا کچھ دیتی ہے کہ وہ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

(انعم..... برنالی)

Digitized by Google

تلاش

علم، دولت اور عزت تینوں دوست تھے۔ ایک مرتبہ ان کے بچھڑنے کا وقت آ گیا، علم نے کہا۔ ”مجھے درسگاہوں میں تلاش کیا جاسکتا ہے۔“ دولت نے کہا۔ ”مجھے امراء اور بادشاہوں کے محلات میں تلاش کیا جاسکتا ہے۔“ عزت خاموش رہی، علم اور دولت نے عزت سے اس کی خاموشی کی وجہ پوچھی تو عزت ٹھنڈی آہ بھر کر بولی۔ ”جب میں کسی سے بچھڑتی ہوں تو دوبارہ نہیں ملتی۔“

(رابعہ احمد بھٹی.....کوٹشاکر جھنگ)

رشتے

رشتوں کی مضبوطی ایک دوسرے کی برائیوں کو برداشت کرنے میں ہے۔ بے عیب رشتے تلاش کرو گے تو دنیا میں اکیلے رہ جاؤ گے۔

(حنا ارشد.....لاہور)

اقوال زریں

☆ اگر کوئی تم سے بھلائی کی امید رکھے تو اسے مایوس مت کرو۔ کیونکہ لوگوں کی ضرورت کا تم سے وابستہ ہونا تم پر اللہ کا خاص کرم ہے۔

☆ لوگوں پر ایک ایسا وقت آئے گا کہ دین پر عمل کرنا ایسا ہوگا جیسا مٹھی میں انگارہ اٹھانا۔

☆ تقدیر بدل جائے گی بس آپ مسکرانا سیکھ لیں۔

(ایس، این، شہزادی، کھرل.....جڑانوالہ)

اظہار

بس اتنا ہی کہا تھا کہ برسوں کا پیاسا ہوں
اس نے پائپ منہ میں ڈال کر موٹر ہی چلادی

(شبانہ کوثر.....بارہ میل)

خوشی کا احساس

چاندی کے ورق میں لپٹی خوشیاں دل کے نہاں خانوں سے پھلجھڑی کی مانند پھوٹتی ہیں اور جب یہ فضاؤں میں جلترنگ کی طرح بکھر جائیں تو پھر رت چاہے کوئی بھی ہو صرف دل کا منظر گلابوں سا کھلا کھلا رات کی رانی سا مہکا مہکا ہو جاتا ہے۔ سچ مچ خوشی کی کوئی خاص وجہ ہوتی ہے اور نہ ہی اسے کسی ناپ تول کی اکائی سے ناپا جاسکتا ہے۔ کبھی پانی کی روانی دیکھ کر دل کی ویرانی میں خوشی کے پھول کھل اٹھتے ہیں تو کبھی آسمان پر اڑتے پرندے مسرور و شاداں کرتے ہیں۔ خوشی کسی خاص شے، احساس سے قطعاً مشروط نہیں۔ کبھی تو پتوں کی سرسراہٹ چڑیوں کی چہکار، آبشاروں کا شور، چاند، چاندنی، ستارے، شبنم، جگنو، تتلیاں، رنگ برنگے پھول، بارش کی ننھی ننھی بوندیں چوڑیوں کی کھنک، آنکھ کی دھنک، مہندی کے رنگ، مٹی کی خوشبو، اور گجرے کی مہک تک دل کی پور پور میں خوشی کی مہک بھر جاتی ہے اور پھر خود ہی گنگنانے، ہنسنے اور سنورنے کو دل مچلنے لگتا ہے۔

ارم کمال.....فیصل آباد

بڑے لوگ بڑی باتیں

☆ تمہاری اصل ہستی تمہاری سوچ ہے، باقی تو صرف خالی ہڈیاں اور گوشت ہے (مولانا جلال الدین رومی)

☆ صرف میں ہی اپنی زندگی بدل سکتا ہوں کوئی اور میرے لیے کچھ نہیں کرے گا (مینڈنیو)

☆ بعض اوقات کوئی شکست ایسی بھی ہوتی ہے جس کے دامن میں فتح سے زیادہ کامیابیاں ہوتی ہیں (آئن اسٹائن)

☆ دانش ور آدمی کبھی اپنی تکلیف کا رونا نہیں روتا بلکہ اپنی تکلیف کے رفع کرنے میں خوشی سے مصروف ہو جاتا ہے (شیکسپیئر)

☆ جو عورت کی قدر نہیں کرتا، میرے خیال میں وہ سب سے بڑا بے وقوف ہوتا ہے (نپولین بوناپارٹ)

☆ عزیز چیزوں سے ہی غم پیدا ہوتا ہے اور عزیز چیزوں سے ہی خوف۔ جو عزیز چیزوں کے خوف سے آزاد ہے اسے خوف ہے نہ ڈر (گوتم بدھ)

کرن ناز.....کراچی

yaadgar@aanchal.com.pk

Digitized by Google

آئینہ

شہلا عامر

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔ اللہ رب العزت کے نام سے ابتدا ہے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے اس بار ہمارے قارئین نے کھل کر اپنی آرا کا اظہار کیا آپ سب کے یہ بھرپور تبصرے نہ صرف ہماری رہنمائی کرتے ہیں بلکہ لکھاری خواتین کا حوصلہ بھی بڑھاتے ہیں۔ اس دفعہ خطوط کی بڑی تعداد بہت تاخیر سے موصول ہوئی۔ کوشش کیا کریں کہ اپنے خطوط اس طرح ارسال کریں کہ وہ ہمیں ہر ماہ کی چھ تاریخ تک ہمیں مل جائیں۔ اب بڑھتے ہیں اپنی محفل کی جانب۔

ماہا بشیر حسین..... ڈنگہ۔ اس دفعہ کا شمارہ بورنگ دہا (سچی سی بات ہے) ٹائٹل محرم الحرام کے حوالے سے ہونا چاہیے تھا۔ "سرگوشیاں" پڑھ کر لگتا ہے کہ قیمت میں مزید اضافہ ہونے والا ہے۔ پھر ہم تو افورڈ نہیں کر سکتے۔ حمد و نعت ہمیشہ کی طرح اچھی تھی۔ "درجواب آں" میں ادارہ کی طرف سے معافی کا افسوس ہوا اور سمیرا الیاس کی پھوپو کا بھی بہت دکھ ہوا۔ "الکرش" میٹھے چشمے جیسا سلسلہ ہے۔ "ہمارا آنچل" میں مہربان شاہ، کنزعلی کا تعارف اچھا لگا۔ "اکائی" کی قسط بس سو سو رہی۔ اقرا صغیر کی کہانی کو میں نے پڑھنا چھوڑ دیا۔ "جنون سے عشق" سمیرا نے آخری قسط لاجواب لکھی۔ "عشق سفر کی دھول" کا دوسرا حصہ بہت سو سو تھا تیسرے اور آخری حصے میں دیکھتے ہیں کہ مصنفہ کیا کرتی ہیں۔ "چندارے چندا" ندا کی تحریر بورنگ رہی۔ "محرم ذات" لائٹ سی تھی اچھا لگا پڑھ کر۔ افسانے میں غلطی اور طوفان ونڈر فل رہے جبکہ ریحانہ اور راشدہ اس بار متاثر نہ کر سکیں۔ "آئینہ" میں اُم فروا کی آنچل سے محبت قابل رشک ہے۔ ہاں اس دفعہ کام کی باتیں ونڈر فل رہا۔

☆ پیاری ماہا! کوشش کریں گے کہ آئندہ پورا کا پورا پرچا آپ کو پسند آئے۔ ویسے ٹائٹل پر لڑکی کو کیا کالے لباس میں ملبوس ہونا چاہیے تھا۔

عطیہ ندیم خان..... بھکڑیوالی۔ سب لوگوں کو میری طرف سے محبت بھرا اسلام آنچل کے سب سلسلے ہی مجھے بہت پسند ہیں۔ سرورق سے لے کر اینڈ تک آنچل پسند ہے۔ اگر بات حمد اور نعت کی کروں تو الفاظ نہیں ملتے تعریف کے لیے ہر سلسلہ ہی بے مثال ہے۔ میرے خیال میں حقیقت پر مبنی کہانیاں اس دنیا کو راہ راست پر لانے کے لیے بہت ضروری ہیں اور اس کمی کو پورا کرنے کے لیے آنچل اور اس کے مصنفین دونوں اہم کردار ادا کرتے نظر آتے ہیں۔ اگر میں ایک انسان کی تعریف کروں تو ناانصافی ہوگی۔ آنچل میں ہر شخص کا اپنا کردار ہے۔ نازیہ کنول نازی، سمیرا شریف طور، فاخرہ گل، اُم ایمان قاضی، ندا حسنین، نادیہ فاطمہ رضوی، صدف آصف، فرحت اشتیاق، اُم مریم، عمیرہ احمد، نمرہ احمد میرے فیورٹ رائٹرز ہیں۔ شائنا کا شف اپ بہت اچھی ہیں۔ میں کبھی کبھی آپ کی بزم میں شرکت کروں گی اور آپی شہلا عامر آپ کا جواب دینے اور حوصلہ دینے کا انداز دل موہ لینے والا ہوتا ہے۔ ہمیشہ ہنستی مسکراتی رہیں۔ مدیرہ جی آپ پریشان مت ہوا کریں ہم آنچل کو ہر قیمت پر پڑھنے کو تیار ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو لمبی عمر عطا فرمائے (آمین)۔

☆ پیاری عطیہ! آپ لوگوں کا یہ خلوص اور اپنائیت ہی ہمیں حوصلہ دیتا ہے۔ ہماری پوری کوشش ہے کہ پرچے کی قیمت کسی طور نہ بڑھے آگے اللہ مالک ہے۔

اقرا ممتاز..... سرگودھا۔ اس دفعہ آنچل حسب معمول 24 تاریخ کو مل گیا۔ اس دفعہ ٹائٹل گرل بہت اچھی لگ رہی تھی۔ سب سے پہلے اپنے فیورٹ ناول "جنون سے عشق تک" پر پہنچے یہ ناول کی لاسٹ قسط سمیرا آپی اتنی جلدی ناول ختم کر دیا پہلی اینڈ رہا۔ سمیرا آپی مبارک ہو ایک اور ناول اپنے اختتام کو پہنچ گیا۔ سمیرا آپی اب غائب نہیں ہونا جلدی جلدی نیا ناول لے کر آنچل میں انٹری دینی ہے۔ "تیری زلف کے سر ہونے تک" اس دفعہ کی قسط دھماکے دار تھی۔ زید کہیں تو آپی اقرا صغیر نے مہلت دی ہے ایک ماہ ہے تمہارے پاس جلدی سے کوئی اچھی سی شیروانی لے لو جیم نے اپنی شادی پر پہنی ہے یونگ پیارے میاں کی جگہ اب تم کو ہی قربانی کا بکرا بنانا ہے ہاہاہا۔ "عشق سفر کی دھول" فنٹاسٹک اسٹوری تھی۔ ایزدی ساتھ بہت برا ہوا اسے تو ناکردہ گناہوں کی سزا ملی۔ اگلی قسط کا شدت سے انتظار ہے۔ "چندارے چندا" بہت عمدہ ناول پر لکھا ہے۔ ایک چھوٹی سی غلطی بھی آپ کی ساری زندگی تباہ کر دیتی ہے۔ "اکائی" ایک دلچسپ اسٹوری ایڈونچر سے بھرپور۔ فاطمہ کو تعلیم حاصل کرنے کی اتنی بڑی سزا ملی۔ دنیا چاند پر پہنچ گئی ہے لیکن کچھ لوگوں کے خیالات ابھی بھی وہی پرانے ہیں۔ عشنا سردار "ضرب المثال" بہت ڈھونڈ ڈھونڈ کر لگاتی ہیں۔ بہرحال کہانی بہت خوب صورتی سے آگے بڑھ رہی ہے۔ "محرم ذات" اس ماہ کی بہترین اسٹوری تھی۔ پانچوں کے گروپ کی نوک جھونک سے خاصے لطف اندوز ہوئے۔ "دوست کا پیغام آئے" میں جن لوگوں نے یاد کیا ان کا بہت شکریہ۔ "یادگار لمحے" میں گلشن چوہدری، مدیحہ نورین مہک، ثمیقہ احمد

سب نے بیسٹ لکھا۔ ''آئینہ'' میں ارم کمال، ماہا بشیر حسین، سحر تبسم، اسما صدیقہ، صغریٰ شہزادی، تبسم انیلا طالب سب نے امیزنگ لکھا۔ ''ہم سے پوچھیے'' میں وقاص عمر، عائشہ پرویز، مدیحہ نورین اور خاص کر کے اے ایف ایچ ایس کے سوالات کمال کے تھے۔ ''تبدیلی آ گئی ہے'' شہلا آپی نے بھی جوابات دینے شروع کر دیئے ہیں ماہا! بہت بہت مبارک ہو آپ کی سالگرہ تبصرہ میں بھی پہلی برتھ ڈے ٹو یو ہمیشہ خوش رہو۔ آپ سب کو ایک افسوسناک خبر دینی تھی کہ صائمہ مشتاق کی والدہ فوت ہوئی ہے خدا اسے صبر عطا فرمائے (آمین)۔

ماریہ سلیم اختر..... کورنگی، کراچی اکتوبر کا شمارہ اس بار ایک دن پہلے مل گیا۔ سادگی سے مزین سرورق نہایت دلکش لگ رہا تھا۔ ''سرگوشیاں'' سے حمد و نعت کا سفر طے کر کے ''دربار آپ'' میں پہنچے۔ جہاں نہایت خوب صورتی سے ہمارے خط کا جواب حاضر تھا۔ دیکھ کر خوشی ہوئی۔ ''داش کدہ'' میں نہایت عمدگی کے ساتھ قربانی کے بارے میں معلومات فراہم کی گئی تھی۔ ''ہمارا آنچل'' تمام متعارف بہترین تھے۔ سلسلہ وار ناولز میں ''تیری زلف کے سر ہونے تک'' بہت زبردست لگی۔ پیارے میاں کی تیمی کو تو جانا ہی تھا آخر کار زید کا سودہ سے نکاح بھی تو کروانا ہے۔ ''اکائی'' نے ہر بار کی طرح اس بار بھی دلچسپی برقرار رکھی۔ مکمل ناولز میں ''جنون سے عشق تک'' واہ واہ کیا زبردست اینڈ تھا۔ سچ میں دل خوش ہو گیا۔ بہت عمدہ میسر آپی خوش رہیں اور اسی طرح خوب صورت کہانیاں لکھتی رہیں۔ ''عشق سفر کی دھول'' امرحہ نے ایزد کے ساتھ بالکل بھی اچھا نہیں کیا مسز آتو اسے ملکے کی اس لیے ہی اسے اغوا کیا گیا ہے۔ ''چندا رے چندا'' نہایت سبق آموز اسٹوری، زبردست۔ ناولٹ میں ''محرم ذات'' شانہ شوکت ہر بار کی طرح چھائیں۔ افسانے میں ''غلطی'' بہت مزہ آیا پڑھ کر۔ ''آخری الیکشن'' بہت عمدہ۔ باقی دو افسانے زیر مطالعہ ہیں۔ ''میرا دل'' کے خوب صورت اشعار میں ایک میرا نام بھی تھا بہت اچھا لگا دیکھ کر۔ ''یادگار لمحے'' میں اس دفعہ سب کا انتخاب کافی معیاری تھا۔ ''نیو ٹنگ خیال'' میں تمام شاعری سیر کی۔ ''ڈش مقابلہ'' مسالے دار لچکی اور سندھی بریانی کی ریسپی اچھی تھی۔ ''ہم سے پوچھیے'' میں آپ سے گفتگو کے دن شرکت کرنے۔ ''کام کی باتیں'' میں تمام باتیں کام کی معلوم ہوئیں۔ اکتوبر کا شمارہ بہت بہتر تھا۔

☆ پیاری ماریہ! آپ کی لکھائی بہت خوب صورت ہے بالکل موتیوں جیسی۔ تبصرہ ہمیشہ کی طرح جامع ہے۔ دعاؤں کے لیے ممنون ہیں۔

بختاور ناز..... سنجر پور شہلا آپی کیسی ہیں Sorry جی زندگی نے اتنا مصروف کر رکھا ہی ہر ماہ دل چاہنے کے باوجود خط نہیں لکھ پاتی۔ پہلے بچوں کے ساتھ اسپتال میں رہنے کی وجہ سے بڑی تھی اب جب ماشاءاللہ تھوڑی سی بہتر ہوئی ہیں تو بڑے بھائی کی شادی میں مصروف تھی۔ اللہ کا شکر ہے 25 اگست کو خیر و عافیت سے ہوگئی۔ پھر بھابھی جی نے بڑی رکھا، گھر سیٹ کرنے میں۔ شکر ہے اللہ کا اب فری ہوں، پر آپی میرا چھوٹا بھائی جو خط پوسٹ کرتا ہے وہ کام پر ہوتا ہے رات کو آتا ہے اس لیے خط پوسٹ نہیں کر پاتا اور رسالہ بھی لیٹ ملتا ہے تو اس وجہ سے آنچل میں میری انٹری رہ جاتی ہے۔ سرگوشیاں الگورتھم حمد و نعت..... واہ آپی اتنا سکون ملتا ہے یہ سلسلے پڑھ کر کہ کیا کہوں۔ لاجواب۔ پھر سلسلے وار ناول پڑھتی ہوں۔ اقراء آپی آپ تو ہیں ہی تعریف کے لائق۔ میسر آپی آپ کا ناول بھی ٹھیک ہے پر وہ بات نہیں جو ''یہ چاہتیں یہ شدتیں'' میں تھی۔ آپ میری فیورٹ رائٹر ہیں اس لیے یہ ناول پڑھ رہی ہوں پر جو مزہ اور سسپنس اور مصطفیٰ کی جوڑی میں تھا وہ مہر پینہ اور میر الفن کی جوڑی میں نہیں ہے۔ نازی آپی نے بھی لاجواب انٹری دی ہے۔ آپی آپ تو آنچل کی جان اور شان ہیں۔ عشناء آپی آپ کا ''اکائی'' بھی ٹھیک ہے بس اتنی التجا ہے آپی پلیز لمبا مت کرنا اس ناول کو، بوریت ہونے لگتی ہے۔ ناول اور افسانے بھی اچھے ہوتے ہیں بس ٹائم پر نہ پڑھ سکنے کی وجہ سے تبصرہ کرنے سے قاصر ہوں کچھ بھی ہو جائے ہر ماہ رسالہ پڑھتی ہوں۔ ''آئینہ'' ''دوست کا پیغام آئے بھی اے دن جا رہا ہے آپی'' ''ہم سے پوچھیے'' بہت اچھا سلسلہ ہے مسکرانے والا میسر ابھی دل کتنا ہے پر آپی جی سمجھ نہیں آتی آپ سے سوال کیا کروں۔ ''یادگار لمحے'' ہمیشہ میری ڈائری کی زینت بنتے ہیں۔ ''ڈش مقابلہ'' پڑھتی ہوں پر بھی ٹرائی نہیں کیا وجہ بتانے سے قاصر ہوں۔ ''بیوٹی گائیڈ'' بھی اچھا ہے پر کام کم آتا ہے کیونکہ اللہ کا شکر ہے ہم پہلے سے خوب صورت ہیں (ہاہاہا) ہاں البتہ ''کام کی باتیں'' بہت کام آتی ہیں اور اینڈ میں آپی میں نے آپ سے کہا تھا ایک خط میں کہ شاہ زندگی کے بارے میں اگر آپ کو کچھ پتہ چلے تو ان کی زندگی کے بارے میں اور ان کی وفات کیسے ہوئی تو آنچل میں ضرور ایک مضمون دینا شاہ زندگی کا کیونکہ وہ ہمارے آنچل کی بہت پیاری اور اچھی قاری تھی۔

نجم انجم اعوان..... کورنگی، کراچی السلام علیکم آئینہ کی محفل میں عزیز از جان دوستوں کو نجم انجم کا پیار بھرا اسلام عرض ہے۔ ملک میں تبدیلی آ گئی ہے آنچل میں تبدیلی کب آئے گی؟ ''ہم سے پوچھیے'' میں اگر تبدیلی لانی ہو تو شائلہ کاشف کی جگہ نجم انجم اعوان کو ضرور لانے کی کوشش کیجیے گا۔ میں نے نیم کے پتے اور کریلے کا جوس پی کر آدھوں پی (ہائے ہائے وہ دیکھو شائلہ چندا کا منہ غبارے کی طرح پھول گیا) ہی ہی ہی..... یار میں تو مذاق کر رہی ہوں۔ دوپہر دو بجے آنچل مل گیا جلدی سے کھولا دل مسکرانے لگا۔ سرورق دیکھا آنچل سے بے نیاز ماڈل اچھی لگی مگر..... ماڈل کی تصویر بنیچے آپ نے غور سے دیکھی ہم نے ہر ادا اچھی لگی خاموش ادا اچھی نہ لگی۔ ''سرگوشیاں'' میں باجی کو پڑھا حمد و نعت سے اپنے دل کو منور کیا۔ ''الگورتھم'' میں کافی دیر ڈوب سی گئی۔ ''ہمارا آنچل'' میں بہنوں سے ملاقات کا شرف ملا۔ بہت اچھا لگا۔ سب سے پہلے راحت وفا کی ''غلطی'' اچھی لگی۔ نازیہ کے تینوں حصے ایک ساتھ پڑھنے میں

Digitized by Google

مزہ آئے گا۔ "اکائی" سب سے زیادہ پسند ہے۔ تاج بیگم جیسی خواتین بھی ہوتی ہیں، یقین نہیں آتا۔ بہرحال چھوٹے نواب میرے پسندیدہ ہیرو ہیں۔ ہر ماہ بے چینی سے منتظر رہتی ہوں۔ "اکائی" کی تاج بیگم کو پڑھ کے بے اختیار دل سے نکلتا ہے کہ کاش میرے ملک صاحب کی ساسوں بھی ایسی ہی ہوتی تو کتنا ہی اچھا ہوتا (ہم انہیں سدھے تو رہتے ہی ہیں)۔ ریحانہ آفتاب، راشدہ رفعت شازیہ الطاف ہاشمی، شبانہ شوکت، ندا حسنین سب کی تحریریں بہت ہی اچھی لگیں۔ کسی نے کم تو کسی نے زیادہ مگر محنت تو سب نے ہی کی ہے۔ سمیرا شریف کا "جنون سے عشق تک" کا اختتام ہوا۔ "تیرنگ خیال" میں عائشہ نور کی شاعری اور حاذبہ عباسی کی شاعری بہت اچھی لگی۔ "دوست کا پیغام آئے" میں کافی دوستوں کو اپنا منتظر پایا۔ سمیرا سومرو، حنا کنول فرحان، رقیہ ناز، مدرح سیال، افراء ممتاز، لائبہ لطیف سب کے پیغام اچھے لگے۔ شگفتہ خان کا پیغام بہت ہی اچھا تھا۔ "یادگار لمحے" تو سب ہی پسند تھا۔ "آئینہ" کی محفل میں اس مرتبہ بہت مزہ آیا۔ شہلا عامر نے ہر بہن کو کوئی نہ کوئی جواب ضرور دیا ہے۔ شہلا جی آپ بھی شائلہ کی طرح کر لیے مرچی وغیرہ لکھا کر چٹ پٹے جوابات دیا کریں۔ سچ بہت ہی مزہ آئے گا۔ اسما صدیقہ، ثمینہ مصری، ملک صاحب کو نیچہ مارنے پر ہم خود بھی بہت ہی ہنسے اور رام کا کمال، سچ میں بہت ہی مزہ آیا تھا۔ کیلی رضوان نے بھی خوب لکھا۔ انیلا طالب بورے آپ کی میں چھائی رہیں، ان کی تعریف نہ کروں تو ان کے ساتھ ظلم ہوگا۔ "ہم سے پوچھیے" میں مدیحہ نورین کی "ٹنڈ" واہ کتنی خوب صورت ہوگی چمکدار۔ سحرش میاں تو اب آج کے دور میں محبت سچی ہے کہاں، ہمیں تو نظر نہیں آتی۔ محبت میں پاگل ہونے والے بچھڑنے کے بعد کسی اور کے ساتھ ہوتے ہیں۔ یہ سب فلمی باتیں ہیں۔ "کام کی باتیں" محرم الحرام کی باتیں بیسٹ رہیں۔ ان دنوں روزہ بھی ہوتا ہے، بہرحال اس مرتبہ مہنگائی کا مارا ہوا بے چارہ کمزور سا آنچل ختم ہوا۔ آخر میں پیاری پیاری سی شائلہ کا شائق و میری طرف سے بہت سارا پیار۔

☆ پیاری انجم! خواتین کی یہی ادا اچھی ہے کہ وہ اکثر کم تصویر میں تو خاموش ہوتی ہیں اور پھر خاموشی کی بھی اپنی زبان ہوتی ہے۔ کبھی بھی الفاظ سے زیادہ خاموشی اثر انگیز ہوتی ہے۔ یہ نیم کے پتے اور کریلے کا جوس تو آپ پی لیں کی مگر شائلہ جیسی ڈیشنگ، ہینڈسم بیوٹی فل، چارمنگ پرسنالٹی کہاں سے لائیں گی۔ رہی بات مرچوں کی تو سالن میں ذرا سی بھی مرچیں تیز ہوں تو ہماری آنکھوں اور ناک سے پانی بہنے لگتا ہے کجا یہ کہ مرچ کھا کر جواب لکھیں۔ اس کام کے لیے شائلہ ہے ناں ہمارے پاس۔

تبسم بشیر حسین..... ڈنگہ۔ ٹائٹل بالکل بورنگ تھا۔ "سرگوشیاں" بہترین الفاظ۔ "حمد و نعت" ہمیشہ کی طرح بیسٹ رہی۔ "درجواب آں" ماورا کی ممانی کو اللہ جنت الفردوس میں جگہ دے آمین۔ ڈاکٹر تنویر کتاب پر مبارک باد۔ نزہت آنٹی کو پوتے مبارک ہوں۔ "الکوہ" مائی فیورٹ..... بیسٹ۔ "ہمارا آنچل" میں چاروں بہنوں کے تعارف گڈ تھے۔ سلسلہ وار ناولز "تیری زلف کے سر ہونے تک" اقراء صغیر کی یہ قسط بھی امیزنگ رہی۔ "اکائی" عشنا کوثر اس دفعہ کچھ مزہ نہیں آیا۔ "جنون سے عشق تک" بہت بہت مبارک باد ناول کے اینڈ پر ایسے ہی اینڈ کی امید تھی۔ ایک اور اچھے سے ناول کے ساتھ دوبارہ آئے گا۔ "عشق سفر کی دھول" کا دوسرا حصہ بھی امیزنگ رہا۔ تیسرے اور آخری حصے کا انتظار ہے۔ "چندارے چندا" نما حسنین کا ناول امیزنگ تھا، دیری گڈ ناولٹ "محرم ذات" شبانہ شوکت کا آنچل میں دیکھ کر بہت اچھا لگا۔ تحریر بھی عمدہ تھی۔ افسانے آخر ہر ماہ اتنے کم کیوں ہوتے ہیں؟ "غلطی" از راحت وفا ہو نڈر فل۔ میں ان کی بہت بڑی فین ہوں۔ ان سے گزارش ہے کہ "موم کی محبت" سا ایک سلسلہ وار ناول لکھ ڈالیں، سوچیے گا ضرور۔ موسٹ فیورٹ رائٹر ریحانہ آفتاب کا "آخری اسٹیشن" ایک زبردست تحریر تھی۔ "محاسبہ" عجیب سا نام کاپر راشدہ نے اچھی کاوش لکھی۔ شازیہ الطاف ہاشمی، بلکہ تو آنچل مگری۔ "طوفان" واز ونڈر فل۔ مستقل سلسلے آنچل کی جان۔ "ہومیو کارنر" معلومات سے بھرپور۔ "آپ کی صحت" ڈاکٹر ہاشم کا بہترین سلسلہ۔ "ہم سے پوچھیے" (ہاہاہا)۔ "بیماض دل" سب کے اشعار ہارٹ ٹچ تھے۔ "تیرنگ خیال" اکم زہرہ، فریدہ خانم، فریدہ فری فائر، مہتی افراء تبسم، فصیحہ آصف نے زبردست لکھا۔ ونڈر فل۔ "دوست کا پیغام آئے" جنہوں نے یاد کیا ان کا بہت بہت شکریہ اور جنہوں نے یاد نہیں کیا ان کا بھی شکریہ ڈیئر افراء ممتاز میں دوست بنا کر کبھی بھی نہیں بھولتی ہوں آپ سب مجھے یاد ہیں، بھلا اپنوں کو بھی کوئی بھولتا ہے؟ میں نے نئی پیغامات لکھ کر ارسال کیے آپ سب کے نام پر اللہ جانے کیوں شائع نہیں ہوتے؟ خطوط میں بھی آپ سب کا ذکر لازمی کرتی ہوں پر ادارہ ایڈٹ کر دیتا ہے (اب ہماری کیا غلطی؟) اس دفعہ جو سلسلہ بیسٹ ترتیب دیا آپ لوگوں نے وہ ہے "یادگار لمحے" سب نے زبردست لکھا۔ "آئینہ" یہ کیا کیا شہلا جی؟ لوگ دل کے ٹکڑے کرتے ہیں آپ نے ہمارے خط کے کر دیے۔ آدھا صفحہ نمبر 214 پر اور آدھا صفحہ نمبر 216 پر۔ کس غلطی کی سزا دی ہے؟ سب کے تبصرے محفل کی جان رہے۔ افراء جٹ، گل بینا خان، پروین اقبال اور کوثر خالد کی محسوس ہوئی۔ "کام کی باتیں" محرم الحرام پر لکھی گئی بہت بہت پسند آئیں۔ آخر میں مجھے دو سوال پوچھنے ہیں، جواب ضرور دیجیے گا۔ (i) آنچل کے نئے سلسلے کب سے شروع ہوں گے اور کیا پرانے سلسلے ختم کر دیے جائیں گے؟ (ii) نثر و شیریں میں ہر خاص و عام شرکت کر سکتا ہے؟ کہانیوں کی طرح کیا نظموں، غزلوں میں بھی قابل و ناقابل اشاعت سے آگاہ نہیں کیا جا سکتا؟ میں نے اپنی غزلیں بھیجی تھیں اس کا تبادرس مہربانی ہوگی۔

☆ پیاری تبسم! یہ جو آپ کے خط کے غلطی سے دو ٹکڑے ہو گئے تھے یہ ہمارے کمپوزنگ ڈپارٹمنٹ کی مہربانی تھی۔ بہرحال وہ بھی بندہ بشر ہیں غلطی ہو جائے تو معاف کر دیا کریں اور یہ جو ذرا سی باتوں پر آپ کا دل ٹوٹ جاتا ہے نا تو شائلہ کہہ رہی ہے اسٹیکی خرید

Digitized by Google

لین یہ رہی بات نئے سلسلوں کی تو وہ بتدریج شروع ہوں گے اور ہمارے تو سارے قارئین ہی خاص ہیں۔ آپ بالکل تلخ و شیریں میں اپنے تجربات لکھ کر بھیج سکتی ہیں۔ خواہ وہ سوالات سے مطابقت رکھتے ہوں یا نہیں۔ ہمارا مقصد سختی اور باعزم خواتین کی جدوجہد کو سامنے لانا ہے۔ باقی تمام سلسلے آپ بہنوں کے لیے ہی ہیں۔ آپ سب صبر جان میں حصہ لیا کریں ہمیں اچھا لگتا ہے۔

ایم فروا..... سیاح شریف۔ اس دفعہ آنچل 25 کو ہمارے ہاتھ میں تھا۔ ٹائٹل پر حسینہ کی "آنکھیں" بہت پسند آئیں۔ ایسی آنکھیں ہماری کمزوری ہیں بڑی بڑی اور آنکھوں کے میک اپ نے حسینہ کو اور حسین بنا دیا۔ تیر سب سے پہلے لسٹ پر پہنچے اس کے بعد چوتھی قسط اور پھر سیدھے جا کر "جنون سے عشق تک" پر رکے۔ ارے واہ عمیرا آپی نے تو کمال کر دیا اس کا میاب ناول پر مبارک باد "عشق سفر کی دھول" پلیز نازی آپی! میرے حسن کے ساتھ برا مت کیجئے گا۔ ابھی تو ہمیں خدا پوچھے گا۔ "تیری زلف کے سر ہونے تک" اقرا صغیر بہت خوب صورت انداز ہے مگر پلیز انشراح کو سمجھا دیں بیچارا نوفل تو پہلے ہی عورت کے کردار کا ڈسا ہوا ہے مزید برداشت نہیں کر سکے گا۔ زید اور سودہ کو ایک کر دیں۔ "اکائی" عشنا کوثر سردار اوکیل ڈن۔ اماں جان تعلیم یافتہ معلوم ہوئی ہیں ایسے ایسے محاورے استعمال کرتی ہیں کہ ہم سوچ میں پڑ جاتے ہیں۔ "چندارے چندا" ندا حسین بہت خوب صورت انداز میں معاشرے کی برائی کو زیر بحث لائیں۔ ویل ڈن ندا حسین۔ باقی سارے افسانے پسند آئے۔ ایک سے بڑھ کر ایک تھے۔ عمیرا احمد، نازیہ کنول نازی، سیدہ غزل زیدی، اقراء صغیر احمد، سمیرا شریف طور، اُم مریم، عشنا کوثر اتنے خوب صورت الفاظ کون سے دیس سے ڈھونڈ کے لاتی ہیں ہمیں بھی بتائیے۔ ہم آپ کے فین ہیں۔ عائشہ عباسی ہمیں آپ بہت بہت اچھی لگتی ہیں پتا نہیں کیوں اتنی شدت سے ہم ہر ماہ آپ کو آنچل میں تلاش کرتے ہیں۔ آپ کا نام ہمیں بہت پسند ہے۔ آپ حیران نہ ہوں ہم ابھی ابھی بزم میں آئے ہیں لیکن جلد ہی سب کے دوست بن کر "دعا" لینے کی کوشش کریں گے۔

طیبہ خاور سلطان..... عزیز چک، وزیر آباد۔ امید ہے آپ نے مجھے مس ضرور کیا ہوگا۔ اتنے مہینوں بعد جو آئی ہوں۔ آنچل مجھے 25 کو مل گیا تھا۔ ٹائٹل زبردست تھا۔ سب سے پہلے آنٹی فیصر آراء کی "سرگوشیاں" سنیں پھر حمد و نعت سے مستفید ہوئے۔ "در جواب آں" میں سب کے لیٹرز پڑھے۔ "دانش کدہ" میں جھانکا تو مشتاق انکل بہت مفید باتیں بتا رہے تھے۔ ہماری معلومات میں تو بہت اضافہ ہوا جی۔ سلسلے وار ناولز کی طرف بڑھے تو "جنون سے عشق تک" سمیرا جی بہت زبردست اینڈ کیا آپ نے ویل ڈن۔ اب اگلا سلسلے وار ناول لے کر کب آ رہی ہیں؟ "ہم سے پوچھیے" میں عائشہ پرویز، مدیحہ نورین، ایف ایچ ایس ان سب کے سوالات زبردست تھے۔ "آئینہ" سحر تبسم بحری، مسز عبدالقیوم، اسماء صدیقہ، ثمینہ مصری آپ سب کا تبصرہ جاندار تھا۔ "یادگار لمحے" میں گلشن چوہدری، ندا افتخار، مدیحہ نورین آپ سب نے لمحوں کو یادگار بنا دیا۔ "نیرنگ خیال" میں انوش فاطمہ، فریدہ خانم، فریدہ جاوید فری، عروشہ شہوار، نجم آپ سب کی تخلیق زبردست تھی۔ "دشت مقابلہ" میں نزہت جبیں ضیاء، امبر فاطمہ ان دونوں کی ریسپوز پسند آئیں۔ "بیاض دل" میں سب کی پسند لاجواب تھی۔ فوزیہ سلطانہ جواب کیوں نہیں دے رہیں، کوئی ناراضگی چل رہی ہے کیا (آہم)۔ "ہومیو کارنر" بلاشبہ بہت معلومات لیے ہوئے ہے اور جو نیا سلسلہ شروع کر رہے ہیں "رنگ و شیریں" بہت پسند آیا۔ دل تو چاہتا شامل ہونے کا لیکن کوئی بھی سوال میری ذات سے منسلک نہیں تھا۔ جیسے میرے پاپا کی ڈیتھ ہو چکی۔ دل تو تھا اپنے دل کی باتیں لکھیں۔ اگلے مہینے دیکھیں گے کون سا موضوع ہے۔ ناولز میں نے کوئی نہیں پڑھے اس لیے تبصرہ نہیں کر سکی۔ مجھے اب اجازت، سدا خوش رہیں۔ اللہ حافظ!

☆ پیاری طیبہ! اس ماہ "تلخ و شیریں" میں ایک بہن کے حالات شامل ہیں اگر آپ کو لگتا ہے کہ آپ بھی اس سلسلے میں شامل ہو سکتی ہیں تو ضرور اپنے تجربات ہمیں لکھ بھیجیں۔

انعم زہرہ..... ملتان۔ عمیرا مغل کے خوب صورت چہرے سے سجا ٹائٹل بہت پسند آیا اور فہرست میں تمام سلسلہ وار ناولز کو دیکھ کر دل کو سکون ملا ورنہ اس فہرست میں ہمیشہ کوئی نہ کوئی غائب ہوتا ہے۔ "سرگوشیاں" میں فیصر آراء آنٹی سے بات کر کے اچھا لگا۔ میدان کربلا میں شریعت کو بچانے کے لیے دی گئی "تمام حسین" کی عظیم قربانی اور سر کٹا کر بھی اسلام کا پرچم سربلند رکھنے کی عظیم سوچ کی یاد نے آنکھیں نم کر دیں۔ جناب ابرار امیر آپ کی حمد اور جناب سید رضا قادری آپ کی نعت بہت خوب صورت لگی۔ "در جواب آں" اس بار میں نظر نہیں آئی کیونکہ میں خط بروقت ارسال نہیں کر پائی تھی اور مدیحہ آپی ڈائجسٹ تنویر انور خان کو منانی ہوئی نظر آئیں۔ محبت بھرا انداز بہت اچھا لگا۔ نزہت جبیں ضیاء آپ کو پوتوں کی آمد پر ڈھیروں ڈھیر مبارک باد۔ مہیم ناز صدیقی آپ کے شوہر کے بارے میں جان کر بے حد افسوس ہوا۔ خدا آپ کو اور تمام اہل خانہ کو صبر جمیل عطا فرمائے اور مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے (آمین)۔ اب آتے ہیں سلسلے وار ناولز کی طرف سب سے پہلے بات ہو جائے اقرا آپی کے ناول "تیری زلف کے سر ہونے تک" جہاں آرام کو پریشان دیکھ کر اچھا لگ رہا ہے اور انشراح کی طرف سے پریشانی بڑھ رہی ہے۔ "جنون سے عشق تک" آخری حصہ دیکھ کر دل بجھ سا گیا۔ تیر آپ کا یہ ناول ایک عرصے تک ہمارے پڑھنے والوں کے محفوظ رہے گا۔ جما آخری لمحہ آپ نے قلمبند کیا بہت ہی خوب صورت تھا اور آل سارا ناول بہت ہی بیسٹ تھا۔ اور "اکائی" پڑھنے چلے تو وہاں بھی اقرا آپی کا ناول پھر سے لگا ہوا تھا اور "عشق سفر کی

Digitized by Google

دھول" بھی مکمل نہیں تھی قسط۔ پیجز لگانے میں کہیں غلطی ہوئی ہے نیکسٹ منتھ "اکائی" پر تفصیلی تبصرہ کروں گی۔ راحت وفا "غلطی" میں بہت اچھی منظر کشی کی ہے آپ نے گھریلو حالات کی اور ہماری کئی غلطی کو آپ نے صحیح عبرت کا نشان بنایا ہے زمانے کے لیے ہو جو کہانی پڑھے گا کبھی غلطی نہیں کرے گا۔ "بیاض دل" میں سب کے اشعار پسند آئے۔ "نیرنگ خیال" میں انوش فاطمہ سباس گل اچھا تھم انجم اعوان اور اپنی ویڈنگ غزل (جو میں نے اپنے چھوٹے بھیا اور بھابھی کے لیے لکھی تھی) پسند آئی۔ "دوست کا پیغام آئے" تمہارا سوالی کیا آپ مجھ سے مخاطب ہیں؟ اگر ہاں تو میری زندگی کچھ خاص مصروف نہیں اور آجکل فرینڈز کے لیے وقت کی کوئی قید نہیں اور مجھے بھی آپ سے دوستی کر کے بہت خوشی ہوگی۔ پروین افضل شاہین میری شاعری پسند کرنے کا شکریہ اور آپ واقعی بہت خوب صورت لکھتی ہیں سو تعریف تو بنتی ہے۔ "آئینہ" میں سب ہی بہنوں کے تبصرے پسند آئے۔

عائشہ خان ..... بھیر کھنڈ السلام علیکم! پیار محبت اور خلوص کی چاشنی میں لپٹا سلام قبول ہو۔ سب دوشیزائیں، ہمتن گوش ہو جائیں، کیونکہ ملکہ ادب عائشہ خان تشریف لا چکی ہیں۔ تو جناب جیسے ہی موسم کے تیور بدلے ہم بھی خوشی سے جھوم اٹھے کیونکہ سردیوں سے ہمیں والہانہ عشق ہے۔ تو سردیوں کا پہلا شمارہ جیسے ہی بھائی گھر میں لے کر داخل ہوئے ہم لالچی نظروں سے استقبال کے لیے بڑھے مگر وہ پہلے ہی مشی خان کے ہاتھ جا چکا تھا۔ کیونکہ مشی آپی بہتی ہیں کہ ابھی ہم چھوٹے ہیں، ابھی صرف پڑھائی پر توجہ دینی چاہیے۔ 27 کو گھر میں آیا۔ 29 کو مجھے ملا تو شروع کیا، ہم نے سوچ سے..... حمیرا اعجاز کو دیکھ کر دل خوش ہو گیا۔ حمد و نعت کو پڑھ کر دل و جان میں حقیقی سکون اتر گیا۔ الگڑ سے فیضیاب ہوئے، پھر افسانہ "آخری آئیشن پڑھا" زبردست لکھا۔ طوفان بھی زبردست رہا، واقعی دوسروں کے دکھوں پر جشن منانیوالوں کے چہرے تاریک ہوتے ہیں۔ تھینک گاڈ..... جنون سے عشق تک کا اینڈ اچھا ہو گیا۔ "عشق سفر کی دھول" ویلڈن اچھا ہوا۔ سارے ہی افسانے سبق آموز تھے۔ سمیرا سوالی کا "بزم سخن" میں شعر پسند آیا۔ غزلیں بھی سب کی بہترین تھیں۔ دوست کا پیغام آئے میں جنہوں نے یاد رکھا شکریہ اور سمیرا سوالی میں مشی خان کی چوٹی بہن ہوں۔ تبصرے پر ادارے کا جوابی خط، ارے شمائلہ آپی آپ تو اچھی خاصی بے عزتی کر دیتی ہیں۔ اتنے کم صفحات جیسے ہی آگے صفحہ پلٹا تو ڈائجسٹ آنچل کو ختم پایا۔ ویری سیڈ۔

رقیہ ناز ..... میلسی۔ آنچل 23 کو ہی مل گیا۔ ماڈل "حمیرا اعجاز" بہت ہی پیاری لگ رہی تھی۔ میک اپ میری پسند کا تھا، واؤ مزہ آ گیا۔ سب سے پہلے قیصر آرا کی سرگوشیاں سیں۔ دل سے دعا نکلی کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ملک کو پر امن بنائے اور حکومت میں بھی سدھار آ جائے۔ حمد و نعت سے اپنے دل کو منور کیا۔ اس سے آگے بڑھے تو قیصر آرا کو سب کا حوصلہ بڑھاتے دیکھا۔ ثمیم ناز آپ کے شوہر، مادر اطلحہ آپ کی ممانی کی رحلت اور جمیلہ بشیر والدہ کی دائمی جدائی کے بارے میں پڑھ کر بہت دکھ ہوا۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے آمین۔ ہمارا آنچل میں چاروں پریوں کے تعارف اچھے لگے۔ مہربان شاہ 20 دسمبر کو آپ کی سالگرہ ہے مبارک ہو۔ نازی کنول نازی آپ کا ناول "عشق سفر کی دھول" بہت اچھا لگا۔ ایزو بچارے پر بہت ترس آتا ہے۔ سچ کہتے ہیں کہ جب قسمت ساتھ چھوڑ دے تو ہر تدبیر الٹی پڑ جاتی ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ امرحہ کو ایزو نے اغواء کیا ہے۔ ویسے غزلیں بھی اس ناول کی بہت اچھی ہیں۔ اس کے بعد تیری زلف کے سر ہونے تک پڑھا۔ امید ہے کہ سودہ کی شادی پیارے میاں سے نہیں زید بھائی سے ہوگی اور عمر اسے سدھر جائے گی۔ افسانے اچھے تھے خاص کر آخری آئیشن ریحانہ آفتاب آپ کا ہر لفظ دماغ میں بغیر چیک گزر گیا۔ بیاض دل میں اقراء ممتاز، ثانیہ الطاف، عاصمہ بی (کا شعر سدرہ تمہارے لیے) مہربان شاہ، نوشیر اقبال اور مہوش کنول آپ لوگوں کے شعر میری ڈائری کی زینت بن گئے ہیں۔ نیرنگ خیال میں جاذبہ عباسی اور انجم آپ دونوں کی غزلیں "میں لوٹ آیا ہوں" اور "فرق" بہت پسند آئیں۔ دوست کا پیغام آئے میں سمیرا سوالی، اقراء ممتاز اور نجم انجم آپ نے مجھے یاد رکھا شکریہ۔ سعدیہ حور میں اور یکی رہنواز کے لیٹر پسند آئے۔ یادگار لمحے میرے پسندیدہ ہیں۔ یادگار لمحے میری ڈائری کی زینت بن جاتے ہیں۔ آئینہ میں ثناء رسول، ولیقہ احمد اور صغریٰ شہزادی کے تبصرے پسند آئے۔ ہم سے پوچھیے، شمائلہ آپی تو ساتھ میں بادام کا تو کرارا رکھ کر سب کو کرارے کرارے جواب دے رہی تھیں۔ کام کی باتیں واقعی بہت کام کی تھیں۔ انیلا طالب اور مون قریشی میں آپ سے دوستی کرنا چاہتی ہوں کوئی زبردستی نہیں اللہ حافظ۔

لبنیٰ شکیلہ ..... سیالکوٹ۔ شہلا جی! کافی عرصہ بعد آپ کی بزم میں شرکت کر کے آپ کو شرف میزبانی بخش رہی ہوں، اس امید پر شاید آپ نے کچھ کمی محسوس کی ہوگی۔ اب آتے ہیں اکتوبر کے شمارے کی طرف تو جناب اس بار آنچل 27 ستمبر کو ملا۔ سب سے پہلے مومن والی حدیث کو پڑھنے سے دل کو سکون و چین ملا، ساتھ ہی حمد باری تعالیٰ اور نعت رسول مقبول سے دل و روح کو منور کیا (سبحان اللہ) پھر آئے "سرگوشیاں" کی طرف تو قیصر آرا جی! آپ نے بالکل سچ فرمایا کہ ہمارے سال کی ابتدا اور انتہا قربانی کے مہینوں پر ہوتی ہے اور ان مقدس ہستیوں نے جتنا صبر کیا اس کا ذرہ برابر بھی ہم سے نہیں ہو سکتا، بس ہم اتنی دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کی تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور ہم پر رحم کرتے ہوئے ہماری آخرت سنوار دے (آمین) یہاں پر میں آپ کی بات کے جواب میں ان مقدس ہستیوں کی خدمت میں سلام کا نذرانہ پیش کرتی ہوں اور اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا گو ہوں

Digitized by Google

کہ اللہ تعالیٰ اس چھوٹی سی کاوش کو قبول فرما کر مجھ پر کرم فرمائے۔ (بے شک) "در جواب آں" قیصر آراجی کبھی کسی کو مایوس نہیں کرتیں یہ ان کی محبت ہی ہے کہ ہم مجبور ہو جاتے ہیں۔ "دامن کدہ" میں الکوثر لاجواب سلسلہ جو ایمان کو تازہ کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی بھی توفیق دے آمین۔ قرآن مجید کی اصل لذت بھی ان ہی کو حاصل ہوتی ہے جو غور و فکر کرتے ہیں (بے شک) ہمارا آنچل میں سب کا تعارف اچھا لگا۔ "کام کی باتیں" یوم عاشورہ کے بارے میں باتیں معلوم ہوئیں مکرر بار بار پڑھنے کا اپنا ہی مزا رہتا ہے۔ شکریہ حنا احمد "آئینہ" میں شامل تمام تبصرے زبردست تھے۔ "یادگار لمحے" میں "الوداع اردو" پڑھ کر دل دکھی اس لیے ہوا کہ "کوا چلا ہنس کی چال اپنی چال بھول گیا۔" بالکل یہی ہمارے ساتھ ہو رہا ہے، ہم اپنی قومی اور مادری زبانیں بولنے میں پتا نہیں کیوں شرم محسوس کرتے ہیں۔ حالانکہ یہی ہماری اصل پہچان ہیں۔ بدیعہ نورین اور گلشن چودھری زبردست۔ "دوست کا پیغام آئے" تھا تو نظر کا کھایا (ضیاع) مگر کسی کا دل توڑنا اچھا نہیں ہوتا۔ سب کو شامل کرنا اچھا لگا۔ "تیرنگ خیال" میں انوشہ فاطمہ کی دعا پر خود بخود زبان سے آمین نکلا۔ تمام اہل محفل میں دل سے دعا گو ہوں۔ اللہ تعالیٰ اگلے سال آپ کو محترانہ سہی کمزور سا بکراہی دے دے تاکہ آپ محلے میں اترا سکیں۔ "بیاض بدلی" میں صفرہ شمع لودھی کنول کے شعر کے علاوہ سب سے زبردست میرا اپنا ہی شعر تھا (ہاہا) سب کے سب بہت اچھے تھے۔ کسی ایک کو داد دینا زیادتی ہوتی۔ اب آتی ہوں اپنے پسندیدہ ناول "تیری زلف کے سر ہونے تک" پہ تو لگ رہا تھا کہ سیاپا (جھگڑا) ضرور ہوگا، جس کے نتیجے میں سود و زید کی ہو جائے گی۔ مگر یہاں تو سرے سے فرار ہی ہو گئے۔ قیصر سودہ کے ساتھ خدا اچھا ہی کرے گا۔ بہرحال آگے دیکھیں کیا ہوتا ہے۔ "جنون سے عشق تک" ایک اچھا ناول اپنے اختتام کو پہنچا۔ زبردست واقعی بعض لوگ جیسے نظر آتے ہیں ویسے ہوتے نہیں۔ شہرینہ نے ایک اچھا فیصلہ کیا ہے۔ "عشق سفر کی دھول" کسی کے لیے کڑھا کھونے سے انسان خود بھی اس کڑھے میں گر جاتا ہے۔ جیسا کہ امرحہ بھی ایسی صورت حال سے دوچار ہو رہی ہے۔ تو جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔ "چندارے چندا" واقعی حسن سے زیادہ کردار و سیرت پائیدار ہوتے ہیں۔ ایک سبق آموز ناول تھا۔ باقی ابھی زیر مطالعہ ہے۔ امید ہے تبصرہ پسند آئے گا۔ تمام دوستوں کو سلام۔

کرن شہزادہ ..... مانسہرہ۔ السلام علیکم شہلا ایسا کیسی ہیں آپ؟ بلا آخر انتظار کے جاں گسل لمحات اختتام کو پہنچے اور حسب معمول 28 تاریخ کو آنچل ہمارے دست نازک میں آیا۔ سرورق دیکھ کر ایسا لگا جیسے سخت سردی اور برستی برسات میں سورج کا نکلنا، سرورق کو پھلانگتے اشتہاروں سے بچتے بچاتے آگے بڑھے تو قیصر آپی سے میٹھی میٹھی سرگوشیاں کیں۔ حمد و نعت نے قلب کو سکون بخشا۔ "در جواب آں" میں مدیر صاحبہ کو ہمیشہ کی طرح مہربان پایا۔ "دامن کدہ" میں مشتاق انکل نے قربانی کی عظمت و فضیلت کو اجاگر کرتے ہوئے ہمارے علم و دانش میں اضافہ کیا۔ "ہمارا آنچل" میں چاروں بہنوں سے ملاقات خوب رہی۔ شائستہ یاسمین ارے واہ آپ کے تو مزے ہوتے ہوں گے کیونکہ آپ تو تارکی شہر میں رہتی ہیں۔ مہربان شاہ آپ اپنا اصل نام بھی لکھتی تو ہمیں زیادہ اچھا لگتا۔ کندہ علی اب بندہ کا نج لائف میں بھی انجوائے نہ کرے تو کب کرے گا۔ بس شرط یہ ہونی چاہیے کہ بندہ اپنی پڑھائی کو بھی ساتھ لے کر چلے۔ نور حیدر ہم آپ کا آنچل میں ویلکم کرتے ہیں۔ پھر بڑھے سلسلہ وار ناول کی طرف تو سب سے پہلے افراہ صغیر احمد کا "تیری زلف کے سر ہونے تک" پڑھا۔ آپی آپ نے تو ڈرا ہی دیا تھا۔ ویسے شکر کیا پیارے میاں کے فرار ہونے کی خبر سن کر پلیز آپی سودہ کو زید سے جدا مت کیجیے گا۔ عشنا کوثر سردار کی "اکائی" میں جو چیز مجھے سب سے زیادہ اٹریکٹ کرتی ہے وہ ہے اماں جان کے معاملے چاہے وہ حس بھی نوعیت کے ہوں اور ان کی کہاوتوں کے ساتھ بابا بلھے شاہ کا کلام و بلڈنگ بہت اچھا جا رہا ہے۔ مکمل ناول میں سمیرا شریف طور کا "جنون سے عشق تک" کا اختتام بیسٹ ہوا۔ شہرینہ کے فیصلے پر دل خوش ہوا۔ ورنہ اس سر پھری سے کچھ بعید نہ تھا کہ کچھ الٹا سیدھا نہ کر دے۔ سمیرا آپی اب غائب مت ہو جائیے گا۔ آپ کے سلسلہ وار ناول کا انتظار رہے گا۔ نازیہ کنول نازی کا مکمل ناول ان کے مخصوص طرز تحریر کے ساتھ بہت اچھا لگا۔ جب کہ غصے اور جلد بازی میں کیے گئے فیصلے ہمیشہ غلط ثابت ہوتے ہیں، جن پر بعد میں پچھتانا بھی پڑتا ہے امرحہ بھی اب پچھتا رہی ہے جب کہ لگتا ہے امرحہ کو کذیب کرنے والا ابرہ ہی ہے۔ آخری قسط کا بے چینی سے انتظار ہے۔ ندا حسین کا مکمل ناول "چندارے چندا" بیسٹ رہا۔ بچ میں حسن کے حسن کے بغیر تو گزارہ ہو سکتا ہے، لیکن عزت کے بغیر نہیں، کیونکہ عزت ایک دفعہ چلی جائے تو دوبارہ واپس نہیں آتی۔ ناولٹ میں شانہ شوکت کا "محرم ذات" سپر ڈوپر رہا۔ شاذل کی خود داری بہت بھائی۔ افسانوں میں ریحانہ آفتاب کا "آخری الیکشن" بہترین رہا۔ انہوں نے پرانے موضوع کو نئے انداز میں پیش کیا۔ جو کہ ہمارے معاشرے کا بڑا المیہ ہے۔ والدین جو کہ اپنے پانچ، چھ بچوں کو با سانی پال پوس کے بڑا کرتے ہیں۔ بڑھاپے میں وہی بچے اپنے والدین کو نہیں سنبھال سکتے۔ "سحابسہ" اس موضوع کو بھی راشدہ رفعت نے نئے انداز میں پیش کیا۔ سیدھی سادی دیسی بھرپور، راحت وفا کی "خطی" اور شازیہ الطاف ہاشمی کی طوفان بھی عمدہ تحاریر تھیں۔ مستقل سلسلوں میں "بیاض دل" اور انتخاب پسند آئے۔ "دوست کا پیغام آئے" میں دوستوں کے پیغامات پڑھے، جن دوستوں نے یاد کیا ان کا بے حد شکریہ۔ "تیرنگ خیال" میں سباس گل، عروسہ شہوار، ریحانہ ریحا، ام کلثوم کی نظمیں اور فائزہ بھٹی، آصف خان کی غزلیں پسند آئیں۔ "ہم سے پوچھیے" بھی اچھا لگا۔ "آئینہ" پر پہنچے تو حیران رہ گئے آنکھوں کو مل مل کر دیکھا ایک بار، دو بار بھی کہاں ہم تبصرہ بھیج کر یہ امید لگائے رکھتے ہیں کہ شہلا آپی ہمارے تبصرے پر

Digitized by Google

کچھ رسپانس دیں گی۔ کوئی میٹھا جملہ کوئی تعریف نما تنقید۔ (اب اس بات پر حیران ہونا تو بنتا ہے نا) خوشگوار تبدیلی محسوس ہوئی۔ تعریف میں شاہدہ سول ہاشمی، ماریہ سلیم اختر کے تبصرے پسند آئے۔ "کام کی باتیں" حنا احمد نے محرم الحرام کی عظمت و فضیلت کو بیان کرکے علم میں خاطر خواہ اضافہ کیا۔

☆ پیاری کرن! کوئی جواب طلب بات ہو تو ہم ضرور جواب دیتے ہیں۔ اب اپنی تعریفیں سن کر کیا جواب دیں۔

افشاں سراج..... عارف والا۔ السلام علیکم آنچل اسٹاف و قارئین کو گنجینہ بھر اسلام قبول ہو۔ سب سے پہلے سمیرا آپ کی "جنون سے عشق تک" پڑھی۔ اچھی اینڈنگ، سمیرا آپی زبردست اسٹوری تھی۔ پھر پچھلی اقرا آپی کی طرف تو دل خوشی سے باغ باغ ہوگیا۔ جب مجھے پتا چلا کہ پیارے میاں ملک چھوڑ کر فرار ہوگئے ہیں۔ نازی آپ کی اسٹوری شروع کی زبردست اسٹوری تھی۔ کچھ صفحات غائب دیکھ کر دکھی ہوگئی۔ "محرم ذات" بہت خوب، شبانہ شوکت جی ونڈرفل اسٹوری تھی۔ "چندارے چندا" کیا کہوں آپ کے بارے میں "نمائے حسین" جی زبردست لڑکیوں کے لیے بہت ہی زیادہ اصلاحی اسٹوری تھی۔ انشا نے سب ہی خوب رہے۔ ایک سے بڑھ کر ایک غلطی ہا آخری ایکشن، محاسبہ، طوفان سب ہی بہترین۔ ہمارا آنچل میں شائستہ مہربان شاہ، کنزہ علی اور نور حیدر سے مل کر اچھا لگا۔

☆ پیاری افشاں! ایسی صورت میں آپ اپنا پرچہ ہمارے سے تبدیل کروالیا کریں۔ وہ آپ کو دوسرا پرچہ فراہم کردے گا۔

شائستہ یاسین..... ہڑپہ شہر۔ آنچل کے تمام اسٹاف اور ڈائجسٹ ریڈرز کو میرا محبت بھرا اسلام۔ ٹائٹل پر خوب صورت ماڈل کو دیکھ کر دل خوش ہوگیا۔ جیسے ہی پڑھنے کے لیے ورق کھولے یہ کیا "ہمارا آنچل" میں شائستہ یاسین" کا تعارف نام پھر پڑھا کہ کہیں میں خواب تو نہیں دیکھ رہی۔ بہت خوشی ہوئی امی کو پڑھایا، بہنوں کو دوستوں کو بھی پھر آگے بڑھے اپنی پسندیدہ اسٹوری کی طرف "جنون سے عشق تک" سمیرا شریف طور نے بہت اچھا اینڈ کیا۔ "آکائی" عشنا کوثر سردار کہانی کو اچھی طرح آگے بڑھا رہی ہیں، مگر برا ہوا جو جنت، کباب میں ہڈی بن گئی۔ رجت سنگھ کا کردار بھی کہانی میں اچھا ہے۔ "دشت سفر کی دھول" نازیہ کنول نازی بہت اچھی کہانی ہے۔ امرحہ نے ایزد کے ساتھ بالکل اچھا نہیں کیا آنچل کے تمام سلسلے بہت اچھے ہیں۔ خاص طور پر دوست کا پیغام آئے آپ کی صحت وغیرہ۔

☆ پیاری شائستہ! دعاؤں کے لیے شکریہ۔

عائزہ بھٹی..... پتوکی۔ السلام علیکم پاکستان کیا حال ہیں آپ کے، اللہ پاک سے دعا ہے کہ آپ پر اور آپ کی پوری ٹیم پر اپنی رحمتوں کا نزول کرے۔ (آمین) اب قسط وار ناولز پر تھوڑا تھوڑا تبصرہ ہوجائے۔ "تیری زلف کے سر ہونے تک" واہ واہ زید جی متاثر ہوگئے، تمہاری خیالی دنیا کے۔ وہ تو شکر ہے وہ سارا کنفیوژن ڈراما تم نے خیالوں خیالوں میں گزار دیا۔ اگر واقعی میں سودہ کی اور کی ہوجاتی تو پھر..... مگر اب ہمیں یقین ہوگیا ہے، رائٹر کو تم سے اتنی دشمنی نہیں ہے جتنی فوئل کے ساتھ ہے..... سودہ دیر اب تم قبول کرلینا "بے چارے" زید" کو "اشراح" تم اور فوئل دونوں لڑا کا طیارے ہو..... ہر وقت حالت جنگ میں رہتے ہو..... یار دنیا میں پہلے ہی بہت سی جنگیں ہو رہی ہیں، اب تم لوگ رہنے دو..... ہم قارئین پر بھی رحم کردھوڑا..... "آکائی" عشنا کوثر تمہاری یہ کہانی حقیقت پسندانہ رویہ ہے..... بھئی ہم نے تو تمہارے سنگ ہواؤں میں اڑنا سیکھا تھا، بادلوں سے ملاقاتیں ہوتی تھیں، وہ والا انداز لے کر آؤ۔ ہمیں ہواؤں کے سنگ بادلوں میں جا کر رہنا ہے۔ نواب صاحب آپ کا فیصلہ ہمیں دل و جان سے پسند آیا ہے..... وقار حسن کے آگے کون ٹھہر سکا ہے آج تک، یہاں تو حسن اور عقل دونوں موجود تھیں۔ تمہیں جمع تفریق کا موقع نہیں ملے گا۔ "جنون سے عشق تک" سمیرا ہماری چھوٹی بہن کو آپ کی کہانیوں پر ایک اعتراض ہے۔ وہ کہتی رہتی ہے میں نے خط لکھ کر اس پر انگلی اٹھائی ہے۔ ہر کہانی میں ہیروئن کے ساتھ زبردستی کی جاتی ہے۔ حالانکہ ایسا ہونا نہیں چاہیے۔ دراصل اس نے پچھلے دنوں "دھنک رنگ اوڑھ کر" پڑھی اور اسے اس میں ہیروئن کے ساتھ کیے جانے والے سلوک پر حد درجے اعتراض ہے، حالانکہ میں بہت کہتی ہوں کہ اس نے اپنے کیے کی سزا پائی۔ شہر بینہ سے زیادہ ہمیں فلکن پسند ہے..... سمیرا دیسے بھی تمہارے ہیرو بہت جاندار ہوتے ہیں..... سبھان احمد تو آج بھی ہمارے دلوں پر قبضہ جمائے ہوئے ہے۔ نازیہ کنول نازی تمہاری کہانی بھی اچھی لگی ہمیں، مگر ہیروئن کا اتنا زیادہ دلیر ہونا ذرا اچھا نہیں لگا۔ "دوست کا پیغام آئے..... حسن ج دوستوں نے یاد کیا بہت شکریہ اگر نہیں کیا تو کوئی بات نہیں، اگلی دفعہ ضرور یاد کیجیے گا۔ پچھلے دنوں بہن کی شادی میں کافی مصروف رہی۔ سعدیہ کی شادی کا احوال اس جگہ ضرور پڑھیے گا۔ جہاں بھائی کی شادی کا احوال پڑھا تھا۔ اب اس دعا کے ساتھ اجازت کہ جہاں رہیں خوش رہیں اور دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔

☆ پیاری فائزہ! ہم آپ کی خواہش ضرور پوری کرتے اگر صفحات کی کمی کا شکار نہ ہوتے کیونکہ صفحات کم ہونے کی بناء پر ہی ان سلسلوں کو فی الحال نہیں لگا رہے۔

ڈاکٹر زارا تعبیر..... قصور۔ السلام علیکم! اور سناؤ بھئی پاکستانیوں کیا حال چلا ہیں، آپ سب کے؟ اکتوبر کا شمارہ 25 کو مل گیا۔ ٹائٹل گرل "حصیر المحل" بہت ہی سمپل تھیں۔ اسی لیے مجھے بہت خوب صورت لگیں۔ سب سے پہلے سرگوشیاں پڑھیں، سچ میں

Digitized by Google

تبدیلی کے ساتھ ساتھ مہنگائی بھی آ گئی ہے۔ اس کے بعد جلدی سے دیکھا، میرا موبسٹ فیورٹ ناول "جنون سے عشق تک" جب دیکھا کہ یہ آخری حصہ ہے۔ تو میرا دل بجھ سا گیا، لیکن ساتھ ہی خوشی بھی ہوئی کہ آج شہریہ اور اکمل کی شادی بھی ہو جائے گی۔ واؤ آپی سمیرا جی بہت اچھا اینڈ کیا آپ نے مزہ آ گیا۔ بہت اچھا ناول تھا۔ "تیری زلف کے سر ہونے تک" ابھی پڑھی نہیں۔ "عشق سفر کی دھول" واؤ آپی نازی بہت ہی اچھا ناول ہے۔ افسانہ "راحت وفا" آپی نے بہت ہی اچھا لکھا ہے۔ ہما بیگم ڈرنی بیٹے کے متعلق تھی، لیکن کاپی شوہر نے بگاڑ دیا۔ "آخری اسٹیشن" بھی اچھا تھا "طوفان" کی مجھے کچھ سمجھ نہیں آئی۔ عجیب سا افسانہ تھا۔ باقی سب سے معذرت کیونکہ اسٹڈی کرنے کے ساتھ ساتھ اتنا ہی پڑھ لوں تو کافی ہے۔ "آئینہ" میں بھی بھی کے تبصرے اچھے تھے۔ خاص کر ان کا شکریہ جن بہنوں نے میرا تعارف پسند کیا۔ واؤ آپی شہلا آپ نے میرا اور مزاب کا تبصرہ اکٹھا شائع کیا۔ "دوست کا پیغام آئے" پڑھ کر تو مجھے آپی ہما پر بڑا ہی پیار آیا کہ انہوں نے سب کے پیغام شائع کیے۔ ویل ڈن آپی۔ بیاض دل میں سب کے اشعار اچھے تھے۔

ماریہ نشاء..... مانگا منڈی لاہور السلام علیکم آنچل کے تمام رائٹرز، اسٹاف اور پڑھنے والوں کو میری طرف سے نیا اسلامی سال مبارک ہو۔ شادی سے پہلے میں کہانیاں لکھتی تھی، مگر شادی کے بعد لکھنے کا سلسلہ چھوڑ دیا۔ اب پھر سے لکھنا چاہتی ہوں۔ آنچل مسلسل پچھلے تین سال سے پڑھ رہی ہوں، مگر خط نہ لکھ سکی وجہ وہی جھجک کہ پتا نہیں خط شائع ہوگا کہ نہیں۔ سلسلہ سرگوشیاں پڑھا، ڈیم ہمارے لیے بہت ضروری ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں کامیاب کرے، نعت و حمد بڑی۔ اور جناب آپی میرا پسندیدہ سلسلہ ہے۔ کیونکہ یہ ہمارے اور آنچل کے درمیان راستے کی طرح ہے۔ **وائس کیو "الکوٹر" میں قربانی کے بارے میں** بہت معلومات دی گئی۔ افسانے سب ہی اچھے تھے۔ سمیرا طور کا ناول "جنون سے عشق تک" ماں جتنی بھی بری ہو اس سے احساس کا رشتہ ختم نہیں ہوتا، بہت اچھا اینڈ رہا۔ بیاض دل میں سب اشعار اچھے لگے۔ نیرنگ خیال میں سب غزلیں اچھی تھیں۔ میں نے بھی ایک غزل بھیجی ہے، پلیز ضرور شائع کیجیے گا۔ "ہم سے پوچھیے" میں بہت ہی سلجھے جواب دیے گئے۔ پڑھ کر مزا آیا۔

☆ پیاری ماریہ! آپ اپنا افسانہ ارسال کردیں اور خط شائع ہو یا نہ ہو ہم آپ سب کے خطوط پڑھتے ضرور ہیں کیوں کہ ان ہی کے ذریعے ہمیں آپ کی آرا اور پسند ناپسند کا علم ہوتا ہے۔ پھر ہم اس کے مطابق ہی پرچا ترتیب دیتے ہیں۔

طیبہ شیریں..... کوری خدا بخش: اس بار آنچل کا شمارہ بہت ہی شاندار رہا۔ کیونکہ اس بار میں نے آنچل کو جلدی جلدی سے ختم کیا اور سبھرہ لکھا۔ آنچل کا ٹائٹل ہمیشہ کی طرح بہت خوب صورت لگا۔ حمد و نعت اور سرگوشیاں نے دل موہ لیا۔ "الکوٹر" مشتاق انکل کا بہت ہی خوبصورت سلسلہ جس میں ہر موضوع کے بارے میں بہت عمدہ رہنمائی کی جاتی ہے۔ اس کے بعد "ہمارے آنچل" میں سب سے ملکر بہت خوشی ہوئی۔ خاص کر نور حبید سے مل کر بہت اچھا لگا۔ سلسلہ وار ناول "تیری زلف کے سر ہونے تک" بہت اچھا جا رہا ہے۔ جوں جوں ناول آگے بڑھ رہا ہے ایک تجسس پیدا ہو رہا ہے۔ اگلی قسط کا انتظار ہے۔ "غلطی" افسانہ پڑھ کر آخر میں بہت ہنسی آئی۔ ہما بیگم صرف اپنے بیٹے پر ہی دھیان دیتی رہیں یہ سوچے بنا ہی کہ ان کے گھر میں ایک اور بھی مرد ذات ہے۔ ایک سبق آموز افسانہ تھا۔ "عشق سفر کی دھول" نازیہ! بہت اچھا لکھا اس پر تبصرہ ناول مکمل ہونے کے بعد لکھوں گی۔ "محرم ذات" بہت زبردست ناول مجھے شاذل اور سیمل کا کردار پسند آیا۔ عائزہ جیسی دوغلی لڑکیاں بھی معاشرے کا حصہ ہوتی ہے مگر جب بات عائزہ کی سمجھ میں آئی تو وہ خوش ہی ہوگی کیونکہ محبت چھین کر نہیں لی جاسکتی۔ یہ تو جس سے ہو جاتی ہے اسی کے لیے سب کچھ ہوتی ہے۔ سیمل اور شاذل کی محبت سچی اور انمول تھی تب ہی ان کی زندگی میں بہار کے پھول کھلنے لگے تھے۔ "آخری اسٹیشن" اس افسانے کو اس ماہ کا سب سے بہترین افسانہ قرار دیا جانا چاہیے۔ اس معاشرے کی ایک تلخ حقیقت۔ ماں باپ اپنے سب بچوں کو مفلسی کے دور میں بھی پال لیتے ہیں مگر بچے ایسا نہیں کر سکتے۔ ایک عورت کے لیے شوہر ہی مضبوط سائبان ہوتا ہے۔ اور بیٹے تو شادی کے بعد ماں باپ کو بوجھ سمجھ کر بھی ایک کے بھائی کے در پہ ڈال دیتے ہیں اور کبھی دوسرے بھائی کے۔ اور پھر بیٹیاں ہی کام آتی ہیں اور یہ ایک سچی اور اس معاشرے کی تلخ جیتی جاگتی مثال ہے۔ "محاسبہ" یہ بھی اس معاشرے کی کہانی ہے ہر گھر میں ایسا ہوتا آرہا ہے۔ مگر اثر پھر بھی کوئی نہیں لیتا۔ اگر آپ بہو کو گھر لا رہے ہیں تو اپنی جوان بیٹی کو بھی سمجھائیں کہ بیٹا جیسے ہم اپنی بہو کو لے کر آئے ہیں اور اس کے ساتھ جو سلوک ہم روا رکھیں گے تو یاد رکھو کسی نے بھی جانا ہے دوسرے گھر اور وہاں اگر تمہارے ساتھ ایسا ہوا تو..... عشرت نے اپنی بہو کے ساتھ برا کیا آگے اس کی بیٹی کے ساتھ ہو رہا تھا تب ہی اسے یقین تھا کہ سب ہی کے ساتھ ایسا ہی ہوگا۔ باقی سب ہی افسانے اور ناول ہمیشہ کی طرح بہت زبردست تھے۔ "بیاض دل" میں تمام اشعار بہت ہی بہترین تھے۔ "نیرنگ خیال" میں سب ہی غزلیں اور نظمیں پسند آئی۔ "ہم سے پوچھیے" میں شائقہ کے سب ہی مزے مزے کے جوابات سے لطف اٹھایا۔

اب اس دعا کے ساتھ اجازت کہ اللہ رب العزت ہم سب کی پریشانیوں کو دور فرمائے اور وطن عزیز کو ہر طرح کے مصائب سے محفوظ رکھے آمین۔

aayna@aanchal.com.pk

Digitized by Google

شمائلہ کاشف

لاریب انشاں کھرل..... لوکاڑہ

س: کراچی میں بارشوں کا کیا حال ہے؟

ج: بارشوں کے حال کے بجائے سڑکوں کا پوچھتیں تو بتاتی بھی، جو بارش کے بعد کا منظر پیش کررہی ہیں۔

س: کیا آپ نے مجھے یاد کیا؟

ج: سوچنا پڑے گا یہ تو۔

س: لو آپ نے ہمیں یاد کیا، ہم حاضر؟

ج: ہم تو چراغ نہیں رگڑا۔

س: آپی وہ بہت کنجوس ہے، مکھی چوس بھی؟

ج: تم بھی تو پیدائشی ہو ناں۔

س: آپی رنگ گورا کرنا ہو تو کریمیں دستیاب ہیں، کالا کرنا ہو تو؟

ج: تمہیں کیا ضرورت پڑ گئی کالا کرنے کی۔

س: روٹھی ہوں پیا مناؤ گے کیسے بولوناں؟

ج: اپنی امی کو بلا کر۔

س: چاند کو پالینے کا جنون ہے مجھے۔ ہوں ناں پاگل؟

ج: چاند کے گھر جاؤ تو اس کی ماں ایک ہی دن میں یہ پاگل پن دُور کردے گی۔

س: نہ جانے اس کا دماغ اتنا خراب کیوں ہے؟

ج: فریج میں نہیں رکھتا ہوگا ناں اس لیے۔

عائشہ یونس..... حافظ آباد

س: آپی آپ کی اس کھٹی میٹھی محفل میں پہلی دفعہ حاضر ہوئی ہوں۔ کچھ کھلا پلا ہی دیں؟

ج: کھلا تو میں دوں گی، تم کھانے والی بنو..... ارے ڈرو نہیں، میں پکوڑوں کی بات کررہی ہوں، جو تے تو بعد میں لاں سے کھانا۔

س: آپی سردیوں میں میرا رنگ مزید نکھرتا ہے۔ اس کا ریزن کیا ہے؟

ج: دھند کی وجہ سے چیزیں صاف نظر نہیں آتیں ناں بس اس لیے ہی۔

بنت حوا..... ملتان

س: شمائلہ جی، مجھے آپ کے مزاج کچھ ٹھیک نہیں لگ رہے۔ خیریت؟

ج: ارے کیا بتاؤں..... تبدیلی جو آ گئی ہے۔

س: کل میں نے آپ کو لنڈا بازار میں دیکھا تھا۔ آپ اپنے اُن کے ساتھ اُدھر۔ واہ بھئی واہ۔

ج: تم سی ہی تو ملنے آئی تھی ارے پگلی۔

س: ہر عورت کا حسن اس کی آنکھوں میں ہوتا ہے مگر آپ کا حسن کہاں ہے؟

ج: عورت کا حسن ناں، میں تو لڑکی ہوں ویسے بھی۔

س: ویسے آپ کے "اُن" کا نام کیا ہے؟

ج: کیوں؟ تم نے ان کا برتھ سرٹیفکیٹ بنوا کے بھیجنا ہے کیا۔

س: کوئی دعا دے دو باجی؟

ج: اللہ اور دے گا۔

سحر تبسم سحری..... مغل پورہ

س: آپی میں کافی کم گو ہوں تو لوگ مجھے مغرور کیوں کہتے ہیں؟

ج: تم اور کم گو اس سال کا سب سے بڑا جھوٹ ہے۔

س: آپی میں جس سے بھی محبت کرتی ہوں، وہ مجھے چھوڑ دیتا ہے آخر کیوں؟

ج: تم محبت کے نام پر خرچہ بہت کرواتی ہو اس لیے۔

س: آپ اتنی خوب صورت، اسمارٹ، اسٹائلش اور ینگ ہیں۔ کیا آپ مجھ سے.....؟ آگے سمجھ جائیں۔

ج: تم لڑکی ہی ہو ناں.....؟

س: میرا بہت دل کرتا ہے کہ رائٹر بن جاؤں۔ کوئی مشورہ دے کہ کیسے بنوں گی؟

ج: پہلے انسان تو بن جاؤ پھر رائٹر بھی بن جانا۔

س: لوگ اکثر میری بات سن کر کہتے ہیں کہ تم تو بچی ہو، تمہیں کیا پتا۔ کیا میں آپ کو بچی لگتی ہوں؟

Digitized by Google

ج: تم تو مجھے بچی کھچی لگتی ہو۔
س: آپ اور میں ایک جنگل میں گم ہوں اور شیر آجائے۔ میں بھاگ جاؤں اور آپ؟
ج: خیر ہے..... مجھے دیکھ کر شیر خود ہی بھاگ جائے گا۔
س: اگر میں آپ سے کہوں کہ آپ میرے گھر آئیں؟
ج: خود ہی پچھتاؤ گی۔

پروین افضل شاہین..... بہاولنگر

س: میرے میاں جانی پرنس افضل شاہین جب شادی کے پہلے مہینے میرے میکے آئے تو انہوں نے سویاں بغیر چمچ کے کیسے کھائی تھیں؟
ج: ناک کے ذریعے سُڑ سُڑ کر کے..... ہے ناں۔
س: اگر شہر میں دھند ہو تو آپ بغیر لائٹ جلائے گاڑی چلالیں گی؟
ج: بالکل..... لیکن شرط یہ ہے کہ گاڑی کے آگے آپ کے میاں پرنس افضل جُتے ہوئے ہوں۔
س: خوب صورت دلہن بھی بیوٹی پارلر سے کیوں تیار کروائی جاتی ہے؟
ج: تاکہ وہ بھی دلہن لگے۔

مدیحہ نورین مہک..... گجرات

س: آپی مچھر کی مونث مچھی ہے یا مچھری؟
ج: صرف تم۔
س: گنجے سر پر کون سا ہیئر اسٹائل اچھا لگتا ہے؟
ج: آئینے کے سامنے کھڑی ہو کے دیکھ لو، جو اچھا لگے اپنا لینا۔
س: سگریٹ کے دھوئیں سے ہی کیوں محبوبہ کی تصویر بنتی ہے؟
ج: تاکہ جلد ہوا میں تحلیل ہو جائے اور نئی کا چانس بن سکے۔
س: کاش میں اُڑ سکتی؟
ج: بھینسوں کو کبھی کسی نے اُڑتے ہوئے دیکھا ہے؟
س: سولر سسٹم ہوتا ہے، مون سسٹم کیوں نہیں؟
ج: نہ صرف مون، بلکہ مون سون سسٹم بھی ہوتا ہے کچھ پڑھ لکھ لیتی تو کام آتا۔
س: یہ پیلا رنگ نیلا کیوں نہیں ہوتا؟
ج: کیوں کہ سبز رنگ سُرخ نہیں ہوتا۔
س: دلہنوں کے اتنے بڑے ناخن کیوں لگاتے ہیں؟
ج: تاکہ وہ جا کر ساس نندوں کے منہ نوچ سکیں۔
س: ساس میں دو "س" کیوں ہوتے ہیں؟
ج: شکر کرو "س" ہوتے ہیں، سینگ نہیں۔
س: چڑیا کوّے جتنی بڑی ہوتی تو کتنی پیاری لگتی ناں؟
ج: تم تو اتنی سی بھی پیاری ہو۔ بالکل چیونٹی کے برابر۔
س: یہ سارے طوطے بولنے والے کیوں نہیں ہوتے؟
ج: ہوتے تو ہیں مگر ان کی باتیں صرف طوطیاں سمجھ سکتی ہیں..... اب تم بتاؤ کیا سمجھیں؟

علشبہ نور..... بہیر کنڈ

س: آپی ہمارے یہاں زیادہ تر فلموں کا اینڈ شادی پر ہی کیوں ہوتا ہے؟
ج: فلموں میں ہی نہیں، حقیقت میں بھی خواتین کا یہی دردناک انجام ہوتا ہے۔
س: اچھا یہ بتائیں کہ انسان ہمت کب ہارتا ہے؟
ج: جب قاضی اس سے نکاح کی رضامندی لینے آتا ہے۔
س: مشورہ کب بلا چوں و چراں مان لیا جاتا ہے؟
ج: جب ساس کی رضا میں شوہر بھی راضی ہو۔
س: آپی اگر آپ کو میرے ساتھ کام کرنے کا موقع ملے تو کیا خیال ہے..... کریں گی؟
ج: میں تو کرلوں گی..... تم اپنا بتاؤ؟
س: شمو آپی! آپ کے عین نکاح کے وقت آپ کی مصنوعی بتیسی گر جائے تو آپ کیا کریں گی؟
ج: تم نے مجھے اپنی عمر کا کیوں سمجھ لیا۔
س: سوری، اینڈ کوئی پیاری، ننھی منی، کیوٹ اور میٹھی سی دعا دیں۔
ج: اللہ کرے تمہاری کسی حلوائی سے شادی ہو جائے۔ سب کہا مین اُڑے مٹھائی کھانے کو ملے گی۔ دل سے کہو۔

Digitized by Google

آپ کی صحت

ہاجرہ بی بی فیصل آباد سے لکھتی ہیں کہ میرا بیٹا جس کی عمر 22 سال ہے بہت کمزور ہے۔ خون کی بھی کمی ہے ہاضمہ خراب رہتا ہے قے متلی رہتی ہے بھوک بالکل نہیں لگتی اور دودھ اور گوشت سے نفرت کرتا ہے۔ ٹیسٹ کرائے تو پتا چلا کہ جگر پر ورم ہے برائے مہربانی ہماری رہنمائی کریں۔

محترمہ آپ بیٹے کو FCRRUM PHAS 30 کے 5 قطرے دن میں 3 ٹائم آدھا کپ پانی میں پلائیں اور چکنائی سے احتیاط کرائیں ان شاء اللہ جلد شفا یابی ہوگی۔

حنا راشد ملتان سے لکھتی ہیں کہ میرے والد کو شدید قسم کی قبض رہتی تھی تو ہم نے اپنے مقامی ایلوپیتھک ڈاکٹر سے دوا لی جس سے ان کا قبض تو ختم ہوگیا مگر دواؤں کے بد اثرات سے ان کے منہ اور زبان پر چھالے بھر گئے ہیں۔ منہ میں جلن رہتی ہے رال بھی ٹپکتی ہے۔ چھالے گہرے سرخ رنگ کے ہیں شدید کمزوری رہتی ہے اور دست بھی رہتے ہیں۔ برائے مہربانی کوئی مناسب حل بتائیں۔

محترمہ آپ اپنے والد کو ABSENICUM 30 ALBUM کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں 3 بار پلائیں کھانے سے پہلے اور والد کو زود ہضم اور ٹھنڈی غذائیں استعمال کرائیں۔

شاہد خان لاہور سے لکھتے ہیں میں نے آپ کی بہت تعریف سنی ہے اور خاص طور پر آپ کے بنائے ہوئے کچھ مخصوص تیل کی تو بہت تعریف کی ہے جس میں HAIR GROWER OIL بھی ہے برائے مہربانی میری رہنمائی کریں کہ میرے بال خشک اور کمزور ہیں۔ کیا میں بھی اس تیل سے استفادہ کرسکتا ہوں۔

محترم! آپ نے جو سنا بالکل ٹھیک سنا ہے جی آپ بھی ہمارے کلینک سے HAIR GROWER OIL منگوا سکتے ہیں۔ ان شاء اللہ بہت جلد آپ کے بال بھی ٹھیک ہوجائیں گے آپ لوگوں کی آسانی کے لیے منی آرڈر اور ایزی پیسہ دونوں کی سہولت میسر ہے۔

ریاض اختر ساہیوال سے لکھتے ہیں میرا بیٹا 12 سال کا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ میرا بیٹا خوب پڑھے مگر وہ دماغی طور پر کمزور ہے۔ سبق یاد کرکے بھول جاتا ہے۔ خود اعتمادی کی بہت کمی ہے ہر چیز سے بیزار رہتا ہے اور امتحان کے دنوں میں ایک عجیب خوف میں مبتلا رہتا ہے اور پھر ناکامی کا سامنا کرتا ہے برائے مہربانی کوئی مناسب حل بتائیں میں زندگی بھر آپ کے لیے دعا گو رہوں گا۔

محترم آپ بیٹے کو ANACARDIUM 30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں 3 بار پلائیں اور بیٹے سے نرمی سے پیش آئیں۔ ان شاء اللہ بہت جلد کامیابی ہوگی۔

رمشاء کنول ضلع وہاڑی سے لکھتی ہیں کہ میری بہن کی عمر 20 سال ہے مگر وہ نسوانی حسن کی کمی کا شکار ہے اور اس کے چہرے پر غیر ضروری بال بھی ہیں۔ ان دونوں مسائل کی وجہ سے وہ بہت شرمندہ رہتی ہے۔ پلیز آپ کوئی ایسا حل بتائیں کہ اس کے دونوں مسئلے حل ہوجائیں۔

محترمہ آپ بہن کے لیے ہمارے کلینک سے BREAST BEAUTY اور APHRODITE HAIR INHIBITOR منگوالیں ان شاء اللہ دونوں مسائل حل ہوجائیں گے۔

ریحان آزاد کشمیر سے لکھتے ہیں کہ میری عمر 25 سال ہے مگر میرا وزن 90 کے جی ہے۔ میں اپنے وزن سے بہت پریشان ہوں۔ کوئی کام نہیں کر پاتا بہت جلدی

Digitized by Google

تھک جاتا ہوں اور سانس پھولنے لگتی ہے پلیز کوئی مناسب دوا تجویز کریں کہ میرا وزن کنٹرول ہوجائے۔

محترم آپ PHYTOLACCA BERRY Q کے 10 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں 3 مرتبہ استعمال کریں مرغن اور مرچ مسالے سے احتیاط رکھیں۔ واک لازمی کریں ان شاء اللہ جلد بہتری آئے گی۔

ارم حنیف فتح پور سے لکھتی ہیں کہ میرا ایک ہی بیٹا ہے جو چار سال کا میرا مسئلہ یہ ہے کہ میرا بچہ بہت بے چین رہتا ہے ہر وقت چڑچڑا بات نہ ماننا ہر وقت ضد کرنا اور کھانا نہیں کھاتا جس کی وجہ سے قبض کی شکایت رہتی ہے اور پیٹ میں درد رہتا ہے بہت کمزور ہونے لگا ہے آپ کوئی مناسب دوا بتائیں کہ میرا بچہ مکمل صحت یاب ہوجائیں۔

محترمہ آپ اپنے بچے کو CHAMEMILLA30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں 3 بار پلائیں۔ ان شاء اللہ بہت جلد آپ کا بچہ بہتری کی طرف آجائے گا۔

عثمان حیدرآباد سے لکھتے ہیں کہ میری عمر 28 سال ہے۔ ماشاء اللہ ظاہری طور پر بالکل ٹھیک ہوں۔ صحت کے حساب سے مگر ذہنی طور پر بہت کمزور ہوں قوت فیصلہ اور حوصلے کی بہت کمی ہے۔ آفس میں پریزینٹیشن نہیں کرسکتا۔ ایک عجیب خوف دل میں رہتا ہے۔ اکیلا رہنا چاہتا ہوں۔ ہر وقت میرے والدین مجھے دیکھ کر بہت پریشان رہتے ہیں۔ میں نے بہت ہمت کرکے آپ کو خط لکھا ہے پلیز لازمی شائع کریں اور مجھے مناسب حل بتائیں۔

محترم آپ GOLSIMIUM 30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں 3 بار پئیں اور لوگوں کے ساتھ بیٹھیں بات چیت کا سلسلہ شروع کریں۔ حوصلے میں اضافہ ہوگا ان شاء اللہ۔

بشریٰ ملتان سے لکھتی ہیں کہ میں اپنی سہیلی کا مسئلہ لکھ رہی ہوں اس کی عمر 20 سال ہے جب وہ 15 سال کی تھی کسی کی ہوس کا نشانہ بن گئی تھی اب اس کے گھر والے اس کی شادی کرنا چاہتے ہیں برائے مہربانی کوئی مناسب حل بتائیں کہ اس کی زندگی سنور جائے۔ ہم زندگی بھر آپ کو دعا دیں گے۔

محترمہ آپ اس موضوع پر بات کرنے کے لیے صبح 10 تا 1 تا شام 6 تا 9 بجے کے درمیان کلینک کے نمبر پر رابطہ کریں۔ ان شاء اللہ آپ کو اس مسئلے کا مناسب حل بتادیا جائے گا۔

کامران حسن لاڑکانہ سے لکھتے ہیں کہ میری عمر 22 سال ہے میرا مسئلہ یہ ہے کہ میں بچپن سے ہی غلط دوستوں کی صحبت میں رہا اور اپنے ہاتھوں اپنی صحت برباد کرچکا ہوں۔ اب بہت کمزور ہوگیا ہوں دیکھنے میں 14 سال کا بچہ لگتا ہوں۔ اب مجھے اللہ کی طرف سے ہدایت مل گئی۔ غلط کام چھوڑ چکا ہوں۔ ماشاء اللہ نماز کی پابندی کرتا ہوں۔ آپ کوئی دوا بتائیں کہ صحت ٹھیک ہوجائے۔

محترم آپ STAPHYSAGARIA کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں تین ٹائم استعمال کریں ان شاء اللہ جلد ہی صحت بہتر ہوجائے گی۔

ہومیوڈاکٹر ہاشم مرزا کلینک۔

ایڈریس: دکان نمبر C-5 کے ڈی اے فلیٹس فیز 4 شادمان ٹاؤن نمبر 2 سیکٹر B-14 نارتھ کراچی 75850

فون نمبر 021-36997059

صبح 10 تا 1 شام 6 تا 9 بجے

ایزی پیسہ اکاؤنٹ نمبر 0349-4900800

خط لکھنے کا پتا۔

آپ کی صحت۔ ماہنامہ آنچل کراچی پوسٹ بکس نمبر 75 کراچی۔

Digitized by Google

کام کی باتیں

حنا احمد

مہر کی مقدار کے حوالے سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ایک قول احادیث کی اکثر کتابوں میں مذکور ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

"خبردار! عورتوں کا مہر زیادہ نہ بڑھاؤ، اس لیے کہ اگر یہ دنیا میں باعث عزت اور اللہ کے ہاں تقویٰ کا معیار ہوتا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تم سے زیادہ اس کے حق دار تھے۔ مجھے علم نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات رضی اللہ عنھن میں سے کسی کے ساتھ بارہ اوقیہ سے زیادہ مہر پر نکاح کیا ہو یا اپنی صاحب زادیوں رضی اللہ عنہ میں سے کسی کے نکاح میں بارہ اوقیہ سے زیادہ مہر مقرر کیا ہو۔" (۱۴)

مہر کے بارے میں چند معاشرتی خرابیاں

اللہ تعالیٰ نے مہر کی مقدار مقرر نہ کر کے آسانی پیدا فرمائی اور اسے لڑکی اور لڑکے والوں کی رضامندی اور ان کی حیثیت پر چھوڑ دیا گیا، کہ مہر نہ اتنا زیادہ ہو کہ لڑکا ادا نہ کر سکے اور نہ اتنا کم ہو کہ لڑکی کے ایک دن کے خرچ کے برابر ہو۔ جب کہ ہمارے معاشرے میں مہر کے بارے میں عجیب وغریب رسم ورواج عام ہو گئے ہیں، جن سے بہت سی خرابیوں نے جنم لیا ہے۔

(۱) مہر میں افراط وتفریط:

مہر کے معاملے میں افراط وتفریط سے کام لیا جاتا ہے۔ یا تو مہر اتنا زیادہ مقرر کر دیا جاتا ہے کہ شوہر بے چارہ ساری زندگی اس کو ادا نہیں کر پاتا یا پھر بیس روپے دس آنے" کو شرعی مہر قرار دے کر مقرر کر دیا جاتا ہے۔ میمنوں میں یہ رواج ہے کہ لڑکا لڑکی چاہے کروڑ پتی ہوں مگر مہر "دس روپے" مقرر کرنا ہے جب کہ صوبہ بہار میں مرد چاہے فقیر ہو مگر مہر "چالیس ہزار روپے" مقرر کیا جاتا ہے۔

(۲) مہر ادا کرنے کی نیت نہ ہونا:

ایسا بھی ہوتا ہے کہ لڑکے کی نیت مہر ادا کرنے کی نہیں ہوتی اور وہ مجلس نکاح میں بھی صراحتاً کہہ دیتا ہے کہ "جتنا مرضی مہر مقرر کرلو، ہم نے کون سا ادا کرنا ہے۔" اس حوالے سے یہ مسئلہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ بیوی کا مہر بھی شوہر کے ذمہ اسی طرح واجب الادا قرض ہے، جس طرح دوسرے قرض واجب الادا ہوتے ہیں۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ اس باری میں لکھتے ہیں۔

"لوگوں کے نکاح میں یہ نہایت سرسری معاملہ ہے حتی کہ مہر کی قلت وکثرت (کمی وزیادتی) میں گفتگو کے وقت بے دھڑک کہہ دیتے ہیں کہ میاں کون لیتا ہے کون دیتا ہے۔ یہ لوگ صریح اقرار کرتے ہیں کہ مہر محض نام ہی کرنے کو ہوتا ہے دینے لینے کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔" (۱۶)

اس ضمن میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔

"اگر کوئی آدمی (شادی کے وقت) اپنی بیوی کے لیے مہر مقرر کرتا ہے جب کہ اللہ جانتا ہے کہ اس کا ارادہ اس کی ادائیگی کا نہیں ہے تو اس نے اللہ سے دھوکا کیا اور حق زوجیت کو باطل طریقے سے حلال کیا۔ ایسا شخص قیامت والے دن اس حال میں آئے گا کہ زانی شمار ہوگا۔"

(۳) سرپرست کا مہر معاف کردینا:

عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ نکاح کے موقع پر ولی خود ہی مہر کو معاف کر دیتا ہے یا عورت سے درخواست کی جاتی ہے کہ وہ مہر معاف کر دے اور عورت بھی چار و ناچار رسماً اسے معاف کر دیتی ہے، حالانکہ اسلام نے تو مہر عورت کو دینے کے لیے مقرر کیا ہے اور ولی کو تو معاف کرنے کا اختیار ہی نہیں ہے تو وہ کیسے معاف کر سکتا ہے۔ مولانا مفتی اسد اللہ نعمانی اس بارے میں لکھتے ہیں۔

"اکثر لوگ بیوی کا مہر ادا نہیں کرتے اور رسمی طور پر معاف کرا لیتے ہیں۔ بیوی یہ سمجھتی ہے کہ شوہر کے ساتھ بدمزگی پیدا ہو جائے گی تو اس سے زندگی دوبھر ہو جائے گی اور مہر بہرحال ملنا ہے نہیں، لہٰذا معافی کے الفاظ ہی کہہ دوں۔ لہٰذا وہ رسمی طور پر اوپری دل سے معاف کر دیتی ہے، اس رسمی

Digitized by Google

معافی کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں ہے۔"(۱۸)

(۴) مہر مانگنے کو برا سمجھنا:

مہر کے حوالے سے ایک عملی غلطی یہ بھی دیکھی گئی ہے کہ مہر مانگنے کو عیب سمجھا جاتا ہے اور اگر کوئی عورت اپنے مہر کا مطالبہ کرے تو اس کو بدنام کیا جاتا ہے، حالانکہ مہر عورت کا حق ہے اور اپنا حق مانگنے میں اخلاقاً اور شرعاً کوئی عیب نہیں ہے۔ اس کو عیب سمجھنا سراسر گناہ کے زمرے میں آتا ہے۔(۱۹)

مولانا محمد یوسف لدھیانوی اس باری میں رقم طراز ہیں۔

"ہمارے معاشرے میں جو اور بہت سی خرابیاں پیدا ہوگئی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ عورتوں کے لیے مہر لینا بھی عیب سمجھا جاتا ہے اور میراث کا حصہ لینا بھی معیوب سمجھا جاتا ہے۔ اس لیے وہ چار و ناچار معاف کردینا ہی ضروری سمجھتی ہیں۔ اگر نہ کریں تو معاشرہ میں "نکو" سمجھی جاتی ہیں۔ دیندار طبقے کا فرض ہے کہ اس معاشرتی برائی کو مٹائیں اور لڑکیوں کو مہر بھی دلوائیں اور میراث کا حصہ بھی دلوائیں۔ اگر وہ معاف کرنا چاہیں تو ان سے کہہ دیا جائے کہ وہ اپنا حق وصول کرلیں اور کچھ عرصہ تک اپنے تصرف میں رکھنے کے بعد اگر چاہیں تو واپس لوٹادیں۔ اس سلسلے میں قطعاً جبر نہ کیا جائے۔"(۲۰)

(۵) سرپرست کا مہر وصول کرکے خرچ کرلینا:

ایک کوتاہی یہ بھی دیکھی گئی ہے کہ لڑکی کا مہر والد یا کوئی دوسرا وصول کرلیتا ہے اور اسے اپنا سمجھ کر خرچ کرتا ہے اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ ہم نے شادی پر اتنا خرچ کیا ہے۔ یہ بھی صحیح نہیں ہے۔ مہر پر صرف عورت کا حق ہے، کسی اور کا نہیں۔ البتہ لڑکی کے سرپرست کا لڑکی کی اجازت سے مہر وصول کرکے اس کے لیے کوئی چیز بنادینا جائز ہے۔(۲۱)

(۶) بیوی کی وفات پر مہر ہضم کرجانا:

مہر کے بارے میں ایک کوتاہی یہ دیکھنے میں آئی ہے کہ بیوی اگر مرجائے اور اس کا مہر ادا نہ کیا گیا ہو تو اس مہر کو ہضم کرلیا جاتا ہے۔ حالانکہ اصولی بات یہ ہے کہ عورت اگر فوت ہوجائے تو اس کا مہر اس کی وراثت میں شمار ہوگا جو اس کے ورثاء میں شرعی طریقے سے تقسیم ہوگا۔(۲۲)

(۷) دو مہر مقرر کرنا:

بعض علاقوں اور قبائل میں دو مہر لیے جاتے ہیں۔ ایک تو نکاح سے پہلے لیا جاتا ہے اور ایک نکاح کے وقت۔ اس بارے میں مولانا یوسف لدھیانوی سے ایک سوال کیا گیا تو آپ نے اس کے جواب میں فرمایا۔

"شرعی مہر تو وہی ہے جو نکاح کے وقت مقرر کیا جاتا ہے اور وہ لڑکے اور لڑکی دونوں کی حیثیت کے مطابق ہونا چاہیے۔ باقی آپ نے اپنے قبیلے کی جو رسم لکھی ہے کہ وہ چالیس سے لے کر ایک لاکھ روپے تک کی رقم وصول کرتے ہیں، یہ مہر نہیں بلکہ نہایت قبیح جاہلانہ رسم ہے اور اس کی نوعیت بردہ فروشی کی ہے۔ اس رسم کی اصلاح کرنی چاہیے اور یہ کام قبیلے کے معزز لوگ کرسکتے ہیں۔"(۲۲)

مصنفین سے گزارش

☆ مسودہ صاف خوش خط لکھیں۔ ہاشیہ لگائیں صفحہ کی ایک جانب اور ایک سطر چھوڑ کر لکھیں اور صفحہ نمبر ضرور لکھیں اور اس کی فوٹو کاپی کرا کر اپنے پاس رکھیں۔

☆ قسط وار ناول لکھنے کے لیے ادارہ سے اجازت حاصل کرنا لازمی ہے۔

☆ نئی لکھاری بہنیں کوشش کریں پہلے افسانہ لکھیں پھر ناول یا ناولٹ پر طبع آزمائی کریں۔

☆ فوٹو اسٹیٹ کہانی قابل قبول نہیں ہوگی۔ ادارہ نے ناقابل اشاعت تحریروں کی واپسی کا سلسلہ بند کردیا ہے۔

☆ کوئی بھی تحریر نیلی یا سیاہ روشنائی سے تحریر کریں۔

☆ مسودے کے پہلے صفحہ پر کہانی اور اپنا نام لکھیں اور آخری صفحہ پر اپنا مکمل نام پتا اور رابطہ نمبر خوشخط تحریر کریں۔

☆ اپنی کہانیاں دفتر کے پتا پر رجسٹرڈ ڈاک کے ذریعے ارسال کیجیے۔ 7، فرید چیمبرز عبداللہ ہارون روڈ۔ کراچی۔

Digitized by Google